

• سات سو باونویں رات

سات سو باونویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- بوڑھے کبجڑے نے بادشاہ بدر باسم سے جادوگرنی ملکہ کا حال بیان کر کے کہا کہ تمام شہر والے وہی ہیں جنہیں اس نے جادو کر کے ان ہی جیسا نہ بنا دے۔ اسی لئے انہوں نے تجھے خشکی پر اترنے سے روکنا چاہا۔ ملکہ نے اس شہر کو شہر والوں سے جادو کر کے چھین لیا ہے اور خود مالک بن بیٹھی ہے۔ اس کا نام ملکہ لاب ہے اور لاب کے معنی عربی میں سورج نکلنے کے ہیں۔ بوڑھے کی یہ باتیں سن کر بادشاہ بدر باسم ڈرا، بید کی طرح تھر تھر کانپنے لگا۔ اور بولا خدا کی پناہ! ابھی تو میں ایک جادو سے چھوٹا ہوں۔ تقدیر نے مجھے اس سے بھی بڑی مصیبت میں لا ڈالا۔ یہ کہہ کر وہ سوچ میں پڑ گیا۔ بوڑھے نے دیکھا کہ وہ سما جاتا ہے تو کہنے لگا بیٹا اٹھ اور دکان کی دہلیز پر بیٹھ کر لوگوں، ان کے لباسوں اور رنگوں کا نظارہ کر اور دیکھ کہ جادو سے ان کا کیا حال ہو گیا ہے، ڈر نہیں۔ ملکہ اور سارے شہر والے مجھ سے محبت اور میرا لحاظ کرتے ہیں، کوئی ایسی بات نہیں کرتے جس سے میرا دل ٹوٹے یا میں کشیدہ خاطر ہوں۔ بوڑھے نے کہا تو بادشاہ بدر باسم باہر آیا اور دکان کے دروازے پر بیٹھ کر تماشا دیکھنے لگا، اس نے دیکھا کہ وہاں سے بے شمار آدمی گزر رہے ہیں۔ جب ان کی نظر بدر باسم پر پڑی تو انہوں نے بوڑھے کے پاس آ کر پوچھا بڑھے کیا یہ تیرا شکار ہے، جو آج تک تیرے پھندے میں پھنسا ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا، یہ میرا بھتیجا ہے۔ میں نے سنا تھا کہ اس کے باپ کا انتقال ہو گیا ہے اسی لئے میں نے اسے یہاں اپنے پاس بلوایا تا کہ اسے دیکھ کر میں اپنا دل ٹھنڈا کروں۔ انہوں نے کہا یہ جوان بڑا خوبصورت ہے، ہمیں ڈر ہے کہ کہیں ملکہ لاب تجھے دھوکا دے کر اسے نہ لے اڑے۔ اسے خوبصورت جوانوں سے محبت ہے۔ بوڑھا بولا ملکہ میرے خلاف کچھ نہیں کرتی بلکہ میرا لحاظ کرتی ہے اور مجھ سے

محبت رکھتی ہے۔ جب اسے معلوم ہو گا کہ یہ میرا بھتیجا ہے تو وہ نہ اس کا پیچھا کرے گی۔ نہ اس کے متعلق میرے ساتھ برا برتاؤ۔

بادشاہ بدر بasm کئی مہینے تک بوڑھے کے ہاں ٹھہرا رہا۔ وہاں کھاتا پیتا رہا، بوڑھے کو اس سے بڑی محبت ہو گئی۔ اک دن کا واقعہ ہے، بدر بasm اپنی عادت کے موافق بوڑھے کی دکان پر بیٹھا تھا کہ ادھر سے ایک ہزار غلام گزرے، ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔ وہ طرح طرح کی دریاں پہنے کمر سے ایسی پیٹیاں باندھے ہوئے تھے، جن میں ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ ان کے گھوڑے عربی اور تلواریں ہندی تھیں۔ وہ بوڑھے کی دکان پر آئے اور اسے سلام کر کے آئے چلتے ہوئے۔ ان کے بعد چاند کی طرح ایک ہزار کنیریں آئیں، وہ طرح طرح کی اطلسی پوشاکیں پہنے تھیں جن میں سونے کی جھالریں لگی ہوئی تھیں اور ہیرے نٹکے ہوئے تھے۔ سب کے ہاتھوں میں نیزے تھے۔ ان سے درمیان ایک لڑکی عربی گھوڑے پر سوار تھی۔ گھوڑے کا زین سونے کا تھا۔ جس میں رنگ رنگ کے ہیرے اور یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ آتے آتے یہ جلوس بوڑھے کی دکان پر پہنچ گیا۔ کنیریں اسے سلام کر کے آگے چل دیں۔ اب ملکہ لاب آتی ہوئی دکھائی دی۔ آتے آتے بوڑھے کی دکان کے سامنے پہنچی۔ اس کی بادشاہ بدر بasm سے آنکھیں چار ہوئیں جو چودھویں رات کے چاند کی طرح دکان پر بیٹھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی ملکہ لاب اس پر لٹو ہو گئی اور ہکا بکا ہو کر دکان پر اتر پڑی۔ بادشاہ بدر بasm کے پاس جا بیٹھی اور بوڑھے سے پوچھنے لگی، یہ حسین کہاں سے تیرے ہاتھ لگا؟ بوڑھا بولا، یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے اور تھوڑے ہی دن ہوئے یہاں آیا ہے۔ ملکہ نے کہا اسے آج رات میرے ساتھ رہنے دے تا کہ میں اس سے باتیں کروں۔ بوڑھا بولا اسے میرے پاس سے لے جا کر اس پر جادو تو نہیں کرے گی؟ اس نے جواب دیا، نہیں۔ بوڑھنے نے کہا قسم کھا۔ اس نے قسم کھا کر حکم دیا کہ بدر بasm کے لئے ایک خوبصورت گھوڑا لایا جائے جس پر سونے کا زین اور سونے کی لگام بلکہ ہر چیز سونے کی ہو جس میں ہیرے جڑے ہوں اور بوڑھا کو ایک ہزار دینار دے کر کہا ان سے اپنا کام چلا۔

پھر اس نے بادشاہ بدر باسَم کو اپنے ساتھ لیا اور چل دی۔ وہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چودھویں رات رات کا چاند۔ جب وہ ملکہ کے ساتھ روانہ ہوا، لوگوں کی نظریں اس پر پڑی اور انہوں نے دیکھا کہ کیا حسین جوان ہے تو وہ افسوس کر کے کہنے لگے کہ یہ جوان اس بات کا مستحق نہیں کہ وہ ملعونہ اس پر جادو کرے۔ بادشاہ باسَم لوگوں کی باتیں سن رہا تھا مگر چپ، اس نے اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر رکھا تھا۔ چلتے چلتے وہ محل میں پہنچے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• سات سو تریپنویں رات

سات سو تریپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- بدر باسَم اور ملکہ لالہ دونوں محل کے دروازے پر پہنچے، امرا، غلام اور مصاحب سب گھوڑے پر سے اتر پڑے۔ ملکہ نے حاجبوں کو حکم دیا کہ امرا کو رخصت کریں۔ وہ سب زمین چوم کر چلے گئے، محض ملکہ، غلام اور کنیزیں محل کے اندر داخل ہوئیں۔ بادشاہ بدر باسَم کی نظر محل پر پڑی تو دیکھا کہ ایسا محل تو کبھی اس کی نظر سے نہیں گزرا، اس کی اینٹیں سونے کی تھیں اور بیچ میں ایک بڑا شاندار باغ تھا جس کے اندر پانی سے لبالب بھرا ہوا ایک حوض۔ باغ میں مختلف شکل اور رنگ رنگ کی چٹیاں طرح طرح کی بولیاں بول رہی، خوش آمیز اور درد انگیز اشعار گا رہی تھیں۔ بادشاہ بدر باسَم کہنے لگا کہ پاک ہے وہ ذات جو اپنے احسان اور نرم دلی سے اسے بھی روزی دیتا ہے جو اس کی عبادت نہیں کرتا۔ اب ملکہ اس جھروکے کے پاس جو باغ کی طرف کھلتا تھا ایک ہاتھی دانت کے تخت پر جا بیٹھی جس کے اوپر ایک عالی شان تخت بچھا ہوا تھا۔ بادشاہ بدر باسَم بھی اس کے پہلو میں بیٹھ گیا، ملکہ اس کے بو سے لینے لگی اور اسے سینے پر لپٹا لیا۔ اس کے بعد ملکہ نے کنیزوں کو حکم دیا کہ دستر خوان بچھائیں، انہوں نے ایسا دستر خوان بچھایا جو سرخ سونے کا تھا، جس میں موتی اور ہیرے ٹنکے ہوئے تھے۔ اس پر طرح طرح کے کھانے لگائے گئے۔ دونوں نے پیٹ بھر کر کھایا اور ہاتھ دھوئے۔ پھر کنیزیں سونے، چاندی اور بلور کے برتن، پھول کی سینیاں لے آئیں۔ ملکہ نے حکم دیا کہ ڈومینوں کو بلاؤ۔ فوراً دس کنیزیں آ پہنچیں جو چاند سی خوبصورت تھیں اور جن کے پاس طرح طرح کے باجے تھے۔

ادھر گانا بجانا شروع ہوا، ادھر بے ہوشی، ملکہ جام بھر کر خود پیتی اور دوسرا بادشاہ باسَم کو دیتی۔ وہ اسے پی جاتا۔ پیتے پیتے جب دونوں جی بھر کی پی چکے تو ملکہ ڈومینوں کی

طرف متوجہ ہوئی، وہ طرح طرح کے راگ سنا رہی تھیں۔ بادشاہ بدر بسم کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ محل مارے خوشی کے اس کے ناچ رہا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی عقل جاتی رہی۔ ایسا بدمست ہوا کہ اپنی غربت کا خیال اس کے دل سے نکل گیا۔ جی میں کہنے لگا کہ یہ ملکہ نوجوان اور خوبصورت ہے، اب میں اس کے پاس سے ہرگز نہیں جاؤں گا۔ اس کا ملک بھی میرے ملک سے بڑا ہے۔ اور وہ خود شہزادی جوہرہ سے زیادہ حسین ہے۔ اسی ناچ رنگ میں شام ہو گئی۔ قدیلیں اور موم بتیاں جلنے اور خوشبوئیں پھیلنے لگیں۔ ڈومیناں گاتی جاتیں اور وہ پیتے جاتے تھے یہاں تک کہ دونوں آپے سے باہر ہو گئے جب ملکہ لاب پر نشہ چڑھ گیا تو وہ جا کر ایک تخت پر سو رہی اور کنیزوں کو رخصت کر کے بادشاہ بدر بسم سے کہا میرے پاس آ کر لیٹ جا۔ وہ آ کر لیٹ گیا اور صبح تک بڑے مزے اڑائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو چوہنویں رات

سات سو چوہنویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- صبح کو اٹھ کر ملکہ حمام گئی جو محل کے اندر تھا۔ بادشاہ بدر باسم بھی اس کے ساتھ تھا، جب دونوں نما کر حمام سے نکلے تو ملکہ نے بدر باسم کو بہترین کپڑے پہنائے اور شراب منگوائی، دونوں نے خوب پی۔ ملکہ نے ہاتھ پکڑ کر بادشاہ بدر باسم کو اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے تو کھانا منگوایا، دونوں نے کھانا کھایا اور ہاتھ دھوئے۔ اس کے بعد کنیز ان کے لئے مے نوشی کا سامان، پھل، پھول اور میوہ لائیں۔ وہ کھا پی رہے تھے اور کنیزیں طرح طرح کے گیت سنا رہی تھی کہ شام ہو گئی۔ اسی طرح کھاتے پیتے مزے اڑاتے چالیس دن گزر گئے۔ اب ملکہ نے پوچھا بدر باسم، بتا یہ جگہ بہتر ہے یا تیرے چچا کنجڑ کی دکان؟ اس نے کہا اے ملکہ، خدا کی قسم یہ بہتر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ میرا چچا غریب آدمی ہے، باقلے کی پھلیاں بیچنے والا۔ یہ سن کر ملکہ ہنس پڑی اور دونوں جا کر مزے سے سو گئے۔ سویرا ہوا اور بادشاہ بدر باسم کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا ملکہ اس کے پہلو میں نہیں ہے۔ وہ سخت حیران و پریشان تھا۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ خدا جانے ملکہ کہاں چلی گئی۔ پھر جب وہ دیر تک غائب رہی اور لوٹ کر نہ آئی تو اپنے دل میں سوچنے لگا کہ وہ کہاں گئی ہو گی۔ آخر کپڑے پہن کر اٹھا اور ملکہ کو ادھر ادھر ڈھونڈنے لگا مگر جب وہ کہیں نہ ملی تو اس نے اپنے دل میں کہا کہیں وہ باغ میں تو نہیں گئی۔ وہ باغ میں گیا اس نے دیکھا کہ وہاں ایک چشمہ بہہ رہا ہے اور اس کے کنارے ایک سفید چڑیا بیٹھی ہوئی ہے، وہیں کنارے پر ایک درخت ہے جس پر بہت سی رنگ برنگ کی چڑیاں بیٹھی ہیں۔ وہ چڑیوں کو دیکھ رہا تھا۔ چڑیاں اسے نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ اب اس نے دیکھا کہ ایک کالی چڑیا درخت سے اتر کر سفید چڑیا کے پاس آئی اور اس کی چونک میں چونچ ڈالنے لگی جیسے کبوتر کیا کرتے

ہیں۔ اور تین بار اس سے جتی کھائی۔ تھوڑی دیر کے بعد سفید چڑیا انسانی صورت میں آ گئی۔ اور بدر باسَم نے دیکھا کہ وہ ملکہ لاب ہے۔ اسے یقین ہو گیا کہ کالی چڑیا بھی کوئی انسان ہے جس نے اس پر جادو کیا ہے، جسے وہ چاہتی ہے اور جس سے جماع کی خاطر وہ بھی چڑیا بن گئی تھی۔ وہ دیکھ کر وہ مارے غیرت کے مر گیا اور کالی چڑیا کی اس حرکت سے ملکہ لاب پر سخت ناراض ہوا اور اپنے فرش پر جا کر سو گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ملکہ لاب بھی لوٹ کر آئی، اسے بوسے دینے اور اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرنے لگی، مگر وہ غصے میں بھرا ہوا تھا، اس نے بات تک نہ کی۔ ملکہ تاڑ گئی، اسے یقین آ گیا کہ بدر باسَم نے مجھے چڑیا بننے اور دوسری چڑیا سے جھتی کھاتے دیکھ لیا ہے لیکن منہ سے نہ کہا۔ تمام باتیں اپنے دل میں پوشیدہ رکھیں۔ جب بدر باسَم اپنی حاجت پوری کر چکا تو بولا اے ملکہ! مجھے اجازت دے کہ میں اپنے چچا کی دکان پر جاؤں، چالیس دن سے میں نے اسے دیکھا نہیں ہے۔ اس سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔ ملکہ نے جواب دیا مگر جلد لوٹو، کیونکہ مجھے ایک پل بھر بھی تیری جدائی گوارا نہیں ہے۔ بدر باسَم سوار ہو کر بوڑھے کنجڑے کی دکان پر پہنچا۔ بوڑھے نے اسے مرحبا کہا، اٹھ کر گلے لگایا اور پوچھا کہ اس بے دین کے ساتھ کیسی گزری؟ جوان نے جواب دیا خوب گزری اور میں بہ خیر و عافیت رہا لیکن آج رات کو سوتے سوتے میری آنکھ کھلی تو وہ غائب تھی۔ میں نے کپڑے پہن کر اسے ڈھونڈنا شروع کیا اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے باغ میں پہنچا۔ اس کے بعد اس نے چشمے اور درخت کی چڑیوں کا قصہ سنایا۔ بوڑھا بولا اس سے ہوشیار رہ۔ درخت کی چڑیاں سب پردہ سی جوان ہیں۔ جن سے اس نے محبت کی ہے اور پھر جادو سے انہیں چڑیاں بنا دیا ہے۔ کالی چڑیاں بنا دیا ہے۔ کالی چڑیا جسے تو نے دیکھا تھا اس کا ایک غلام ہے جسے وہ بہت چاہتی تھی۔ غلام نے کسی کنیر سے آنکھ لڑائی اور ملکہ نے جادو کر کے اسے کالی چڑیا بنا دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو پچیسویں رات

سات سو پچیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- بوڑھے نے بیان کیا کہ ملکہ نے غلام کو لای چڑیا بنا دیا تا ہم جب کبھی محبت کا جوش اٹھتا تو اسی مجاہمت کرنے کی غرض سے وہ خود چڑیا بن جاتی ہے۔ اب چونکہ وہ جان گئی ہے کہ تو اس کے بھید سے واقف ہو گیا ہے تو ضرور تجھے نقصان پہنچانے کے درپے ہو گی اور اس کا دل تیری طرف سے کبھی صاف نہ ہو گا۔ لیکن جب تک تو میری پناہ میں ہے، تیرا بال بیکا نہیں ہو سکتا۔ ڈر نہیں، میں مسلمان ہوں۔ میرا نام عبداللہ ہے اور دنیا بھر میں مجھ سے بڑا جادوگر کوئی نہیں۔ ہاں جب تک مجبور نہیں ہوتا جادو کا استعمال نہیں کرتا، اکثر میں نے اس بد ذات کا جادو توڑ کر لوگوں کو اس کے پھندے سے چھڑایا ہے۔ میں اس سے بالکل نہیں ڈرتا۔ وہ میرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی بلکہ وہ الٹا مجھ سے ڈرتی ہے۔ اسی طرح شر کے تمام جادوگر مجھ سے ڈرتے ہیں۔ ان سب کا وہی مذہب ہے جو ملکہ کا۔ خدا کو چھوڑ کر آگ کی پوجا کرتے ہیں۔ خیر اس وقت جا، کل میرے پاس آ کر بتائیو کہ اس نے تیرے ساتھ کیا کیا۔ کیونکہ وہ آج رات تجھے مارنے کی کوشش کرے گی۔ پھر میں تجھے بتا دوں گا کہ اس کے مکر سے بچنے کے لئے تجھے کیا کرنا چاہئے۔

جب بادشاہ بدر باس بوڑھے سے رخصت ہو کر ملکہ کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ بیٹھی اس کی راہ دیکھ رہی ہے۔ اسے دیکھتے ہی تعظیم کے لئے کھڑی ہو گئی، اسے بٹھا کر مرحبا کہا اور اس کے لئے کھانا پینا لائی۔ دونوں نے خوب پٹ بھر کر کھایا اور ہاتھ دھوئے۔ اس کے بعد ملکہ نے شراب منگوائی اور دونوں آدھی رات پیتے رہے۔ اس کے بعد ملکہ نے اسے درپے جام پلانے شروع کئے یہاں تک کہ وہ مست ہو گیا، اس کے ہوش حواس جاتے رہے۔ ملکہ نے اسے اس حالت میں دیکھا تو کہنے لگی میں تجھے خدا

کا واسطہ دیتی ہوں جو تیرا معبود ہے اگر میں تجھ سے کوئی بات پوچھوں تو کیا سچ سچ جواب دے گا اور میری بات مان لے گا۔

وہ نشے میں تو تھا ہی کہہ دیا کہ اے میری آقا ہاں۔ ملکہ بولی اے میرے آقا اور میری آنکھ کے تارے کل جب تو نے جاگ کر مجھ کو موجود نہ پایا۔ مجھے ڈھونڈتے ڈھونڈتے باغ پہنچا اور تو نے دیکھا کہ میں سفید چڑیا کی شکل میں ہوں اور ایک کالی چڑیا مجھ سے جھتی کھاتی ہے تو میں تجھے بتا دینا چاہتی ہوں کہ وہ کالی چڑیا میرا ایک غلام تھا جسے میں بہت چاہتی تھی، ایک دن وہ میری ایک کنیز کے ساتھ پھنس گیا۔ اس پر مجھے اتنا رشک آیا کہ میں نے اسے جادو سے کالی چڑیا بنا دیا اور کنیز کو قتل کر ڈالا لیکن آج تک میرا یہ حال ہے کہ میں اس غلام سے صبر نہیں کر سکتی، جب کبھی میں اس کے پاس جاتی ہوں تا کہ وہ مجھ سے جھتی کھائے اور میرا آقا بنے جیسے کہ تو نے خود دیکھا۔ تیرا غصہ اسی وجہ سے مجھ پر تھا نا؟ قسم ہے آگ، روشنی، اور گرمی کی میں تجھے بے حد چاہتی ہوں اور دنیا میں سوائے تیرے اور کسی کی خواہش نہیں۔ بدر باس بد مست تو تھا ہی کہنے لگا یہ بالکل ٹھیک ہے کہ میں اسی وجہ سے ناراض تھا۔ کوئی اور وجہ ناراضگی کی نہیں۔ یہ سن کر ملکہ نے اسے لپٹا لیا اور محبت جتانے لگی، پھر سو گئی۔ وہ بھی اس کے پہلو میں سو گیا۔

جب آدھی رات گزر چکی تو ملکہ اٹھی۔ بادشاہ بدر باس جاگ رہا تھا مگر گھنی سادھے پڑا رہا اور کنکھیوں سے دیکھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ اس نے دیکھا کہ ملکہ نے ایک لال تھیلی میں سے کوئی لال سی چیز نکال کر اسے محل کے بیچ میں گاڑ دیا اور ایک چشمہ بن کر بننے لگا پھر اس نے مٹھی بھر جو لے کر مٹی میں بو دیئے اور انہیں اسی پانی سے سینچنے لگی۔ بالیں نکل آئیں، دانے لگ گئے۔ اب اس نے انہیں لے کر پیسا، آٹے کو ایک جگہ رکھ آئی اور آکر بدر باس کے پاس سو گئی۔ صبح ہوئی تو بادشاہ بدر باس نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور ملکہ سے بوڑھے کے پاس جانے کی اجازت مانگی۔ ملکہ نے اسے اجازت دے دی۔ اس نے بوڑھے کے پاس جا کر سارا ماجرا اور جو کچھ

اس کی نظر سے گزرا تھا بیان کر دیا۔ بوڑھا ہنس پڑا اور کہنے لگا، خدا کی قسم اس بے دین جادوگر نے تیرے ساتھ چال چلی ہے لیکن تو اس کی ہرگز پروا نہ کر۔ یہ کہہ کر اس نے آدھ سیر کے قریب ستونکالے اور اس سے کہا کہ انہیں ساتھ لیتا جا۔

ملکہ پوچھے گی کہ یہ کیا ہے، تو انہیں کیا کرے گا؟ تو جواب دیجیو کہ جو کچھ کھانے میں بچ رہے، اس میں برکت ہوتی ہے۔ جب وہ اپنے ستونکالے اور تجھ سے کہے کہ یہ کھا تو پر یہ ظاہر کیجیو کو گویا تو انہیں کھا رہا ہے۔ مگر کھائیو انہیں، خبر دار! اس کے ستونوں میں سے ذہ برابر بھی نہ چکھیو۔ اگر تو نے اس کے ستون زبان پر بھی رکھے، خواہ ذہ برابر ہی کیوں نہ ہوں تو اس کا جادو تجھ پر چل جائے گا۔ وہ تجھ پر جادو کر دے گی، تجھ سے کہے گی کہ یہ انسانی صورت چھوڑ دے اور تو اپنی صورت چھوڑ کر وہ صورت اختیار کر لے گا جو وہ چاہے گی اور اگر تو نے ان میں سے نہ کھایا تو اس کا جادو باطل ہو جائے گا اور اس سے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، وہ بے حد پشیمان ہو گی، تجھ سے کہے گی کہ میں تو تیرے ساتھ مذاق کرتی تھی اور تجھ سے پیار محبت کی باتیں کرنے لگے گی۔ یاد رکھ یہ ساری باتیں دغا بازی کی ہوں گی تو بھی اس سے محبت کا اظہار کیجیو اور کہیو اے میری آقا اور آنکھوں کی روشنی، اب ذرا ان ستونوں کو بھی کھا کر دیکھ کہ کیسے مزیدار ہیں۔ جب وہ انہیں کھائے، خواہ ایک ہی ذہ کیوں نہ ہو، تو تو چلو میں پانی لے کر اس کے منہ پر ماریو اور کہیو کہ یہ انسانی صورت چھوڑ دے اور اس صورت میں ہو جاؤ جو میں چاہتا ہوں۔ پھر اسے وہیں چھوڑ کر میرے پاس آ جائیو تا کہ میں بتاؤں کہ اب تجھے کیا کرنا ہے۔

بدر باسم بوڑھے سے رخصت ہوا اور محل پہنچ کر ملکہ کے پاس گیا۔ ملکہ نے اسے دیکھتے ہی کہا اہلاً و سہلاً مرحبا، اٹھ کر اسے بوسہ دیا اور کہنے لگی اے میرے آقا! تو نے بڑی دیر لگائی۔ اس نے جواب دیا اپنے چچا کے پاس تھا اور اس نے مجھے یہ ستون کھانے کو دیئے تھے۔ ملکہ بولی میرے پاس ان سے اچھے ستون ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے بدر باسم کے ستون ایک ایک پیالے میں ڈالے اور اپنے ستون دوسرے پیالے میں اور کہنے لگی

ان میں سے کھا، یہ تیرے ستو سے اچھے ہیں۔ بدر باسَم نے ملکہ پر ظاہر کیا گویا وہ اس کے ستو کھا رہا ہے ملکہ کو یقین آ گیا کہ اس نے وہ ستو کھائے تو اس نے چلو میں پانی لے کر اس پر چھڑکا اور کہنے لگی موءِ مردود! اپنی شکل بدل کر ایک بھونڈے کلنے خچر کی طرح ہو جا، لیکن وہ نہ بدلا۔ ملکہ نے دیکھا کہ وہ اپنی صورت پر قائم ہے تو اس نے اٹھ کر اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور بولی پیارے میں تیرے ساتھ مذاق کر رہی تھی، ناراض نہ ہو جانیو۔ بدر باسَم نے کہا کہ تو مجھ سے محبت کرتی ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو میرے ستو بھی کھا۔ ملکہ ان میں سے مٹھی بھر لے کر کھا گئی، ان کے پیٹ میں پہنچتے ہی اسے بے چینی سی ہونے لگی۔ بادشاہ بدر باسَم نے چلو پھر پانی لے کر اس کے منہ پر مارا اور کہا کہ اس انسانی صورت سے زر زوری خچر کی صورت میں آ جا۔ ملکہ ابھی اپنے آپ کو دیکھنے بھی نہ پائی تھی کہ خچر بن گئی۔ آنسو اس کے چہرے پر بننے لگے اور وہ اپنے رخسار اس کے پاؤں پر رگڑنے لگی۔ بدر باسَم نے اسے لگام دینی چاہی۔ اس نے نہ لی۔ وہ اسے چھوڑ کر بوڑھے کے پاس گیا اور سارا ماجرا بیان کیا۔ بوڑھا ایک لگام لے آیا اور کہا جا کر یہ لگا دے، بدر باسَم اس لگام کو لے کر اس کے پاس آیا۔ اسے دیکھتے ہی خچری اس کے پاس گئی۔ بدر باسَم نے اس کے منہ میں لگام لگائی، اس پر سوار ہو کر محل سے نکلا اور شیخ عبداللہ کے پاس پہنچا۔

بوڑھے نے اسے دیکھا تو کہنے لگا، ملعونہ! خدا تیرا ستیاناس کرے! پھر اس نے بدر باسَم کی طرف مخاطب ہو کر کہا بیٹا! اب تیرا اس شہر میں ٹھہرنا ممکن نہیں، اس پر سوار ہو کر جہاں تیرا دل چاہے چلا جا لیکن خبر دار! لگام کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہ دیجیو۔

بادشاہ بدر باسَم نے اس کا شکریہ ادا کی اور رخصت ہو کر چل دیا۔ تین دن چل چلنے کے بعد وہ ایک شہر میں پہنچا، وہاں اسے ایک خوبصورت بوڑھا ملا اور اس نے پوچھا بیٹا تو کہاں سے آ رہا ہے؟ بدر باسَم نے جواب دیا اس جادوگر نی کے شہر سے۔ بوڑھا بولا آج کی رات تو میرا مہمان ہے۔ بدر باسَم نے منظور کر لیا، دونوں چلے جا رہے تھے کہ ایک بڑھیا ملی جو خچر کو دیکھتی ہی رو پڑی اور کہنے لگی لا الہ الا اللہ یہ خچری تو میرے

بیٹے کی خچر سے بہت مشابہت رکھتی ہے جو مر گیا اور جس کی وجہ سے میں سخت پریشان ہو رہی ہوں۔ اے میرے آقا! خدا کے لئے یہ خچری میرے ہاتھ بچ ڈال۔ بدر باس نے جواب دیا۔ خدا کی قسم مائی، میں اسے بچ نہیں سکتا۔ بڑھیا بولی میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ میری درخواست رد نہ کر کیونکہ اگر میں نے اپنے بیٹے کے لئے خچری نہ خریدی تو وہ ضرور جان دے دے گا۔ اس نے بہت اصرار کیا تو بدر باس کہنے لگا میں اسے ایک ہزار دینار سے کم نہیں بیچوں گا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ بڑھیا ہزار دینار لائے گی کہاں سے! مگر بڑھیا نے فوراً اپنے پٹکے میں سے ایک ہزار دینار نکال لئے۔ یہ دیکھ کر بادشاہ بدر باس بولا مائی، میں تو تیرے ساتھ مذاق کرتا تھا، اسے تو میں کسی طرح بچ نہیں سکتا۔ بوڑھے نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور کہا بیٹا، اس شہر میں کوئی شخص جھوٹ نہیں بول سکتا، اگر کوئی جھوٹ بولتا ہے تو لوگ اسے قتل کر دیتے ہیں۔ یہ سن کر بادشاہ بدر باس خچری پر سے اتر پڑا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو چھپنویں رات

سات سو چھپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جونہی بادشاہ بدر باسَم نے نچری بڑھیا کے سپرد کی تو اس نے لگام اس کے منہ سے نکال لی۔ لو میں پانی لے کر اس کا منہ چھڑکا اور کہا اے میری بیٹی! اس صورت کو بدل کر اپنی پہلی صورت اختیار کر لے۔ وہ فوراً اپنی اصلی صورت پر آ گئی۔ اور دونوں ایک دوسرے کی طرف بڑھ کر لگے لپٹ گئیں۔ بادشاہ بدر باسَم کو معلوم ہوا کہ بڑھیا اس کی ماں تھی اور اس کی چال چل گئی۔ چاہا کہ بھاگے لیکن بڑھیا نے زور سی سیٹی بجائی۔ بدر باسَم کے آگے بڑے پہاڑ کی طرف ایک دیوار آکھڑی ہوا۔ وہ سہم کر رک گیا، بڑھیا دیو کی پیٹھ پر سوار ہو گئی، اپنی بیٹی کو پیچھے بٹھا لیا اور بادشاہ بدر باسَم کو آگے، دیو انہیں لے کر اڑا وہ چشم زدن میں ملکہ لاب کے محل میں پہنچ گئے۔ شاہی کرسی پر بیٹھ کر ملکہ لاب بادشاہ بدر باسَم کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی، 'موتے' اب میں اپنے گھر آ پہنچی، مری منہ مانگی مراد مجھے مل گئی، دیکھ تو سہی میں تیرے اور اس بوڑھے سبز فروش کے ساتھ کیا کرتی ہوں۔ میں نے اس پر کتنے احسان کئے ہیں لیکن وہ میرے ساتھ برائی کرتا رہا۔ اس کے ذریعے سے تو نے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔

یہ کہہ کر ملکہ لاب نے پانی لیا اور اس پر چھڑک کر کہا اس صورت کو بدل کر بد صورت سی چڑیا کی شکل اختیار کر لے، وہ فوراً ایک بھونڈی چڑیا کی شکل میں آ گیا۔ ملکہ نے اسے ایک پنجرے میں ڈال کر اس کا کھانا پینا بند کر دیا۔ اتفاق سے ایک باندی کی نظر اس پر پڑی، اسے ترس آ گیا۔ وہ ملکہ کی پیٹھ پیچھے اسے کھلاتی پلاتی رہتی، ایک روز ملکہ کی آنکھ بچا کر وہ بوڑھے کنبڑے کے پاس پہنچی۔ اس سے ساری باتیں کہہ دیں۔ اور یہ بھی کہا کہ ملکہ لاب چاہتی ہے کہ تیرے بھتیجے کو مار ڈالے۔ بوڑھے نے اس کا شکریہ ادا کیا اور بولا اب سوائے اس کے کوئی چاہہ نہیں کہ میں اس کے

ہاتھ سے شہر چھین لوں اور اس کے بجائے تجھے اس کی ملکہ بنا دوں۔ یہ کہہ کر اس نے زور سی سیٹی بجائی۔ ایک دیو آ پہنچا۔ جس کے چار بازو تھے۔ بوڑھے نے کہا اس لڑکے کو لے کر گنار بحریہ اور اس کی ماں فراشہ کے شہر میں جا کیونکہ ان دونوں سے بڑھ کر دنیا بھر میں کوئی جادوگر نہیں ہے اور لڑکی سے بولا۔ وہاں پہنچ کر ان سے کہیو کہ بادشاہ بدر باسم ملکہ لاب کی قید میں ہے۔ دیو اسے لے کر اڑا۔ ابھی ایک پل بھی نہ گزرا ہو گیا کہ گنار بحریہ کے محل پر جا اتر۔ لڑکی چھت پر اسے اتر کہ ملکہ گنار کے پاس پہنچی اور زمین چوم کر سارا ماجرا کہہ سنایا جو اس کے بیٹے کے ساتھ پیش آیا تھا۔ گنار اس کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کا شکریہ ادا کیا اور شہر میں شادیانے بجنے لگے۔ گل ناز نے شہر والوں اور تمام امرا کو خبر پہنچا دی کہ بدر باسم کا پتہ چل گیا ہے۔ اب گنار بحریہ اور اس کی ماں فراشہ اور اس کے بھائی صالح نے جنوں کے تمام قبیلوں اور سمندری لشکر کو بلوایا کیونکہ بادشاہ سمندل کے گرفتار ہونے کے بعد وہ سب ان کے مطیع ہو گئے تھے اور جادو گرنی کے شہر میں پہنچے۔ محل کو لوٹ کر اس میں جتنے کافر تھے سب کو آنا فنا قتل کر دیا۔

میدان صاف ہو گیا تو گنار نے لڑکی سے پوچھا 'میرا بیٹا کہاں ہے؟ وہ جا کر پنجرہ لے آئی اور چٹیا کی طرف اشارہ کر کے کہا لے یہ ہے تیرا بیٹا۔ ملکہ گنار نے اسے پنجرے سے نکالا، پانی اس پر چھڑک دیا اور کہنے لگی کہ اس صورت کو بدل کر اپنی اصلی صورت پر آ جا' ابھی وہ اپنی بات ختم بھی نہ کرنے پائی تھی کہ وہ پر جھاڑ کو پہلے کی طرح انسان ہو گیا۔ ماں نے اسے اصلی صورت میں دیکھ کر گلے لگا لیا۔ وہ بلک بلک کر رونے لگا۔ اسی طرح اس کا ماموں صالح، نانی فراشہ اور صالح کی چچیری بہنیں رونے اور اس کے ہاتھ پاؤں چومنے لگیں۔ اس کے بعد گنار نے شیخ عبداللہ کو بلوایا اور جو نیکی اس نے اس کے بیٹے کے ساتھ کی تھی، اس کا شکریہ ادا کیا اور بیٹے کا بیاہ اس لڑکی کے ساتھ، جو اس کی خبر لے کر آئی تھی، وہ اس کے ساتھ ہم بستر ہوا۔ اس کے بعد گنار نے شیخ عبداللہ کو اس شہر کا بادشاہ بنا دیا۔ شہر کے تمام مسلمانوں کو بلا کر ان

سے ان کی بیعت ی اور ان سے قسم دے کر وعدہ لیا کہ وہ اس کی اطاعت کریں اور خدمت کریں گے۔ انہوں نے کہا سر آنکھوں سے۔ اس کے بعد وہ لوگ شیخ عبداللہ سے رخصت ہو کر اپنے شہر کو روانہ ہو گئے، جب وہ اپنے محل پہنچے تو شہر والوں نے شادیانوں اور جشنوں سے ان کا خیر مقدم کیا، وہ اپنے بادشاہ بدر باسم کے آنے پر اس قدر خوش تھے کہ تین دن تک شہر کو آراستہ پیراستہ رکھا۔ اس کے بعد بادشاہ بدر باسم نے اپنی ماں سے کہا، اماں اب سوائے اس کے اور کچھ باقی نہیں رہا کہ میں شادی کر لوں اور ہم سب اکٹھے ہو جائیں۔ وہ بولی بیٹا، تیری رائے ٹھیک ہے لیکن مجھے یہ پتہ لگا لینے دے کہ کون سی شہزادی تیرے قابل ہو گی۔ اس کی نانی فراشہ، ماموں اور چچیری بہنوں نے کہا اے بدر باسم! جو کچھ تو چاہتا ہے، اس کے پورا کرنے کے لئے ہم سب حاضر ہیں اور وہ سب مختلف شہروں کو دلہن ڈھونڈنے کی غرض سے روانہ ہو گئے۔ گلنار بحریہ نے بھی اپنی کینروں کو دیوؤں کے کندھوں پر سوار کر کے روانہ کر دی اور ان سے کہا کوئی شہر یا شاہی محل نہ بچے، جہاں تم نہ جاؤ اور نہ دیکھو کہ کون کون خوبصورت لڑکیاں ہیں۔ بادشاہ بدر باسم نے دیکھا کہ وہ سب اس بارے میں کتنی کوششیں کر رہے ہیں تو اس نے اپنی ماں گلنار سے کہا، اماں یہ تکلیف نہ اٹھا، مجھے سوائے بادشاہ سمندل کی بیٹی جوہرہ کے اور کوئی پسند نہیں جیسا اس کا نام ہیرا ہے ویسے ہی وہ بھی ہیرا ہے۔ ماں بولی، میں تیرا مطلب سمجھ گئی اور اس نے بادشاہ سمندل کو بلوا بھیجا۔ وہ فوراً حاضر کیا گیا۔ اس کے بعد اس نے بدر باسم کو بلایا۔ وہ آیا تو گلنار نے کہا بادشاہ سمندل حاضر ہے اور بدر باسم اس کے پاس گیا۔

جونہی بادشاہ سمندل نے بدر باسم کو آتے دیکھا تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا اور سلام کر کے اس کا خیر مقدم کیا۔ بادشاہ بدر باسم نے اس سے اس کی بیٹی جوہرہ سے شادی کی درخواست کی، اس نے جواب دیا کہ وہ تیری لونڈی ہے اور تیری خدمت کے لئے حاضر ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے چند خاص آدمیوں کو یہ کہہ کر اپنے ملک بھیجا کہ میری بیٹی جوہرہ کو یہاں لے آؤ اور اس سے کہو کہ تیرا باپ گلنار بحریہ

کے بیٹے بادشاہ باسم کے پاس ہے وہ لوگ اڑ کہ ہوا میں غائب ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد شہزادی جوہرہ کو لے کر حاضر ہوئے۔ جونہی اس کی نظر اپنے باپ پر پڑی۔ وہ دوڑ کر اس کے گلے لپٹ گئی۔ باپ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا بیٹی، میں نے تیری شادی اس باہمت اور شیر دل سے کر دی ہے جو ملکہ گلنار کا بیٹا بادشاہ بدر باسم ہے۔ وہ دنیا بھر میں سب سے زیادہ حسین، عالی مرتبہ، جمیل اور شریف النسب ہے۔ نہ وہ سوائے تیرے اور کسی کے قابل ہے نہ تو کسی اور کے لائق جوہرہ نے کہا ابا، میں تیری مخالفت نہیں کر سکتی جو تیرا جی چاہے کر کیونکہ اب میری دشمنی اور نفرت جاتی رہی ہے۔ میں اس کی لونڈی ہو گئی ہوں۔ اس کے بعد قاضی اور گواہ بلوائے گئے۔ انہوں نے ملکہ گلنار بحریہ کے بیٹے بادشاہ بدر باسم کا نکاح نامہ شہزادی جوہرہ کے ساتھ مرتب کر دیا۔ شہر والوں نے شہر کو سجایا۔ شادیاں بجائے گئے، قیدی رہا ہوئے اور بادشاہ نے فقیروں اور یتیموں کی کپڑے پہنائے۔ سرداروں، امیروں اور رئیسوں کو خلعت دیئے، بڑا جش منایا گیا، ولیمے دیئے گئے اور دس روز تک دن رات خوشیاں رہیں، نو مختلف لباسوں میں جوہرہ کی منہ دکھائی بادشاہ بدر باسم کے سامنے ہوئی اس کے بعد بادشاہ بدر باسم نے بادشاہ سمندل کو خلعت عطا کر کے اسے اس کے وطن اور اہل و اقارب کے پاس روانہ کر دیا۔ سب کے سب بڑے عیش و عشرت کے ساتھ کھانے پینے اور مزے اڑانے لگے۔ یہاں تک کہ لذتوں کو مٹانے، صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی۔ یہ ہے ان کی کہانی آخر، ان سب پر خدا کی رحمت ہو۔

○ بادشاہ محمد بن سبائک اور تاجر حسن کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ----- ایک یہ کہانی بھی سننے میں آئی ہے کہ پرانے زمانے میں عجم کا ایک بادشاہ تھا، محمد بن سبائک نام، جس کی حکومت سارے خراسان پر تھی ہر سال وہ ہند، سند، چین، ماورا النہر اور دوسرے عجیب کافروں کے ملکوں پر جہاد کیا کرتا۔ بڑا

انصاف پسند، نیک دل اور سخی بادشاہ تھا۔ اسے صحبتیں، قصے اشعار، داستانیں، حکایتیں اور رات کی کہانیاں بہت پسند تھیں۔ جس کسی کو کوئی عجیب و غریب کہانی یاد ہوتی اور اسے سناتا وہ اسے بہت انعام دیتا۔ کہتے ہیں کہ جب کبھی کوئی پردیسی آ کر اسے عجیب و غریب حکایت بیان کرتا اور وہ اسے پسند آتی تو وہ اسے عمدہ خلعت عطا کرتا، ایک ہزار دینار، سواری کے لئے گھوڑا مع زین اور رکاب کے نذر کرتا، سر سے پاؤں تک پہننے کے لئے لباس دیتا، ان کے علاوہ بھی بڑے بڑے اور انعام دیتا۔ ایک دن واقعہ ہے کہ کوئی بوڑھا شخص اس کے پاس آیا اور اسے ایک عجیب و غریب کہانی سنائی۔ بادشاہ کو وہ کہانی بے حد پسند آئی اور اس شخص کو عمدہ عمدہ انعام دیئے، منجملہ ان کے ایک ہزار خراسانی دینار اور پورے سازو سامان کے ساتھ ایک گھوڑا بھی تھا۔

اس بادشاہ کی خبر تمام ملکوں میں پھیل گئی۔ رفتہ رفتہ یہ شہرت تاجر حسن نامی ایک شخص کے کانوں تک بھی پہنچی جو بڑا شریف سخی، عالم فاضل اور شاعر تھا۔ بادشاہ کا ایک وزیر تھا جسے حسد کا پتلا اور بس کی گانٹھ کہنا چاہئے۔ اس کو کسی سے بھی محبت نہ تھی۔ نہ امیر سے نہ غریب سے، جو کوئی اس بادشاہ کے پاس آتا اور بادشاہ اسے کچھ دیتا تو وزیر اس سے حسد کرنے لگتا اور کہتا کہ اسی باتوں سے مال ضاؤ اور ملک تباہ ہوتا ہے، مگر کیا کیا جائے بادشاہ کی یہی عادت ہے۔ وزیر ایسی باتیں محض حسد اور بغض کی وجہ سے کیا کرتا۔ جب بادشاہ نے تاجر حسن کے متعلق سنا تو اسے بلوا بھیجا۔ وہ حاضر ہوا تو بادشاہ نے کہا اے تاجر حسن، وزیر مجھ سے بیر رکھا ہے اور میر مخالفت پر تلا ہوا ہے کیونکہ میں شاعروں، نندیوں، کہانیوں اور شعر سننے والوں کو مال و دولت دیتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے کوئی اسی عجیب و غریب کہانی سنائیں کہ کبھی نہ سنی ہو۔ اگر وہ مجھے پسند آئی تو میں بہت جاگیریں مع ان کے قلعوں کے تجھے عطا کروں گا۔

تیری عزت اور زیادہ ہو جائے گی بلکہ اپنی ساری حکومت تیرے ہاتھ میں دے دوں گا، تجھے اپنا بڑا وزیر بناؤں گا۔ اپنے دہنے ہاتھ پر بٹھاؤں گا۔ تو میری رعیت پر حکومت کرے گا اور اگر جیسا میں کہتا ہوں، تو نے کیا تو میں تیرا سارا مال ضبط کر کے تجھے شہر

بدر کر دوں گا۔ تا جر حسن نے جواب دیا اے ہمارے مولا بادشاہ! تیرا حکم سر آنکھوں پر لیکن تیرا غلام تجھ سے یہ درخواست کرتا ہے کہ ایک سال صبر کر۔ اس کے بعد میں تجھے ایک ایسی داستان سناؤں گا کہ جیسے نہ تو نے عمر بھر نہ سنی ہو گی، نہ کسی اور نے، چہ جائیکہ کہ اس سے بہتر۔ بادشاہ بولا اچھا میں تجھے ایک سال کی مہلت دیتا ہوں اور ایک نفیس خلعت منگا کر اسے عنایت کیا اور اس سے کہا ایک سال تک نہ تو سوار ہو جائیو، نہ کہیں آئیو جائیو۔ یہاں تک کہ جو چیز میں نے تجھ سے طلب کی ہے وہ لے کر حاضر ہو۔ اگر تو لے آیا تو تو خاص انعام کا مستحق ہے اور جو میں نے وعدہ کیا ہے، اسے پورا کر کے تجھے خوش کر دوں گا ورنہ نہ تو تو ہمارا ہے، نہ ہم تیرے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو ستاونویں رات

سات سو ستاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- بن سبائک کہہ چکا کہ نہ تو ہمارا، نہ ہم تیرے تو تاجر حسن نے اس کے آگے زمین چوی اور چلا گیا۔ گھر پہنچ کر اس نے پانچ غلام چنے جو سب لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ فاضل، عاقل ادیب اور خاص غلاموں میں سے تھے۔ ہر ایک کو پانچ پانچ ہزار دینار دے کر کہا میں نے تمہیں آج ہی کے لئے پالا تھا۔ اب تم بادشاہ کی مطلب بر آری میں میری مدد کر کے مجھے اس کے پنچے سے چھڑا لو۔ انہوں نے پوچھا تو کیا کرنا چاہتا ہے؟ ہم اپنی جانیں تجھ پر فدا کر دیں گے۔ اس نے جواب دیا میں یہ چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک، ایک ملک کو جائے، وہاں کے عالموں، ادیبوں، فاضلوں اور عجیب و غریب قصے کہانی سنانے والوں سے قصے کہانیاں سنے اور سیف الملوک کی کہانی ڈھونڈ کر میرے پاس لائے۔ اگر تمہیں معلوم ہو کہ وہ کسی ایسے شخص کے پاس ہے جو دولت کا لالچی ہو تو جتنا سونا چاندی وہ مانگے، اسے دے دو باقی کا وعدہ کر لو اور وہ کہانی لے کر میرے پاس آ جاؤ۔ تم میں سے جو کوئی وہ کہانی لے کر آئے گا، اسے میں عمدہ عمدہ خلعت اور بہت سا انعام دوں گا اور اس سے زیادہ عزیز میری نگاہ میں کوئی دوسرا نہ ہو گا۔ تاجر حسن نے ان میں سے ایک سے کہا کہ تو ہند، سند، ان کے صوبوں اور ملکوں کو جا۔ دوسرے سے کہا تو عجم اور چین کے ملکوں کا سفر کر۔ تیسرے سے کہا کہ تیرے حصے میں خراسان کے تمام ملک صوبے ہیں، چوتھے سے کہا تو مغرب کے ملکوں، ان کے دارالسلطنتوں، صوبوں اور تمام آس پاس کے ملکوں میں جا۔ پانچواں جو باقی رہا اس سے کہا تو شام، مصر کے علاقوں اور ملکوں کی سیر کر۔

تاجر نے ان کے لئے ایک مبارک دن مقرر کیا۔ وہ دن آ گیا تو ان سے کہا، آج روانہ ہو جاؤ اور میرا مقصد پورا کرنے میں جان توڑ کوشش کرو، اگر تمہیں جان بھی دی پڑے

تو دریغ نہ کرنا۔ وہ رخصت ہو کر روانہ ہو گئے اور ان میں سے ہر ایک اس طرف گیا جہاں جانے کا تاجر نے حکم دیا تھا۔ ان میں چار آدمی چار مہینے تک غائب رہے اور ڈھونڈتے پھرتے رہے، مگر جب انہیں کچھ نہ ملا تو لوٹ آئے جب یہ چار غلام لوٹ آئے تو تاجر کو بڑی پریشانی ہوئی۔ انہوں نے آ کر یہ کہا کہ ہم نے شہر، ملک اور اقلیمیں چھان ماریں لیکن ہمیں اپنے آقا کا مقصد ہاتھ نہ لگا۔ پانچواں غلام سفر کرتے کرتے شام پہنچنا دمشق میں جا کر اس نے دیکھا کہ وہ بڑا خوبصورت اور مضبوط شہر ہے وہاں سے درخت، چشے، میوے ہیں اور چڑیاں کیلتا اور قوی خدا کی جس نے دن رات پیدا کئے ہیں، پاکی بیان کر رہی ہیں۔ وہ وہاں کئی روز ٹھر کر اپنے آقا کی ضرورت کے متعلق پوچھتا رہا، کوئی اسے پوا نہ کر سکا اور وہ چاہتا ہی تھا کہ وہاں سے روانہ ہو کر کسی اور جگہ جائے، دیکھتا کہ ایک جوان اس سے نکرا گیا۔ غلام نے پوچھا تو ایسی بد حواسی میں کہاں بھاگا جا رہا ہے؟ اس نے جواب دیا یہاں ایک فاضل بوڑھا ہے جو ہر روز اسی وقت کرسی پر بیٹھ کر اسے اچھے اچھے قصے کہانیاں داستانیں سناتا ہے جو کسی نے نہ سنی ہوں۔ اس لمحے دوڑا جا رہا ہوں کہ اس کے قریب جگہ مل جائے کیونکہ مجھے بھی ڈر ہے کہ لوگوں کی بھیڑ کی وجہ سے کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے جگہ نہ ملے۔ غلام بولا مجھے بھی اپنے ساتھ لیتا چل۔ جوان نے کہا دوڑ کر آ۔ غلام اپنا دروانہ بند کر کے اس کے ساتھ دوڑا اور اس جگہ پہنچا جہاں وہ بوڑھا لوگوں کے بیچ بیٹھا قصہ سنا رہا تھا، اس نے دیکھا کہ ایک خوب صورت بوڑھا کرسی پر بیٹھا کہانی کہہ رہا ہے۔ اس کے پاس بیٹھ اور کان لگا کر سننے لگا۔ سورج غروب ہوتے وقت شیخ نے اپنی داستانیں ختم کیں اور لوگ چلے گئے۔

اب غلام نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا، اس نے سلام کا جواب دیا اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ غلام نے کہا اے میرے آقا شیخ مجھے تجھ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ شیخ نے کہا جو تیرا جی چاہے، پوچھ۔ غلام بولا تیرت پاس سیف الملوک اور بدیع الجمال کی بھی کہانی ہے؟ شیخ نے کہا تو نے کس سے سنا اور تجھ سے کس نے ان کا ذکر

کیا ہے؟ غلام بولا میں نے یہ کہانی تو کسی سے نہیں سنی لیکن میں بڑی دور سے اس کہانی کی تلاش میں آیا ہوں، اگر وہ تیرے پاس ہو، تو مہربانی فرما کر مجھے عنایت کر دے اور اپنے اوپر صدقہ کر کے مجھے دے دے تو جو قیمت تو مانگے گا، میں دوں گا۔ اگر میری جان میرے ہاتھ میں ہوتی تو میں اسے بھی خوشی سے دے دیتا۔ شیخ نے کہا خوش ہو، غم نہ کر وہ تیرے لئے حاضر ہے لیکن یہ کہانی ایسی نہیں ہے کہ کوئی اسے راہ گلی سنا تا پھرے۔ نہ میں اسے ہر کس و ناکس کو دے سکتا ہوں۔ غلام نے کہا اے میرے آقا، خدا کے لئے میرے ساتھ بخل نہ کر اور جو تیرا جی چاہے، مانگ۔ شیخ نے کہا اگر تو یہ قصہ چاہتا ہے تو میں اسے ایک سو دینار کے بدلے تجھے دوں گا پانچ شرطوں کے ساتھ۔ غلام نے سنا کہ وہ قصہ شیخ کے پاس ہے اور دینے کے لئے آمادہ ہے تو بہت خوش ہوا اور بولا کہ میں تجھے سو دینار اس کی قیمت اور دس دینار انعام دوں گا اور جو تیری شرطیں ہوں گی، انہی پر لوں گا۔ شیخ نے کہا جا اشرفیاں لے آ اور اسے ساتھ لے جا۔ غلام نے اٹھ کر اس کے ہاتھ چومے، خوش خوش اپنے گھر روانہ ہو گیا اور ایک سو دس دینار ایک تھیلی میں رکھے جو اس کے پاس تھی۔ سویرا ہوتے ہی اس نے کپڑے پہنے اور دینار لے کر شیخ کے پاس پہنچا، دیکھا کہ وہ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھا ہوا ہے۔ غلام نے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ غلام نے اسے ایک سو دس دینار دیئے۔ وہ انہیں لے کر غلام کے ساتھ گھر کے اندر گیا، غلام کو بٹھایا اور اس کے سامنے قلم، دوات اور کاغذ رکھ دیا اور ایک کتاب اس کے سامنے پیش کر کے کہا کہ سیف الملوک کا قصہ جس کی تلاش میں تو ہے، اس کتاب میں سے نقل کر لے۔ غلام بیٹھ کر وہ قصہ لکھنے لگا یہاں تک کہ سارا لکھ ڈالا اور شیخ کے سامنے پڑھ کر اس کی تصحیح کرائی۔ اب شیخ نے کہا، بیٹا پہلی شرط یہ ہے کہ تو اس کو سڑک پر بیٹھ کر نہ سنائے، نہ عورتوں اور لونڈیوں کے سامنے، نہ غلاموں اور بے وقوفوں کے سامنے، نہ بچوں کے سامنے بلکہ محض امیروں، بادشاہوں،

وزیروں، عالموں، اور مفسروں وغیرہ کے سامنے۔ غلام نے سب شرطیں قبول کر لیں۔
شیخ کے ہاتھ چومے اور اس سے رخصت ہو کر چل دیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

○○○

• سات سو اٹھاونویں رات

سات سو اٹھاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- تاجر حسن کا غلام، شیخ سے رخصت ہو کر چلا گیا اور اسی دن خوش خوش سفر شروع کر دیا۔ وہ سیف الملوک کے قصے پا جانے پر اتنا خوش تھا کہ دن رات سفر کرنے لگا اور اپنے وطن پہنچ کر اپنے نوکر کو آگے بھیجا تاکہ تاجر کو خوش خبری دے اور اس سے کہے کہ تیرا غلام آ گیا ہے اور مراد حاصل ہو گئی ہے جب غلام اپنے آقا کے شہر میں پہنچا اور اسے خوشخبری بھیجی تو اس میعاد میں جو بادشاہ اور تاجر حسن کے درمیان مقرر ہوئی تھی، محض دس دن باقی رہ گئے تھے۔ غلام نے اپنے آقا کے پاس جا کر اسے خبر دی کہ میں تیری مراد حاصل کر کے آیا ہوں۔ وہ بہت خوش ہوا اور غلام نے اپنے گھر میں ستانے کے بعد اپنے آقا کو وہ کتاب دے دی جس میں سیف الملوک اور بدیع الجمال کا قصہ لکھا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی آقا نے اپنے سارے کپڑے اتار کر اسے دے دیئے، دس اویل گھوڑے، دس اونٹ، دس خچر اور تین غلام عطا کئے اور اس قصے کو تفصیل کے ساتھ اپنے ہاتھ سے لکھ کر بادشاہ کے پاس پہنچا اور کہا اے نیک نہاد بادشاہ! میں ایسی پیاری اور کمیاب کہانی لایا ہوں جو کبھی کسی نے نہ سنی ہو گی۔ بادشاہ نے فوراً حکم دیا کہ تمام سمجھ دار، امیر وزیر، پڑھے لکھے، سارے ادیب، شاعر اور دانش مند لوگ حاضر ہوں۔ تاجر حسن نے بادشاہ کے سامنے وہ قصہ پڑھا۔ اسے سن کر بادشاہ اور تمام حاضرین حیران ہو گئے، بہت پسند کیا۔ سب نے اس کے اوپر سونا چاندی اور جواہرات نثار کئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ تاجر حسن کو بہترین خلعت دیا جائے اور اسے ایک پورا شہر قلعوں اور جاگیروں سمیت عطا کیا۔ اسے اپنا بڑا وزیر بنا کر اپنے داہنی طرف بٹھایا اور کاتبوں کو حکم دیا کہ اس قصے کو سونے سے لکھ کر شاہی خزانے میں محفوظ رکھیں۔ جب کبھی بادشاہ کا دل گھبراتا تو وہ تاجر حسن کو بلاتا اور تاجر حسن وہ قصہ پڑھ کر

اسے سناتا۔

○ سیف الملوک اور بدیع الجمال کی کہانی

قصے کا مضمون یہ ہے کہ پرانے زمانے میں مصر کا ایک بادشاہ عاصم بن صفوان نام تھا، بڑا سخی، دیا دل اور شاندار۔ اس کے قبضے میں بہت سے ملک، قلعے، گڑھیاں، فوجیں اور لشکر تھے۔ اس کا ایک وزیر فارس بن صالح تھا۔ سارا ملک خدا کو چھوڑ کر سورج اور آگ کی پرستش کرتا۔ ہوتے ہوتے یہ بادشاہ بوڑھا ہو گیا۔ بڑھاپے اور بیماریوں کی وجہ سے نہایت کمزور، کیونکہ اس کی عمر ایک سو اسی برس کی ہو چکی تھی، لیکن اس کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ نہ لڑکا نہ لڑکی۔ وہ رات دن غمگین اور رنجیدہ رہتا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ وہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ امرا، وزرا، سردار اور منصب دار دستور کے موافق اس کی خدمت میں درجہ بہ درجہ فائز تھے جو امیر آتا اس کے ساتھ ایک ایک دو دو بیٹے ہوتے، یہ دیکھ کر بادشاہ کو حسد ہوا۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ ہر شخص اپنی اولاد پر خوش و خرم ہے لیکن میری کوئی اولاد نہیں۔ کل میں مر جاؤں گا اور میرا تخت جائیدادیں، خزانے اور مال و دولت غیروں کے ساتھ لگے گا۔ کوئی میرا نام لیوا نہ رہے گا، نہ دنیا میں مجھے کوئی یاد کرے گا۔ اس خیال کا اس کے دل پر اتنا صدمہ ہوا کہ آنسو نکل پڑے، تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا اور گریہ و زاری کرنے لگا۔ وزیر اور حکومت کے دوسرے امراء نے جو وہاں حاضر تھے، اس کی یہ حالت دیکھی تو انہوں نے لوگوں سے پکار کر کہا کہ جب تک بادشاہ کی حالت سنبھل نہ جائے تم سب گھر جا کر آرام کرو۔ وہ سب چلے گئے، سوائے بادشاہ اور وزیر کے وہاں کوئی باقی نہ رہا۔ جب بادشاہ کو ذرا ہوش آیا تو وزیر نے اس کے آگے زمین چومی اور کہا، جہاں پناہ! اس رونے کا سبب کیا ہے؟ بادشاہوں، قلعے والوں یا امراء اور منصب داروں میں سے کسی نے تیرے ساتھ دشمنی کی ہے، مجھے بتا کون تیری مخالفت پر آمادہ ہے تاکہ اے

بادشاہ! ہم سب مل کر اس کی جان نکال لیں۔ اس کا جواب دینا تو درکنار بادشاہ نے سر تک نہ اٹھایا۔ وزیر نے دوبارہ اس کے آگے زمین چومی اور کہا جہاں پناہ! میں تیرے لڑکے اور غلام کی طرح ہوں تو نے مجھے پالا پوسا ہے اگر مجھے تیرے غم رنج اور افسوس کا سبب معلوم نہ ہوا تو اور کسے معلوم ہو سکتا ہے۔ کون ایسا ہو سکتا ہے جو تیرے آگے مجھ جیسی خدمت کرے؟ کہہ تو سہی کہ اس رونے دھونے اور رنج و غم کا کیا سبب ہے؟ اس پر بھی بادشاہ نہ بولا نہ اس نے منہ کھولا اور نہ سر اٹھایا بلکہ برابر روتا چلاتا اور آہ واویلا کرتا رہا۔ تھوڑی دیر صبر کرنے کے بعد وزیر نے کہا کہ اگر تو اس کا سبب نہ بتائے گا تو میں ابھی تیرے آگے جان دے دوں گا کیونکہ میں تجھے رنجیدہ نہیں دیکھ سکتا۔ اب بادشاہ عاصم نے سر اٹھایا اور اپنے آنسو پونچھ کر کہنے لگا اے نیک رائے وزیر مجھے میرے رنج و غم میں رہنے دے جو درد و غم میرے دل میں ہے وہ کیا کم ہے! وزیر بولا اے بادشاہ! اس رونے دھونے کا سبب مجھے بتا دے شاید میرے ذریعے سے تجھے خوشی حاصل ہو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو انسٹھ ویں رات

سات سو انسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب وزیر نے بادشاہ عاصم سے کہا کہ اس رونے دھونے کا سبب مجھے بتا دے شاید میرے ذریعے سے تجھے خوشی حاصل ہو تو بادشاہ نے کہا اے وزیر! میرے رونے کی وجہ نہ مال و دولت ہے، نہ ہاتھی گھوڑے نہ اس قسم کی کوئی اور چیز بلکہ تو جانتا ہے کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں، میری عمر ایک سو اسی سال کے لگ بھگ ہو چکی ہے اور اب تک میرے ہاں کوئی لڑکا ہوا نہ لڑکی۔ اگر میں مر گیا تو لوگ مجھے دفن کر کے بھول جائیں گے، میرا نام مٹ جائے گا اور دوسرے لوگ میرا تخت اور ملک لے لیں گے، کوئی میرا نام لیوا باقی نہ رہے گا۔ وزیر نے کہا جہاں پناہ! میں تجھ سے سو برس بڑا ہوں، میری بھی کوئی اولاد نہیں، میں بھی اس پر دن رات رنجیدہ اور غمگین رہتا ہوں اب ہم دونوں کو کیا کرنا چاہیے؟

لیکن میں نے سنا ہے کہ کوئی سلیمان بن داؤد بادشاہ ہے اور اس کا ایک پروردگار ہے جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ مجھے چاہیے کہ میں ایک ہدیہ لے کر اس کے پاس جاؤں اور اس سے کہوں کہ وہ اپنے پروردگار کے آگے دعا کرے کہ ہم دونوں کے ہاں اولاد پیدا ہو۔ یہ کہہ کر وزیر نے سفر کی تیاری کی اور نہایت قیمتی ہدیہ لے کر سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے پاس پہنچا۔

یہ تو وزیر کا قصہ ہوا، اب سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا حال سنو۔ خدا نے ان پر وحی نازل کی اے سلیمان، مصر کے بادشاہ نے اپنے بڑے وزیر کو ہدیئے اور تحفے دے کر تیرے پاس روانہ کیا ہے اور ان میں یہ یہ چیزیں ہیں۔ تو اپنے وزیر آصف بن برخیا کو اس کے پاس بھیج تا کہ وہ عزت و احترام سے اس کا استقبال کرے اور ہر منزل پر اس کے لئے کھانا پینا مہیا کرے۔ جب وہ تیرے پاس پہنچے تو اس سے کہیو کہ بادشاہ

نے تجھے فلاں فلاں کام کے لئے بھیجا ہے اور اس کی یہ یہ خواہش ہے۔ اس کے بعد اس کے آگے سلام پیش کیجیو۔ یہ سنتے ہی سلیمان نے اپنے وزیر آصف کو حکم دیا کہ اپنے ساتھیوں کو لے کر روانہ ہو جائے، عزت کے ساتھ اس کا خیر مقدم کرے اور ہر منزل پر ان کے لئے کھانا پینا، دانہ چارا مہیا کیا اور ان سے کہا آنے والے مہمانو! اہلاً و سلاً مرحبا، خوش اور دل شاد ہو اور بے فکر ہو جاؤ کہ تمہاری حاجت پوری ہو گئی۔ وزیر اپنے دل میں کہنے لگا، ان لوگوں کو کیسے خبر ہو گئی؟ اور آصف بن برخیا سے پوچھا، اے میرے آقا! ہماری اور ہمارے مقصد کی خبر تمہیں کس نے دی؟ آصف برخیا نے کہا، سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے۔ وزیر فارس نے پوچھا، ہمارے آقا سلیمان بن داؤد علیہما السلام کو کس نے خبر دی؟ آصف نے کہا، انہیں زمین اور آسمان کے پروردگار اور ساری مخلوقات کے خدا نے خبر دی۔ وزیر فارس بولا پھر تو وہ بہت بڑا خدا ہو گا۔ اب آصف برخیا نے پوچھا کہ کیا تم اس کی پرستش نہیں کرتے؟ مصر کے بادشاہ کے وزیر فارس نے کہا ہم سورج کی پرستش کرتے ہیں اور اسی کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ آصف نے کہا اے وزیر فارس! سورج منجملہ اور تاروں کے ایک تارا ہے جو خدا نے پیدا کیا، وہ ہرگز معبود نہیں ہو سکتا، وہ تو کبھی نکلتا ہے اور کبھی چھپ جاتا ہے، مگر ہمارا پروردگار ہمیشہ موجود ہے کبھی غائب نہیں ہوتا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد وہ سبا کے ملک میں پہنچے اور جب سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے دارالسلطنت کے قریب آئے تو انہوں نے اپنے جن و انس وغیرہ کے لشکروں کو حکم دیا کہ ان کی راہ میں صف باندھ کر کھڑے ہو جائیں۔ یہ سنتے ہی سمندر کے جانور، ہاتھی، چیتے اور تیندوے دو رویہ صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ اس طرح سے کہ ہر جنس والے ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ یہی جنات نے بھی کیا، وہ پوشیدہ نہ تھے بلکہ دکھائی دیتے تھے اور طرح طرح کی بھیانک شکل میں تھے۔ سب کے سب دو رویہ صف باندھے کھڑے تھے۔ چڑیاں ان کے اوپر بازو پھیلائے سایہ کر رہی تھیں۔ ان چڑیوں میں سے بعض طرح طرح کی بولیاں بول رہی اور راگ گا رہی تھیں۔ مصر والے ان کے پاس

پہنچے تو مارے ڈر کے ٹھنک گئے۔ آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ آصف نے کہا ان کے بیچ میں ہو کر چلو اور ان سے ڈرو نہیں کیونکہ وہ سب سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی رعایا ہیں، ان میں سے کوئی بھی تمہیں تکلیف نہ پہنچائے گا۔ یہ کہہ کر آصف ان کے آگے آگے چلا، پیچھے پیچھے باقی سب لوگ جن میں ڈرتے ڈرتے مصر کے بادشاہ کے وزیر کے ساتھی بھی تھے۔ جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو مہمان خانے میں اتارے گئے۔ ان کی بڑی خاطر مدارات کی گئی۔ تین دن تک انہیں عمدہ عمدہ کھانے کھلائے گئے۔ پھر وہ خدا کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے پیش ہوئے۔ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے چاہا کہ سجدہ کریں لیکن حضرت سلیمان بن داؤد نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ کسی انسان کو سجدہ جائز نہیں سوائے اس بزرگ خدا کے جس نے زمین و آسمان وغیرہ پیدا کئے ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی کھڑا رہنا چاہتا ہے تو وہ کھڑا رہے لیکن میری خدمت کے لئے نہیں۔ سب نے اس کی تعمیل کی، وزیر فارس اور اس کے بعض نوکر چاکر بیٹھ گئے اور بعض چھوٹے درجے کے غلام کھڑے رہے۔

وہ بیٹھ چکے تو ان کے لئے دسترخوان بچھائے گئے۔ اور تمام لوگوں نے کھانا کھایا۔ یہاں تک کہ سیر ہو گئے۔ اب سلیمان نے مصر کے وزیر سے کہا اپنی حاجت بیان کر تاکہ وہ پوری ہو جائے۔ بول اور جس لئے تو آیا ہے اس میں سے کوئی بات نہ چھپا کیونکہ تو حاجت روائی کی غرض سے آیا ہے۔ اچھا میں خود ہی تجھے بتائے دیتا ہوں کہ وہ کیا ہے، وہ فلاں فلاں بات ہے اور مصر کا بادشاہ جس نے تجھے بھیجا ہے اس کا نام عاصم ہے۔ وہ بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہے اور خدا نے اب تک نہ اسے لڑکا دیا نہ لڑکی۔ اس وجہ سے وہ رات دن غم، رنج اور فکر میں مبتلا رہتا ہے۔ ایک دن جب وہ شاہی کرسی پر بیٹھا تھا۔ امرا، وزراء اور حکومت کے دوسرے بڑے لوگ آتے جاتے تھے، دیکھا کہ کسی کے ساتھ ایک بیٹا، کسی کے ساتھ دو اور کسی کے ساتھ تین بیٹے ہیں۔ وہ اپنے اپنے بیٹوں کے ساتھ آتے اور اس کی خدمت میں کھڑے ہوتے جاتے ہیں۔ اس پر وہ سوچ میں پڑ گیا اور نہایت افسوس کے ساتھ کہنے لگا دیکھا چاہیے کہ میرے مرنے

کے بعد میرا ملک کس کے پاس جاتا ہے، وہ کسی غیر شخص کے قبضے میں آ جائے گا اور میری یہ حالت ہو جائے گی، گویا میں تھا ہی نہیں۔ اس لیے وہ سوچ میں پڑ گیا، اتنا مفکر اور پریشان ہوا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ رومال سے منہ ڈھانک کر خوب رویا۔ اس کے بعد روتا پیٹتا تخت سے اترا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ اس وقت اس کی حالت سوائے خدا کے اور کسی کو معلوم نہ تھی۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• سات سو ساٹھ ویں رات

سات سو ساٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے بادشاہ کا سارا حال اس کے وزیر فارس سے بیان کر کے پوچھا۔ اے وزیر کیا جو کچھ میں نے تجھ سے کہا، صحیح نہیں؟ وزیر نے کہا اے خدا کے نبی! جو کچھ تو نے کہا بالکل درست اور ٹھیک ہے، لیکن اے خدا کے نبی جب میں اور بادشاہ اس بارے میں گفتگو کر رہے تھے تو ہمارے پاس کوئی اور نہ تھا، نہ کسی کو کانوں کان اس کی خبر تھی، تجھے ان باتوں کی خبر کیسے ہو گئی؟ آپ نے فرمایا، میرے پروردگار نے مجھے خبر دے دی ہے جو ان تمام باتوں کو جانتا ہے جو آنکھوں سے اوجھل اور سینے میں چھپی رہتی ہیں۔ یہ سن کر وزیر فارس بولا، اے خدا کے نبی! وہ تو کوئی بڑا عظیم الشان پروردگار معلوم ہوتا ہے جسے دلوں کے بھید تک معلوم ہیں، اور وہ اور اس کے تمام ساتھی اسلام لے آئے۔ اس کے بعد خدا کے نبی سلیمان نے وزیر سے کہا تیرے ساتھ یہ ہدیے اور تحفے ہیں وزیر نے جواب دیا ہاں سلیمان نے کہا میں نے قبول کئے لیکن وہ سب تجھے عطا کرتا ہوں۔ اب تم سب جا کر اس مکان میں آرام کرو جہاں تم ٹھہرے ہوئے ہو یہاں تک کہ سفر کی تھکن جاتی رہے۔ اگر خدا نے چاہا تو میں کل تمہاری حاجت پوری کر دوں گا۔

وزیر فارس اپنی قیام گاہ پر چلا گیا اور دوسرے دن حضرت سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے کہا جب تو بادشاہ عاصم بن صفوان کے پاس پہنچ کر اس سے ملے تو تم دونوں فلاں درخت پر چڑھ کر چپ چاپ بیٹھ جانا، دونوں نمازوں کے بیچ کا وقت ہو اور دوپہر کی گرمی کم ہو جائے تو درخت سے اتر کر نظر دوڑانا، تمہیں دو اثر دے دکھائی دیں گے۔ جن میں سے ایک کا سر بندر کا ہو گا اور دوسرے کا دیو کا۔ انہیں دیکھتے ہی تم ان پر تیر چلانا، انہیں مار ڈالنا، ان کے سروں اور دموں کی طرف سے ایک ایک

بالش کٹ کر پھینک دینا، جو باقی رہ جائے، اسے پکانا وہ خوب گل جائے تو اسے اپنی بیویوں کو کھلانا اور اسی رات ان سے ہم بستر ہونا۔ اگر خدا نے چاہا تو دونوں کو لڑکوں کا حمل رہ جائے گا۔ اس کے بعد حضرت سلیمان نے ایک انگوٹھی، ایک تلوار اور ایک بچہ منگوایا جس کے اندر دو قبائیں تھیں، جن میں ہیرے ٹنکے ہوئے تھے اور کہا اے وزیر فارس، جب دونوں بیٹے بڑے ہو جائیں تو دونوں کو یہ ایک ایک قبا دینا۔ اچھا بسم اللہ، خدا نے تیری حاجت پوری کر دی۔ اب خدا کا نام لے کر روانہ ہو جا۔ بادشاہ منتظر ہے۔ اس کی آنکھیں راستے پر لگی ہوئی ہیں۔ وزیر فارس خدا کے نبی سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی طرف بڑھا۔ اس کے ہاتھ چومے اور روانہ ہو گیا۔ اس خوشی میں کہ حاجت پوری ہو گئی۔ دن اور رات برابر سفر کرتے کرتے مصر کے قریب پہنچا۔ وہاں سے اس نے اپنے ایک غلام کو آگے روانہ کیا کہ جا کر بادشاہ عاصم کو خبر دے۔

جب بادشاہ نے سنا کہ وزیر آ گیا ہے اور اس کی حاجت پوری ہو گئی ہے تو وہ، اس کے مصاحب، درباری اور تمام لشکر پھولے نہ سمائے، خاص کر اس وجہ سے کہ وزیر صحیح و سلامت آ گیا۔ بادشاہ اور وزیر آمنے سامنے ہوئے تو وزیر نے گھوڑے سے اتر کر بادشاہ کے آگے زمین چومی اور اسے خوش خبری دی کہ اس کی تمنا نہایت عمدہ طرح سے پوری ہو گئی اور اس کے سامنے اسلام پیش کیا۔ بادشاہ عاصم اسلام لے آیا اور وزیر فارس سے کہا، آج رات گھر جا کر آرام کر، ایک ہفتہ آرام لینے کے بعد حمام جائو اور پھر میرے پاس آؤ تاکہ ہم سوچیں کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ وزیر نے زمین چومی اور وہ، اس کے غلام اور نوکر چاکر چلے گئے۔ آٹھ دن تک سستانے کے بعد وزیر بادشاہ کے پاس آیا جو کچھ اس کے اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے درمیان پیش آیا تھا، بیان کیا اور بادشاہ سے کہا اکیلا میرے ساتھ چل۔ جنگل میں پہنچ کر بادشاہ اور وزیر تیر کمان ہاتھوں میں لے کر درخت پر چڑھ گئے اور دوپہر ڈھلنے تک چپ چاپ بیٹھے رہے۔ عصر کا وقت قریب ہوا تو نیچے اترے، انہوں نے دیکھا کہ دو اڑدے اسی درخت کے نیچے سے نکلے۔ بادشاہ دیکھتے ہی ان پر ریجہ گیا۔ ان کی گردنوں

میں سنہرے طوق تھے اور وزیر سے کہنے لگا، ان کی گردنوں میں تو سنہرے طوق ہیں،
 واللہ یہ کیسے عجیب و غریب ہیں۔ چل انہیں پکڑ کر پنجرے میں رکھیں اور ان کا تماشا
 دیکھا کریں۔ وزیر نے کہا انہیں خدا نے اس لئے پیدا کیا ہے کہ ان سے فائدہ پہنچے۔
 ان میں سے ایک پر تو تیر چلا اور ایک پر میں۔ دونوں نے ان پر تیر چلائے۔ جب وہ
 مر گئے تو ایک ایک بالشت ان کی دم کی طرف سے اور ایک ایک بالشت سر کی طرف
 سے کٹ کر پھینک دیا، باقی کو لے کر محل میں گئے۔ باورچی کو بلا کر وہ گوشت اسے
 دیا اور کہا اس میں نمک مرچ اور مسالا ملا کر خوب اچھی طرح پکا اور دو پیالوں میں
 نکال کر فلاں وقت، فلاں گھڑی یہاں لے آؤ۔ دیر نہ کیجیو۔
 اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
 ملی تھی۔

• سات سو اکٹھ ویں رات

سات سو اکٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- بادشاہ نے باورچی کو پکانے کا حکم دیا۔ باورچی نے خوب مسالا لگا کر اسے پکایا اور دو پیالوں میں نکال کر بادشاہ اور وزیر کے پاس لے گیا۔ ایک پیالہ وزیر نے لیا، دوسرا بادشاہ نے اور اپنی اپنی بیویوں کو کھلا کر اسی رات ان سے ہم بستر ہوئے۔ خدا کا کرنا کہ دونوں اسی رات حاملہ ہو گئیں۔ تین مہینے تک بادشاہ نے پریشانی کے ساتھ انتظار کیا اپنے دل میں کہتا کہ دیکھا چاہیے یہ بات صحیح ہے یا غلط۔ ایک روز اس کی بیوی بیٹھی ہوئی تھی کہ بچہ اس کے پیٹ میں کلبلا یا اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ حاملہ ہے۔ جب اسے درد معلوم ہونے لگا اور اس کا رنگ بدل گیا تو اس نے اپنے ایک غلام کو بلایا جو سب سے بڑا تھا۔ اس سے کہا جہاں کہیں بادشاہ ہو اس کے پاس جا کر کہہ جہاں پناہ! میں تجھے خوش خبری دیتا ہوں کہ ہماری آقا کا حمل ظاہر ہو گیا اور بچہ اس کے پیٹ میں کلبلا نے لگا۔ غلام خوش خوش اور تیزی کے ساتھ دوڑا، اس نے دیکھا کہ بادشاہ اکیلا بیٹھا ہوا ہے۔ اپنے چہرے کو ہاتھ کی ٹیک دیئے کچھ سوچ رہا ہے۔ غلام نے سامنے آ کر زمین کو بوسہ دیا اور کہا جہاں پناہ، ملکہ کو حمل رہ گیا ہے۔ غلام سے یہ سنتے ہی بادشاہ اٹھ کھڑا ہوا اور مارے خوشی کے غلام کا ہاتھ اور سر چومنے لگا، اپنے تمام کپڑے اتار کر اسے دے دیئے اور حاضرین سے کہا کہ تم میں سے جو کوئی مجھ سے محبت رکھتا ہو وہ اسے انعام دے، اور انہوں نے اسے اس قدر مال و دولت، جواہرات، یاقوت، گھوڑے، نچر اور باغ دیئے جو گنتی سے باہر ہیں۔

اسی وقت وزیر بھی بادشاہ کے پاس پہنچا، اس نے کہا، جہاں پناہ میں ابھی گھر میں اکیلا بیٹھا حمل کے بارے میں سوچ رہا اور دل میں کہہ رہا تھا کہ دیکھا چاہیے یہ صحیح بھی ہے کہ خاتون حاملہ ہے، بچہ اس کے پیٹ میں کلبلا رہا ہے اور اس کا رنگ بدل گیا

ہے۔ میں نے مارے خوشی کے اپنے تمام کپڑے اور ایک ہزار دینار دے کر اسے غلاموں کا سردار بنا دیا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ عاصم نے کہا، اے وزیر! خدا نے ہم دونوں پر اپنے فضل و احسان، سخاوت و بخشش کی ہے اور سچے دین کے طفیل بڑی مہربانی کی، اپنے کرم و بزرگی سے انعام و اکرام کیا اور ہمیں اندھیرے سے نکال کر اجالے میں لایا۔ میں چاہتا ہوں کہ لوگوں پر مہربانی کر کے انہیں خوش کروں۔ وزیر بولا جو تیرا جی چاہے کر۔ بادشاہ نے کہا، اے وزیر! ابھی جا تمام مجرموں اور قرض داروں کو قید خانے سے رہا کر دے اور اس کے بعد بھی جو کوئی جرم کرے گا، اسے مناسب طریقے سے معاف کر دیں گے۔ علاوہ بریں ہم تین سال تک لگان نہیں لیں گے۔ تو شہر پناہ کے ارد گرد لنگر خانے کھول دے۔ باورچیوں کو حکم دے کہ طرح طرح کے کھانوں کی دیگیں چڑھائے رکھیں، ہر قسم کا کھانا رات دن پکاتے رہیں، شہر اور گرد و نواح والے خواہ دور کے ہوں یا نزدیک کے، کھائیں پیئیں اور اپنے گھروں کو لے جائیں اور یہ بھی حکم دے دے کہ سات دن تک وہ شہر کو سجائے رکھیں۔ خوشیاں منائیں اور اپنی دکانیں نہ دن میں بند کریں نہ رات میں۔

وزیر فوراً اٹھ کر باہر گیا اور جو کچھ بادشاہ نے کہا تھا، بجا لایا۔ لوگوں نے شہر، قلعے اور برجوں کو بہترین طریقے سے سجایا، عمدہ عمدہ کپڑے پہنے، ہر روز کھانے پینے، کھیل کود اور تفریح میں مشغول ہو گئے، یہاں تک کہ ملکہ کے حمل کے دن پورے ہو گئے اور بچہ پیدا ہوا۔ بادشاہ عاصم نے حکم دیا کہ شہر کے تمام عالم، ادیب، منجم، فاضل اور منشی حاضر ہوں۔ وہ حاضر ہو کر اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ طاق میں کوڑی پھینکی جائے، یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ نجومیوں اور دائیوں کو معلوم ہو جائے کہ بچہ پیدا ہو گیا ہے۔ لوگ اسی انتظار میں تھے کہ ملکہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا جو چاند جیسا تھا۔ نجومی اس کا زائچہ کھینچنے اور پیدائش کا وقت دیکھنے، جنم پترہ بنانے میں لگ گئے۔ پھر سب نے اٹھ کر بادشاہ کے آگے زمین چومی، انعام مانگا اور اسے خوش خبری دی

کہ بچہ مبارک ہے اور اس کا طالع نیک، لیکن لڑکپن میں اس پر ایک حادثہ گزرے گا جسے ہم کہتے ڈرتے ہیں۔ بادشاہ بولا کہو، بالکل نہ ڈرو۔ انہوں نے کہا اے بادشاہ! یہ بچہ اس ملک سے نکل کر پردیس جائے گا اور سمندر میں ڈوبے گا، اسے 'تکلیف' قید اور پریشانیوں کا سامنا ہو گا، بہت سی مصیبتیں جھیلنی پڑیں گی۔ اس کے بعد اسے ان چیزوں سے چھٹکارا ملے گا، اس کا مقصد حاصل ہو گا اور باقی عمر نہایت عیش و آرام سے گزرے گی، وہ اپنی رعایا اور ملکوں پر حکمرانی کرے گا اور دنیا پر اس طرح حکومت کرے گا کہ اس کے دشمن اور حاسد جلیں گے۔

نجومیوں کی باتیں سن کر بادشاہ نے کہا، یہ غیب کی باتیں ہیں اور جو اچھی بری بات خدا اپنے بندے کے مقدر میں لکھ دیتا ہے، اسے پورا کر کے چھوڑتا ہے۔ ممکن ہے اسے کوئی تکلیف بھی پہنچے اور عجب نہیں کہ آج سے اس وقت تک اسے ہزاروں خوشیاں نصیب ہوں۔ بہر حال بادشاہ نے ان کی باتوں کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی، انہیں اور تمام حاضرین کو خلعت دے کر رخصت کر دیا۔ اتنے میں وزیر فارس بادشاہ کی خدمت میں خوش خوش آیا اور اس کے آگے زمین چوم کر کہنے لگا۔ اے بادشاہ! خوش ہو، میری بیوی کے ہاں ابھی لڑکا پیدا ہوا ہے جو چاند کے ٹکڑے کی طرح ہے۔ بادشاہ بولا، اے وزیر! جا کر اسے لے آتا کہ دونوں ساتھ ساتھ میرے محل میں تربیت پائیں اور اپنی بیوی کو میری بیوی کے ساتھ رکھ کہ دونوں اپنے بیٹوں کو ایک ساتھ تربیت دیں۔ وزیر اپنی بیوی اور بچے کو لے آیا اور دونوں بچے کھلایوں اور دودھ پلایوں کے سپرد کر دیئے گئے۔ جب سات دن گزر گئے تو دونوں، بادشاہ عاصم کے سامنے پیش کئے گئے اور اس سے پوچھا گیا کہ ان کا کیا نام رکھا جائے؟ بادشاہ نے کہا تم ہی ان کا نام رکھو۔ انہوں نے جواب دیا بیٹے کا نام سوائے باپ کے اور کوئی نہیں رکھتا۔ بادشاہ نے کہا میرے بیٹے کا نام میرے دادا کے نام پر سیف الملوک رکھو اور وزیر کے بیٹے کا نام ساعد۔ بادشاہ نے کھلایوں اور دودھ پلایوں کو انعام دیئے اور کہا ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ اور ان کی تربیت عمدہ طریقے سے کرو۔ کھلایوں نے بہت دل لگا کر

ان کی تربیت کی اور جب ان کی عمر پانچ سال ہو گئی تو بادشاہ نے انہیں مکتب میں ملا کے سپرد کیا۔ ملا نے انہیں پڑھنا لکھنا سکھایا۔ یہاں تک کہ ان کی عمر دس دس سال کی ہو گئی۔ اب بادشاہ نے انہیں مختلف استادوں کے سپرد کیا کہ ان دونوں کو گھوڑے پر چڑھنا، تیر چلانا، نیزہ پھینکنا، چوگان کھیلنا اور سپاہ گری کا فن سکھائیں۔ جب پندرہ پندرہ سال کے ہوئے تو وہ ہر فن میں طاق تھے۔ کوئی ایسا نہ تھا جو شہ سواری میں ان کی ٹکر کا ہو، ہر ایک اکیلا ایک ہزار کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ بادشاہ انہیں دیکھتا اور خوش ہوتا۔

جب ان کی عمر بیس سال کی ہو گئی تو ایک روز بادشاہ نے اپنے وزیر فارس کو تنہائی میں بلا کر کہا اے وزیر! میرے دل میں ایک بات آئی ہے، جسے میں کرنا چاہتا ہوں، لیکن چاہتا ہوں کہ پہلے تجھ سے مشورہ لے لوں۔ وزیر بولا جو کچھ تیرے دل میں ہے کہہ ڈال، تیری رائے مبارک ہوتی ہے۔ بادشاہ عاصم بولا اے وزیر میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری عمر بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک کونے میں بیٹھ کر خدا کی عبادت کروں اور اپنا ملک اور اپنی حکومت اپنے بیٹے سیف الملوک کے حوالے کر دوں، وہ خوب صورت جوان شہ سواری، عقل، ادب، دبدبے اور ریاست میں کامل ہو چکا ہے۔ اس میں تیری کیا رائے ہے؟ وزیر نے جواب دیا، تیری رائے بہت اچھی، مبارک اور نیک ہے۔ اگر تو نے ایسا کیا تو میں بھی ایسا ہی کروں گا اور میرا بیٹا ساعد سیف الملوک کا وزیر ہو گا۔ وہ بھی خوش رو جوان، علم اور رائے والا ہے۔ دونوں کا ساتھ رہے گا، مگر ہم ان دونوں کا کام سنبھالے رہیں گے اور کوتاہی کرنا تو درکنار، انہیں سیدھے راستے پر چلاتے رہیں گے۔ بادشاہ عاصم نے وزیر سے کہا خط لکھ کر پیادوں کے ہاتھ ہراقلم، ملک، قلعے اور گڑھی کو روانہ کر دے جو ہماری حکومت میں ہیں اور ہر بڑے آدمی کو حکم دے کہ وہ فلاں مہینے میں آ کر میدان فیل میں حاضر ہوں۔ وزیر نے فوراً جا کر تمام والیوں، قلعوں کے سرداروں اور جو جو بادشاہ عاصم کے ماتحت تھے، ان کے نام خط لکھے کہ وہ سب فلاں مہینے میں حاضر ہوں اور اسی طرح سے شہر کے

بھی تمام دور اور نزدیک والوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جب میعاد کے زیادہ دن گزر چکے اور کم باقی رہ گئے تو بادشاہ عاصم نے فراشوں کو حکم دیا کہ میدان میں خیمے لگائیں، بہترین طریقے سے آراستہ کریں اور وہ بڑا تخت لگائیں جس پر بادشاہ محض عید کے دن بیٹھا کرتا ہے۔ انہوں نے فوراً ہر حکم کی تعمیل کی، تخت لگایا۔ اور نواب، حاجب اور امرا باہر آئے۔ بادشاہ نے نکل کر کہا لوگوں میں منادی کر دی جائے کہ میدان میں آ جائیں۔ تمام امیر، وزیر، صوبہ دار اور جاگیردار میدان میں آئے اور دستور کے مطابق بادشاہ کی خدمت میں درجہ بہ درجہ بعض کھڑے ہوئے اور بعض بیٹھ گئے۔ جب سب لوگ حاضر ہو چکے تو بادشاہ نے دسترخوان بچھانے کا حکم دیا۔ سب نے کھایا پیا اور بادشاہ کو دعا دی۔

اب بادشاہ نے حاجیوں کو حکم دیا کہ لوگوں میں منادی کر دیں کہ کوئی نہ جائے انہوں نے منادی کی کہ بادشاہ کی تقریر سننے سے پہلے کوئی نہ جائے۔ پردہ اٹھا اور بادشاہ نے کہا جسے مجھ سے محبت ہے وہ میری تقریر سننے کے لئے ٹھہر جائے۔ اب تک تو لوگ ڈر رہے تھے، مگر یہ سن کر انہیں اطمینان ہوا اور وہ بیٹھ گئے۔ بادشاہ کھڑا ہو گیا اور انہیں قسم دی کہ کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اس کے بعد اس نے کہا اے امیر و وزیر اور حکمرانو! چھوٹے بڑے تمام حاضر ہو۔ تم جانتے ہو یا نہیں کہ یہ سلطنت مجھے باپ دادا سے وراثت میں ملی ہے؟ وہ بولے اے بادشاہ! ہاں، ہم سب جانتے ہیں۔ پھر اس نے کہا پہلے ہم تو سب سورج اور چاند کی پرستش کیا کرتے تھے لیکن خدا نے ہمیں ایمان عطا کیا۔ اندھیرے سے نکال کر اجالے کی طرف لایا اور ہمیں اسلام کی طرف ہدایت کی۔ اب سنو کہ میں بہت بوڑھا، کمزور اور عاجز ہو گیا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میں ایک کونے میں بیٹھ کر خدا کی عبادت کروں، پچھلے گناہوں کی معافی مانگوں، یہ میرا بیٹا سیف الملوک حکومت کرے۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ خوبصورت، جوان، فصیح، تجربہ کار عاقل، فاضل اور عادل ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے اسی وقت اپنی حکومت

سپرد کر دوں اور اپنے بجائے اسے تم پر بادشاہ بنادوں، اپنی جگہ اسے سلطان بنا کر بٹھا دوں اور میں ایک کونے میں بیٹھ کر محض خدا کی عبادت میں مشغول ہو جاؤں اور میرا بیٹا سیف الملوک تم پر بادشاہی او حکمرانی کرے۔ تم سب کی متفقہ رائے کیا ہے؟ سب اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کے آگے زمین چوم کر کہنے لگے۔ اے ہمارے بادشاہ اور نگہبان اگر تو ہمارے اوپر اپنا ایک غلام بھی مقرر کر دیتا تو ہم اس کی فرمانبرداری کرتے، تیری بات نہ ٹالتے، تیری حکم کی تعمیل کرتے اور یہ تو تیرا بیٹا ہے سیف الملوک ہے، وہ ہمیں بسر و چشم منظور ہے اور ہم اس سے خوش ہیں۔ اب بادشاہ عاصم بن صفوان اٹھا، تخت سے اتر کر اپنے بیٹے کو اس پر بٹھا دیا، اپنے سر سے تاج اتار کر اس کے سر رکھ دیا، شاہی پنکا اس کی کمر سے باندھ دیا اور خود اس کے پہلو میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ امرا، وزرا اور ملک کے چھوٹے بڑے سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ نئے بادشاہ کے آگے زمین چومی اور آپس میں کہنے لگے واقعی یہ بادشاہت کے قابل ہے اور دوسروں سے بہتر، پھر سب نے امان کی درخواست کی اور اس کے لئے کامرانی و اقبال مندی کی دعا مانگی، سیف الملوک نے حاضرین پر سونا چاندی نچھاور کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو باسٹھ ویں رات

سات سو باسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- سیف الملوک نے سونا، چاندی، نچھاور کیا، خلعت عطا کئے اور انعام و اکرام دیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد وزیر فارس اٹھا اور زمین چوم کر کہنے لگا، اے امرا اور اے حکومت کے بڑے لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ میں وزیر ہوں اور میری وزارت بہت پرانی ہے۔ بادشاہ عاصم بن صفوان کے بادشاہ ہونے سے پہلے کی، وہ اس وقت بادشاہت سے کنارہ کش ہو گیا ہے اور اس نے اپنی جگہ اپنے بیٹے کو بادشاہ بنا دیا ہے۔ سب نے کہا، ہاں ہم جانتے ہیں کہ تیری وزارت باپ دادا سے چلی آتی ہے۔ وزیر بولا۔ اب میں بھی اس سے دست بردار ہوتا ہوں اور اسے اپنے بیٹے ساعد کے سپرد کرتا ہوں کیونکہ وہ عاقل، سمجھ دار اور تجربہ کار ہے، تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا بادشاہ سیف الملوک کی وزارت کے قابل سوائے ساعد کے اور کوئی نہیں ہو سکتا، دونوں ایک دوسرے کا جوڑ ہیں۔ اب وزیر فارس نے اٹھ کر اپنی وزارت کی گہڑی اتاری اور اپنے بیٹے ساعد کے سر پر رکھ دی اور وزارت کا قلم دان بھی اس کے حوالے کیا۔ حاجب اور امرا کہنے لگے، وہ واقعی وزارت کا مستحق ہے۔ بادشاہ عاصم اور وزیر فارس نے اس کے بعد خزانے کھول دیئے۔ والیوں، امرا، وزراء اور بڑے چھوٹے لوگوں کو عمدہ عمدہ خلعت عطا کئے۔ انعام و اکرام دیئے اور ان کے لئے نئے وثیقے اور حکم نامے لکھ دیئے جن پر سیف الملوک اور وزیر فارس کے بیٹے وزیر ساعد کی مہریں تھیں جو جو اس تقریب میں آئے تھے، ہفتہ بھر ٹھہرنے کے بعد اپنے اپنے وطن اور گھروں کو روانہ ہو گئے۔

تاج پوشی سے فارغ ہو کر بادشاہ عاصم اپنے بیٹے سیف الملوک اور وزیر زادے ساعد کو لے کر شہر میں داخل ہوا اور محل میں پہنچ کر خزانچی کو بلوایا، اسے حکم دیا کہ انگوٹھی، تلوار، بگھے اور مہر حاضر کرے، پھر اپنے بیٹے اور وزیر زادے سے بولا اے میرے بیٹو!

اُو ان میں سے اپنے لئے پسند کر کے لے لو۔ سیف الملوک نے ہاتھ بڑھایا۔ بچہ اور اگٹھی لے لی، پھر ساعد نے ہاتھ بڑھا کر تلوار اور سر اٹھالی۔ اس کے بعد دونوں بادشاہ کا ہاتھ چوم کر اپنے مکان چلے گئے۔ جب سیف الملوک نے بچہ لیا تو اسے کھول کر نہیں دیکھا کہ اس میں کیا ہے بلکہ اسے اس تخت پر رکھ دیا جس پر وہ اور اس کا وزیر ساعد سویا کرتے تھے، یہ ان کا دستور تھا کہ رات کو دونوں ساتھ سوتے، چنانچہ آج بھی دونوں پہلو بہ پہلو سو گئے۔ شمعیں ان کے پاس جلتی رہیں۔ آدھی رات کو جو سیف الملوک کی آنکھ کھلی اور بچے کو سرہانے دیکھا تو اپنے دل میں کہنے لگا، نہ معلوم اس بچے میں جو بادشاہ نے مجھے تحفے میں دیا ہے، کیا ہے! وہ اس بچے اور موم بتی کو لے کر تخت سے اترتا اور ساعد کو سوتا چھوڑ کر کوٹھڑی میں گیا وہاں جا کر بچہ کھولا، دیکھا کہ اس میں جنوں کی بنی ہوئی ایک قبا ہے۔ قبا کو الٹا پلٹا تو اس کے استر پر پیٹھ کی طرف سونے سے کڑھی ہوئی ایک لڑکی کی تصویر تھی۔ تصویر کو دیکھتے ہی اس کے ہوش جاتے رہے۔ عشق کا جن اس پر سوار ہو گیا، غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ ہوش آیا تو رونے پڑنے اور تصویر کو بوسے دینے لگا۔ اتنا رویا پیٹا کہ وزیر ساعد اٹھ بیٹھا۔ ادھر ادھر ٹٹولنے لگا۔ دیکھا کہ سیف الملوک وہاں نہیں ہے اور صرف ایک موم بتی پاس جل رہی ہے۔ حیران کہ سیف الملوک کہاں چلا گیا۔ اس نے موم بتی لے کر سارے محل میں چکر لگایا اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس کوٹھڑی میں پہنچ گیا جہاں سیف الملوک تھا۔ دیکھا کہ وہ رو رہا اور آہیں بھر رہا ہے۔ اس نے کہا بھائی اس رونے کی وجہ کیا ہے؟ تجھ پر کیا ماجرا گزرا؟ کہہ تو سہی منہ سے کچھ تو بول۔

سیف الملوک نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ نہ سر اٹھایا بلکہ روتا، آہیں بھرتا اور سینہ پیٹتا رہا۔ ساعد اس کی یہ حالت دیکھ کر بولا، میں تیرا وزیر اور بھائی ہوں، میری اور تیری تربیت ایک ساتھ ہوئی ہے۔ اگر تو اپنی باتیں مجھ سے نہ کہے گا اور اپنے راز مجھ پر ظاہر نہ کرے گا تو پھر انہیں کس پر ظاہر کرے گا؟ ساعد دیر تک خوشامد کرتا اور زمین چومتا رہا لیکن سیف الملوک اس کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوا۔ اس سے بات

تک نہ کی بلکہ برابر روتا دھوتا رہا۔ جب ساعد کو سیف الملوک کی حالت دیکھ کر ڈر لگنے لگا اور پوچھتے پوچھتے تھک گیا تو وہاں سے باہر آیا اور تلوار لے کر اس کو ٹھڑی میں گیا جہاں سیف الملوک تھا اور اس کی نوک اپنے سینے پر رکھ کر کہا اے میرے بھائی! ہوشیار ہو جا، اگر تو نے اپنا ماجرا بیان نہ کیا تو میں جان دے دوں گا، میں تجھے اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔ سیف الملوک نے اپنا سر اٹھایا اور اپنے وزیر ساعد کی طرف دیکھ کر کہا، بھائی! مجھے شرم آتی ہے کہ میں اپنا ماجرا تجھ سے کہوں۔ ساعد بولا میں تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں جو پروردگاروں کا پروردگار، غلاموں کا آزاد کرنے والا، سب کا پیدا کرنے والا، یکتا، مہربان، کریم اور بخشش کرنے والا ہے کہ تو اپنا ماجرا بیان کر، مجھ سے شرم نہیں۔ میں تیرا وزیر، غلام اور تمام باتوں میں تیرا مشیر ہوں۔ سیف الملوک نے کہا آ اور اس تصویر کو دیکھ۔ ساعد اس تصویر کو دیر تک دیکھتا رہا، اس کے اوپر پروئے ہوئے موتیوں سے لکھا تھا کہ یہ تصویر بدیع الجمال کی ہے جو مسلمان جن بادشاہ شامخ بن شاروخ کی بیٹی ہے، یہ جنات بابل شہر میں آ کر اترے ہیں اور ارم بن عاد اکبر کے باغ میں رہتے ہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو تریسٹھ ویں رات

سات سو تریسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب وزیر ساعد نے قبا پر بدیع الجمال کی تصویر دیکھی تو اس نے سیف الملوک سے کہا، بھائی! تجھے معلوم ہے یہ کس عورت کی تصویر ہے تاکہ ہم اسے تلاش کریں؟ سیف الملوک بولا، بھائی! خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ یہ کس کی تصویر ہے۔ ساعد نے کہا، لے اسے پڑھ۔ سیف الملوک نے بڑھ کر جو تاج پر لکھا ہوا تھا، پڑھا تو اس کے دل سے ایک ٹھنڈا سانس نکلا اور وہ آپہن بھرنے لگا۔

ساعد نے کہا بھائی! اگر تصویر والی دنیا میں موجود ہے اور اس کا نام بدیع الجمال ہے تو میں فوراً اس کی تلاش میں جاتا ہوں تاکہ تیری مراد بر آئے، مگر بھائی! خدا کے لئے یہ رونا دھونا چھوڑ دے اور صبح کو جب درباری لوگ تیری خدمت میں آئیں تو تاجروں، درویشوں، سیاحوں اور پردیسیوں کو بلا کر اس شہر کے متعلق دریافت کیجیو، ممکن ہے خدا کی رحمت اور مدد سے ہمیں اس شہر اور ارم کے باغ کا پتا لگ جائے۔ جب سویرا ہوا تو سیف الملوک اٹھا اور قبا کو لپیٹے تخت پر جا بیٹھا کیونکہ بغیر اس کے وہ نہ اٹھتا تھا، نہ بیٹھتا تھا، نہ اسے نیند آتی تھی۔ امرا، وزرا، لشکری اور رؤسا دربار میں حاضر ہوئے تو سیف الملوک نے اپنے وزیر ساعد سے کہا، جا ان سے کہہ دے کہ بادشاہ آج پریشان حال ہے، وہ بیمار ہے، رات بھر اسے نیند نہیں آئی ہے۔ جو کچھ بادشاہ نے کہا تھا، وہ وزیر ساعد نے لوگوں سے کہہ دیا۔

اتنے میں بادشاہ عاصم کو یہ خبر پہنچی۔ وہ اپنے بیٹے کے حال پر افسوس کرنے لگا، حکیموں اور نجومیوں کو بلایا اور انہیں لے کر اپنے بیٹے کے پاس گیا۔ حکیموں نے اسے دیکھ کر دوا کا نسخہ لکھ دیا لیکن جب وہ تین مہینے تک برابر بیمار رہا تو بادشاہ عاصم نے غصے میں آ کر حکیموں سے کہا مردود! کتو! کیا تم میں سے کوئی بھی میرے بیٹے کا علاج نہیں

کر سکتا؟ اگر تم نے فوراً اس کا علاج نہ کیا تو میں تم سب کی گردنیں اڑا دوں گا۔ بڑے حکیم نے جواب دیا جہاں پناہ! ہمیں معلوم ہے کہ یہ تیرا بیٹا ہے اور تو جانتا ہے کہ ہم غریبوں کے علاج میں بھی سستی نہیں کرتے، پھر تیرے بیٹے کے علاج میں کیونکر غفلت کر سکتے ہیں۔ اصل میں تیرا بیٹا ایک سخت بیماری میں مبتلا ہے اگر تو اسے جاننا چاہتا ہے تو ہم اسے تجھ سے بیان کر سکتے ہیں۔ بادشاہ عاصم نے پوچھا، تمہیں میرے بیٹے میں کون سا مرض معلوم ہوتا ہے؟ بڑا حکیم بولا جہاں پناہ! تیرا بیٹا عاشق ہے اور ایسے شخص پر عاشق جس کا ملنا ناممکن ہے؟ بادشاہ نے ناراض ہو کر کہا، تمہیں کہاں سے معلوم ہوا کہ میرا بیٹا عاشق ہے اور عشق آخر آیا کہاں سے؟ انہوں نے جواب دیا اس کے دودھ شریک بھائی وزیر ساعد سے پوچھ، وہ اس کی حالت سے واقف ہے۔ یہ سن کر بادشاہ عاصم اٹھا اور تنہائی میں ساعد کو بلا کر اس سے کہا کہ اپنے بھائی کی بیماری کا حال سچ سچ کہہ دے۔ اس نے جواب دیا مجھے اس کا حال معلوم نہیں۔ بادشاہ نے جلاد سے کہا کہ ساعد کو پکڑ اور آنکھیں باندھ کر اس کی گردن اڑا دے۔ ساعد اپنی جان کے خوف سے کہنے لگا کہ جہاں پناہ! مجھے پناہ دے۔ بادشاہ بولا، تو بتا دے گا تو تجھے پناہ ہے۔ ساعد نے کہا تیرا بیٹا عاشق ہے۔ بادشاہ نے پوچھا، اس کا معشوق کون ہے؟ ساعد نے کہا، جنات کے ایک بادشاہ کی لڑکی۔ اس نے اس کی تصویر اس قبا پر دیکھی ہے جو اس بچے میں تھی جو خدا کے نبی حضرت سلیمان نے تمہیں بطور ہدیئے کے بھیجی ہے۔

اتنا سنتے ہی بادشاہ عاصم نے اپنے بیٹے سیف الملوک کے پاس جا کر کہا بیٹا! تجھ پر کیا مصیبت آئی؟ وہ تصویر کون سی ہے جس پر تو عاشق ہوا اور یہ باتیں تو نے مجھ سے کہیں کیوں نہیں؟ سیف الملوک نے کہا، ابا جان! مجھے تیرے آگے شرم آتی تھی اس لئے میں نے تجھ سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ ان کا ذکر کسی سے بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن اب تجھے میرا حال معلوم ہو گیا ہے اس لئے اس کا علاج جس

طرح تو کر سکتا ہے، کر باپ بولا، آخر کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟ اگر وہ کسی انسان کی بیٹی ہوتی تو ہم اس تک پہنچنے کی تدبیر کر سکتے تھے، وہ تو جنات کی بیٹی ہے اور سوائے حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے کسی کی رسائی وہاں تک نہیں ہو سکتی! لیکن بیٹا، اٹھ کھڑا ہو، دل مضبوط کر اور سوار ہو کر سیر و شکار کے لئے جا۔ میدان میں کھیل کود، کھانے پینے میں لگ جا اور دل سے رنج و غم نکال دے۔ میں تو تیرے لئے سو شہزادیاں لا موجود کروں گا، جنات کی بیٹیوں کی تجھے کیا پروا۔ نہ تو ہمارا زور ان پر چلتا ہے، نہ وہ ہماری جنس میں سے ہیں۔ اس نے جواب دیا، نہ تو میں اس سے دست کش ہو سکتا ہوں، نہ کسی اور کی مجھے خواہش ہے۔ بادشاہ نے کہا بیٹا تو پھر کیا ہو؟ بیٹے نے جواب دیا، سارے تاجروں، مسافروں اور سیاحوں کو بلا کر اس بارے میں گفتگو کر، ممکن ہے خدا ہمیں ارم کے باغ اور بابل کے شہر تک پہنچا دے۔ بادشاہ عاصم نے فوراً حکم دیا کہ شہر کے تمام تاجر، پردیسی اور ناخدا حاضر ہوں۔ وہ حاضر ہوئے تو اس نے ان سے بابل کے شہر، اس کے جزیرے اور ارم کے باغ کے متعلق دریافت کیا، کوئی بھی ایسا نہ نکلا جو انہیں جانتا ہو یا ان کا بتا سکے، مگر مجلس برخاست ہوتے وقت ان میں سے ایک نے کہا جہاں پناہ! اگر تو ان کا پتا لگانا چاہتا ہے تو صرف چین کے شہر سے لگ سکتا ہے، وہ بڑا شہر ہے، وہاں کا کوئی نہ کوئی شخص ضرور تجھے تیرے مقصد تک پہنچا دے گا۔ یہ سن کر سیف الملوک اپنے باپ سے بولا کہ چین کے سفر کی خاطر مجھے ایک کشتی تیار کرا دے بادشاہ نے کہا بیٹا، تو اپنی شاہی کرسی پر بیٹھا رہ اور رعیت پر حکومت کئے جا، میں خود چین جا کر اس بات کا پتا چلاؤں گا۔ سیف الملوک بولا ابا جان! اس بات کا تعلق مجھ سے ہے اور میری طرح کوئی اس کا پتا نہیں لگا سکتا۔ تیرا کیا بگڑتا ہے تو مجھے سفر کی اجازت دے دے۔ چند روز کی بات ہے۔ اگر مجھے اس کی خبر مل گئی تو میں نے من مانی مراد پائی۔ نہ ملی تو سفر میں میرا جی بہل جائے گا اور میری حالت سنبھل جائے گی۔ زندہ رہا تو صحیح و سالم تیرے پاس لوٹ کر آ جاؤں

گا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

○ ○ ○

• سات سو چونٹھ ویں رات

سات سو چونٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- سیف الملوک نے کہا، اگر میں زندہ رہا تو صبح و سالم تیرے پاس لوٹ کر آ جاؤں گا۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا، اسے سوائے اس کے اور کوئی چاہ نہ دکھائی دیا کہ اس کی بات مان لے۔ ناچار اس نے بیٹے کو سفر کی اجازت دے دی اور چالیس کشتیاں تیار کر کے اس کے ہمراہ علاقہ نوکر چاکر کے بیس ہزار غلام کر دیئے اور مال و دولت اور تمام ضروری ہتھیار دے کر کہا بیٹا! سفر کر، خدا تجھے خیریت، عافیت اور سلامتی کے ساتھ واپس لائے! میں تجھے اس خدا کے حوالے کرتا ہوں جو امانت کو حفاظت کے ساتھ رکھتا ہے۔

اس کے بعد اس کے ماں باپ اس سے رخصت ہوئے، کشتیاں، تمام سامان اور لشکر سمیت روانہ ہو گئیں اور چلتے چلتے چین کے شہر میں پہنچیں۔ ادھر جب چین والوں کو یہ خبر ملی کہ چالیس کشتیاں سپاہیوں، جنگ کے سامان، ہتھیاروں اور ذخیروں سے لدی ہوئی آئی ہیں تو انہیں گمان ہوا کہ کوئی دشمن ان سے لڑنے اور ان کا محاصرہ کرنے کے لئے آگیا۔ انہوں نے شہر کے دروازے بند کر لئے، پتھر پھینکنے کے آلات لگا دیئے۔ ادھر بادشاہ سیف الملوک کو یہ معلوم ہوا تو اس نے اپنے خاص غلاموں میں سے دو غلاموں کو چین کے بادشاہ کے پاس بھیجا، پیغام دے کر کہا کہ یہ بادشاہ عاصم کا بیٹا سیف الملوک ہے جو محض مہمانوں کی حیثیت سے تیرے ملک میں آیا ہے تاکہ کچھ دنوں سیر و تفریح کرے، نہ لڑنے آیا ہے نہ دشمنی کرنے، اگر تیری خوشی ہو تو وہ تیرے ہاں آ کر ٹھہرے ورنہ لوٹ جائے، کیونکہ نہ وہ تجھے پریشانی میں ڈالنا چاہتا ہے، نہ شہر والوں کو۔ غلاموں نے شہر کے دروازے پر جا کر کہا کہ ہم بادشاہ سیف الملوک کے ایلچی ہیں۔ لوگوں نے دروانہ کھول دیا اور ایلچیوں کو لے کر اپنے بادشاہ کے پاس گئے۔ اس بادشاہ کا

نام فغفور شاہ تھا۔ بادشاہ عاصم سے اس کی جان پہچان تھی۔ جب اس نے سنا کہ نووارد بادشاہ سیف الملوک بادشاہ عاصم کا بیٹا ہے تو اس نے ایلچیوں کو خلفعت دیئے اور حکم دیا کہ سب دروازے کھول دیئے جائیں۔ دعوت کی تیاری کی اور خود اپنے خاص درباریوں کو لے کر باہر آیا۔ سیف الملوک سے گلے ملا اور کہا کہ ہمارے مہمان کا آنا مبارک ہو! میں تیرا اور تیرے باپ کا غلام ہوں، میرا سارا شہر تیری خدمت کے لئے حاضر ہے اور جو کچھ تو چاہے گا، مہیا کر دیا جائے گا۔ یہ کہہ کر اس نے دعوت کا سامان اس جگہ پہنچا دیا جہاں وہ لوگ ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس کے بعد سیف الملوک اور اس کا وزیر ساعد سوار ہوئے، اپنے مصاحبوں وغیرہ کو ساتھ لے کر سمندر کے کنارے سے شہر پہنچے۔ ان کی خوشی میں مجیرے اور شادیاں بجا دی گئیں، چالیس دن تک خوب دعوتیں رہیں۔

دعوتوں سے فارغ ہو کر بادشاہ نے کہا اے میرے بیٹے! کچھ تیرا دل خوش ہوا؟ میرا ملک تجھے پسند آیا؟ سیف الملوک بولا اے بادشاہ! خدا تیری عزت کے ساتھ تیرے ملک کی عزت کو برقرار رکھے۔ بادشاہ فغفور شاہ نے کہا تو ضرور کسی نہ کسی ضرورت سے یہاں آیا ہو گا۔ بتا تو میرے ملک میں کیا چاہتا ہے تاکہ میں تیری حاجت روائی کروں؟ سیف الملوک نے کہا اے بادشاہ! میری داستان عجیب و غریب ہے، میں بدیع الجمال کی تصویر پر عاشق ہوں۔ چین کے بادشاہ کو یہ سن کر اس پر اتنا ترس آیا کہ وہ رونے لگا۔ پوچھا اے سیف الملوک! اب تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا، میں چاہتا ہوں کہ تمام سیاحوں، پردیسیوں اور ان لوگوں کو بلا جو سفر کیا کرتے ہیں، میں اس تصویر والی کے متعلق ان سے دریافت کروں گا۔ ممکن ہے ان میں سے کوئی مجھے اس کا پتا نشان بتا سکے۔ بادشاہ فغفور شاہ نے والیوں، حاجبوں اور سرداروں کو حکم دیا کہ وہ تمام سیاحوں اور مسافروں کو بلا لائیں جو ملک میں ہیں۔ وہ آئے تو بڑی تعداد میں تھے۔ بادشاہ فغفور شاہ کے پاس آ کر حاضر ہوئے تو سیف الملوک نے ان سے بابل کے شہر اور ارم کے باغ کی نسبت دریافت کیا، کوئی اس کا جواب نہ دے سکا۔ سیف الملوک کو بڑی

مایوسی ہوئی کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ اتنے میں ایک ناخدا بولا اے بادشاہ! اگر تو اس شہر اور اس باغ کا پتا معلوم کرنا چاہتا ہے تو پہلے تجھے جزائر جانا چاہیے جو ہند کی ولایت میں ہیں۔

یہ سنتے ہی سیف الملوک نے حکم دیا کہ کشتیاں حاضر کی جائیں۔ لوگوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی، ان میں کھانا پانی وغیرہ ساری ضرورت کی چیزیں رکھ دیں اور سیف الملوک اور اس کا وزیر ساعد بادشاہ فغفور شاہ سے رخصت ہو کر سوار ہو گئے۔ ہوا موافق تھی۔ چالیس دن تک خیریت اور اطمینان کے ساتھ سفر کرتے رہے لیکن اس کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ یکایک آندھی چلی، لہریں ہر طرف سے تھپڑے مارنے لگیں، مینہ برسنے لگا، آندھی کی وجہ سے سمندر کی حالت ابتر ہو گئی اور سب کشتیاں ایک دوسرے سے ٹکرا کر ٹوٹ گئیں۔ یہی حشر چھوٹی ناؤں کا بھی ہوا۔ سب لوگ ڈوب گئے، محض سیف الملوک چند غلاموں کے ساتھ ایک ناؤ پر باقی رہ گیا۔ اب خدا کا کرنا کہ آندھی رک گئی، سورج نکل آیا، سیف الملوک نے اپنی آنکھیں کھولیں، سوائے آسمان اور سمندر کے کوئی کشتی نظر نہ آئی۔ اس نے دیکھا کہ وہ اور اس کے چند ساتھی ایک ناؤ میں بیٹھے ہوئے ہیں، اس نے غلاموں سے پوچھا کہ کشتیاں اور چھوڑے بجرے کہاں ہیں اور میرا بھائی ساعد کدھر گیا؟ انہوں نے کہا جہاں پناہ! نہ کشتیاں بچیں، نہ بجرے اور نہ وہ لوگ جو ان میں سوار تھے، سب ڈوب کر مچھلیوں کا چاہہ بن چکے ہیں۔ سیف الملوک نے ایک چیخ ماری اور وہ جملہ کہا جس کا کہنے والا پیشمان نہیں ہوتا یعنی لاجول ولاقوہ الا باللہ العلی العظیم اور اپنا منہ پیٹنے لگا۔ منہ پیٹتے پیٹتے چاہتا تھا کہ سمندر میں کود پڑے۔ غلاموں نے اسے روک لیا اور کہا اے بادشاہ اس سے کیا فائدہ! تو نے اپنی خوشی سے یہ کام کیا ہے۔ اگر اپنے باپ کا کہنا مانتا تو ایسی کوئی بات پیش نہ آتی لیکن یہ بات روحوں کے پیدا کرنے والے نے ازل سے مقدر کر رکھی تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• سات سو پینٹھ ویں رات

سات سو پینٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- غلاموں نے کہا روحوں کو پیدا کرنے والے نے یہ بات ازل سے مقدر کر رکھی تھی، بندہ اس کے لکھے کو مٹا نہیں سکتا۔ تیری پیدائش کے وقت نجومیوں نے تیرے باپ سے کہا تھا کہ یہ ساری مصیبتیں تیرے بیٹے کو جھیلنی ہوں گی۔ اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ جب تک یہ بلا ہم سے ٹلے، صبر کریں۔ سیف الملوک نے کہا ”لاحول ولا قوہ الا باللہ العلیٰ العظیم“ جو کچھ خدا نے مقدر کر دیا ہے، اس سے چھٹکارا نہیں۔ یہ کہہ کر وہ سوچ میں پڑ گیا، آنسو لڑی بن کر اس کے رخساروں پر بننے لگے اور وہ تھوڑی دیر کے لئے سو گیا۔ جب وہ جاگا تو اس نے کھانا مانگا، کھانا آیا اس نے کھایا، ناؤ برابر چلتی جا رہی تھی، کوئی نہیں جانتا تھا کہ انہیں کدھر لئے جا رہی ہے، اسی طرح ایک مدت تک ناؤ کو موجیں اور ہوا دن رات بہائے لئے چلی گئیں۔ یہاں تک کہ کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا۔ وہ کہیں جا پڑے۔ بھوک، پیاس اور پریشانی سے عاجز آ گئے۔ ایک دن دور سے ایک جزیرہ دکھائی دیا اور ہوا انہیں اسی طرف لے چلی، وہاں پہنچ کر انہوں نے لنگر ڈال دیا۔ بحرے میں ایک شخص کو چھوڑ کر باقی لوگ اترے۔ جزیرے کے اندر داخل ہوئے تو انہیں طرح طرح کے بے شمار میوے نظر پڑے اور انہوں نے پیٹ بھر کر کھائے۔ میوے کھا رہے تھے کہ انہیں درختوں کے نیچے بیٹھا ہوا ایک شخص دکھائی دیا بڑا سا لیا تڑنگا اور عجیب الخلقت تھا۔ داڑھی اور تمام بدن سفید۔ اس نے ایک غلام کو نام لے کر آواز دی اور کہا کہ یہ پھل نہ کھا، کچے ہیں۔ میرے پاس آ، میں یہ پکے ہوئے پھل تجھے کھانے کے لئے دوں۔ غلام کی نظر اس پر پڑی تو وہ سمجھا کہ یہ بھی انہیں لوگوں میں سے ہو گا جو ڈوب گئے اور یہاں آ کر نکلا ہے۔ وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا، اس کے پاس پہنچا۔ غلام کو کیا معلوم تھا کہ غیب میں اس

کے لئے کیا مقدر ہو چکا ہے اور اس کی پیشانی پر کیا لکھا ہے! جو نبی غلام اس شخص کے قریب پہنچا تو وہ اچھل کود کر اس کے کندھے پر چڑھ بیٹھا اور ایک ٹانگ اس کی گردن میں لپیٹ کر دوسری پیٹھ پر لٹکا دی اور کہا چل، اب میں تجھے چھوڑوں گا نہیں اور تو ہمیشہ میرا گدھا بنا رہے گا۔ یہ دیکھ کر غلام نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی اور رو رو کر کہنے لگا۔ ہائے میرے آقا! تم لوگ اپنی جان لے کر اس جنگل سے بھاگو، یہاں کا ایک شخص میرے کندھے پر چڑھ بیٹھا ہے اور دوسرے تمہاری طرف آ رہے ہیں۔ وہ بھی اسی طرح تم پر سوار ہو جائیں گے۔ غلام کی یہ بات سن کر سب کے سب بھاگے اور بحرے میں سوار ہو گئے۔ لیکن ان لوگوں نے سمندر میں بھی ان کا پیچھا کیا اور کہنے لگے کہ تم کہاں بھاگے جاتے ہو؟ آ کر ہمارے ساتھ رہو تا کہ ہم تمہارے اوپر سوار ہوں، تمہیں کھلائیں پلائیں اور تم ہمارے گدھے بنے رہو۔ یہ لوگ ناؤ کو تیز تیز سمندر میں کھینے لگے۔ یہاں تک کہ وہ ان سے دور نکل گئے اور خدا پر بھروسہ کر کے آگے چل دیئے۔

ایک مہینے تک ان کی یہی حالت رہی۔ پھر انہیں ایک اور جزیرہ نظر آیا، وہ اس میں اترے، انہوں نے دیکھا کہ وہاں قسم قسم کے پھل ہیں۔ وہ ان پھلوں کو کھا ہی رہے تھے کہ انہیں دور سے کوئی چیز چمکتی ہوئی دکھائی دی۔ اس کے قریب پہنچے اور غور سے دیکھا تو وہ ایک بد صورت سی چیز چاندی کے ستون جیسی تھی۔ ایک غلام نے اسے اپنے پاؤں سے ٹھکرایا وہ آدی نکلا۔ جس کی آنکھیں لمبی لمبی، سر پھٹا ہوا، ایک کان اوڑھے ہوئے تھا۔ کان کیا اوڑھنا اور بچھونا ہے۔ جب وہ سوتا تو ایک کان اپنے نیچے بچھا لیتا اور دوسرا اوڑھ لیتا۔ اس شخص نے غلام کو پکڑ لیا جس نے اسے ٹھوکر ماری تھی اور اسے لے کر جزیرے میں چلا گیا۔ وہاں سب اسی طرح کے بھوت پریت رہتے اور آدم خور تھے۔ اس غلام نے بھی اپنے ساتھیوں کو آواز دی کہ اپنی اپنی جان لے کر بھاگو۔ یہ بھوتوں کا جزیرہ ہے جو انسانوں کو کھا جاتے ہیں، اور وہ مجھے کاٹ کر کھانے کے لئے تیار ہیں۔

وہ سب بھاگے اور پھلوں کو چھوڑ چھاڑ ناؤ پر سوار ہو گئے۔ کئی دن تک سفر کرتے کرتے ایک اور جزیرہ دکھائی دیا، وہاں اترے تو سامنے ایک اونچا پہاڑ تھا۔ اسکے اوپر چڑھے تو انہیں ایک گنجان جنگل نظر آیا۔ بھوکے تو تھے ہی، پھلوں پر ایسے آنکھیں بند کر کے گرے کہ آس پاس کی کچھ خبر نہ رہی۔ انہوں نے دیکھا بھی نہیں اور درختوں میں سے بہت سے ڈراؤنی شکل والے لمبے تڑنگے لوگ آ پہنچے۔ ہر ایک پچاس پچاس ہاتھ لمبا تھا اور دانت ہاتھی کی طرح باہر نکلے ہوئے تھے۔ ناؤ والوں کو گھیر کر وہ ایک شخص کے پاس لے گئے جو ٹیلے پر ایک کالا نمدا بچھائے بیٹھا ہوا تھا۔ ارد گرد بہت سے زنگی کھڑے تھے۔ انہوں نے سیف الملوک اور اس کے غلاموں کو پکڑ کر اپنے بادشاہ کے آگے پیش کیا اور کہنے لگے۔ ہم نے ان چڑیوں کو درختوں کے بیچ میں پایا ہے۔ بادشاہ بھوکا تھا۔ اس نے غلاموں میں سے دو کو پکڑ کر ذبح کیا اور کھا گیا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو چھیاسٹھ ویں رات

سات سو چھیاسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- ان کے بادشاہ نے دو غلاموں کو پکڑا اور انہیں ذبح کر کے کھا گیا۔ یہ دیکھ کر سیف الملوک کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ وہ رونے اور ٹھنڈے سانس بھرنے لگا۔ بادشاہ اس کے رونے کی آواز سن کر بولا۔ یہ چڑیا بڑی خوش آوازی سے گاتی ہے! مجھے ان کی بولی بہت پسند ہے۔ اب انہوں نے ایک ایک کو ایک پنجرے میں بند کیا۔ اور پنجرے بادشاہ کے سر کے اوپر لٹکا دیئے کہ وہ ان کی بولی سنے۔ سیف الملوک اور اس کے غلام پنجرے میں بند ہو گئے۔ زنگی انہیں کھانا پانی دینے لگے۔ وہ کبھی روتے اور کبھی ہنستے، کبھی باتیں کرتے اور کبھی چپ ہو جاتے۔ ادھر ان کی یہ حالت ادھر زنگیوں کا بادشاہ ان کی آوازوں کے مزے لیتا۔ اسی طرح سے وہ مدت تک رہے۔

زنگیوں کے بادشاہ کی ایک بیٹی تھی۔ جس کا بیاہ کسی دوسرے جزیرے میں ہوا تھا۔ اسے جو خبر لگی کہ باپ کے پاس نہایت خوش گلو چڑیاں ہیں تو اس نے آدمی بھیج کر اپنے باپ سے کچھ چڑیاں منگوائیں۔ بادشاہ نے سیف الملوک اور تین غلاموں کو چار پنجروں میں بند کر کے بھیج دیا۔ یہ انسانی چڑیاں لڑکی کے پاس پہنچیں تو اس نے بہت پسند کیا اور حکم دیا کہ انہیں اس کے سرہانے کسی جگہ ٹانک دیا جائے۔ سیف الملوک اپنی حالت اور اپنی کچھلی عزت کا خیال کر کے رونے لگا۔ تینوں غلام بھی رونے لگے۔ ادھر وہ رو رہے تھے۔ ادھر شہزادی سمجھتی تھی کہ وہ گا رہے ہیں۔ شہزادی کا یہ دستور تھا کہ جب کبھی کوئی شخص مصر یا کسی دوسرے ملک سے آتا اور وہ اسے پسند کرتی تو اس کی بڑی قدر و منزلت کرتی۔ خدا کا کرنا شہزادی نے سیف الملوک کو دیکھا تو اس کا حسن و جمال اور قد و قامت اسے بہت بھایا۔ اس نے حکم دیا کہ انہیں عزت کے ساتھ رکھا جائے۔ اتفاق سے ایک دن جب وہ سیف الملوک کے ساتھ تھا تو اس نے

کہا کہ میرے ساتھ ہم بستر ہو، سیف الملوک نہ مانا اور جواب دیا اے میری آقا میں پردیسی اور محبت کا مارا، جس سے مجھے عشق ہے اس کے سوا کسی اور سے وصال کی تمنا نہیں رکھتا، شنزادی اسے پھسلاتی اور محبت کا اظہار کرتی، مگر نہ ماننا اور اسے اپنے قریب بھی پھٹکنے نہ دیتا، کسی حالت میں اس کے وصال پر راضی نہ ہوتا۔ جب شنزادی کی کوئی تدبیر اس پر نہ چلی تو وہ اس سے اور اس کے غلاموں سے بہت ناراض ہوئی۔ جل کر کہہ دیا کہ اب ان کی خاطر نہ کی جائے بلکہ یہ پانی اور لکڑیاں ڈھو کر لایا کریں۔ چار سال تک ان کی یہی حالت رہی۔ سیف الملوک اکتا گیا اور اس نے بادشاہ کے پاس ایک شخص کو سفارش کے لئے بھیجا تا کہ شنزادی انہیں آزاد کر دے، وہ اپنی راہ لیں اور اس مصیبت سے انہیں چھٹکارا ہو۔ شنزادی نے سیف الملوک کو بلا کر کہا اگر تو میرا ارمان نکال دے تو میں تجھے اس مصیبت سے آزاد کر دوں گی، تو اپنے وطن صحیح و سالم پہنچ جائے گا۔ غرض یہ کہ شنزادی نے بڑی خوشامد کی، بہت پھسلایا لیکن سیف الملوک نے اس کا ارمان پورا نہ کیا۔ شنزادی نے ناراض ہو کر سیف الملوک کی طرف سے منہ پھیر لیا اور وہ سب اسی طرح جزیرے میں زندگی بسر کرتے رہے۔ جزیرے والوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ شنزادی کی چٹیاں ہیں، اس لئے کسی کی مجال نہ تھی کہ انہیں نقصان پہنچائے۔ شنزادی کو ان کی طرف سے اطمینان تھا اور یہ یقین کہ وہ جزیرے سے چھٹکارا نہیں پا سکتے۔ وہ بھی دو دو تین تین دن غائب رہتے اور جنگل میں پھر کر لکڑیاں جمع کر کے شنزادی کے باورچی خانے میں لاتے۔ پانچ سال تک یہی حال رہا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ سیف الملوک اور اس کے غلام کو اپنی ماں، باپ اور بھائی ساعد کی یاد آنے لگی۔ ان کی جدائی میں رونے لگا۔ خوب بلک بلک کر رویا۔ غلام بھی ان کے ساتھ رونے لگے۔ انہوں نے کہا جہاں پناہ! آخر ہم کب تک رویا کریں گے؟ رونے دھونے سے کیا فائدہ! یہ باتیں تو خدا نے ہماری قسمت میں لکھ دی ہیں اور قلم نے وہی لکھا ہے جو خدا کا حکم ہے۔ سوائے صبر کے اور کوئی چارہ نہیں، ممکن ہے کہ

جس خدا نے ہمیں اس بلا میں گرفتار کیا ہے وہی ہمیں اس سے چھٹکارا بھی دے۔ سیف الملوک بولا بھائیو! اس بیسوا کے پھندے سے آخر کس طرح چھٹکارا پائیں! خدا ہی اپنے فضل سے چھڑا دے تو چھڑا دے ورنہ مجھے تو کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی۔ ہاں ایک ترکیب ہو سکتی ہے جو ہم یہاں سے بھاگ چلیں اور اس مصیبت سے نجات پائیں۔ غلاموں نے کہا جہاں پناہ! اس جزیرے سے بھاگ کر ہم کہاں جا سکتے ہیں؟ جدھر دیکھو بھوت ہی بھوت ہیں اور انسانوں کو کھانے والے۔ جہاں بھی جائیں گے وہ ہمیں پکڑ لائیں گے۔ پھر یا تو ہمیں کھا جائیں گے یا پکڑ کر پھر یہیں لے آئیں گے اور شہزادی سخت ناراض ہو گی۔ سیف الملوک بولا میں تمہارے لئے ایک چیز بتاؤں گا، ممکن ہے کہ خدا کی مدد سے ہمیں نجات ملے اور ہم اس جزیرے سے نکل بھاگیں۔ انہوں نے پوچھا تو کیا کرنا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا ہمیں چاہیے کہ درخت کاٹیں، ان کی چھال سے رسیاں بٹیں، لکڑیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھیں اور ان کی کشتی بنا کر سمندر میں ڈال دیں۔ اس میں میوے بھریں اور سوار ہو جائیں ممکن ہے کہ اس طرح سے خدا ہمیں خوشی نصیب کرے، وہ ہر بات پر قادر ہے۔ خدا کرے کہ ہوا موافق ہو ہمیں ہند پہنچا دے اور ہم اس ملعونہ سے چھٹکارا پائیں! سب نے کہا یہ رائے بہت ٹھیک ہے، وہ خوش ہو گئے اور فوراً کشتی کے لئے لکڑیاں کاٹنے لگے۔ اپنی کشتی کے لئے شہتیر بھی بناتے۔ رسیاں بھی بٹتے اور شام کو کچھ لکڑیاں لے کر شہزادی کے باورچی خانے بھی پہنچ جاتے۔ ایک مہینے تک وہ یہی کیا کئے یہاں تک کہ کشتی بن کر تیار ہو گئی۔ اور شہزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو سترھ ویں رات

سات سو سترھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- کشتی بن چکی تو انہوں نے اسے سمندر میں ڈالا۔ جزیرے کے درختوں سے پھل توڑ کر اس میں بھر لئے۔ کسی کو معلوم بھی نہ ہوا کہ انہوں نے کیا بنایا ہے۔ وہ ایک روز شام کے وقت سوار ہو گئے۔ چار مہینے تک کشتی سمندر میں چلتی رہی، انہیں کچھ خبر نہ تھی کہ وہ انہیں کہاں لئے جا رہی ہے، کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو گئیں۔ بھوک پیاس کی شدت سے تنگ آ گئے۔ ساتھ ہی سمندر میں تلاطم آ گیا۔ ایک ڈراؤنے مگرچھ نے اچک کر ایک غلام کو پکڑ لیا اور اسے نگل گیا۔ یہ دیکھ کر سیف الملوک رونے لگا۔ اب کشتی میں صرف دو آدمی رہ گئے۔ وہ اور ایک غلام اور مگرچھ کے ڈر سے ایک کونے میں جا بیٹھے۔ اسی طرح چلے جا رہے تھے کہ ایک دن انہیں ایک بڑا خوفناک اونچا پہاڑ دکھائی دیا جس کے پیچھے ایک جزیرہ نظر آتا تھا۔ وہ تیز تیز اس کی طرف بڑھے، انہیں بڑی خوشی تھی کہ وہاں جا کر اتریں گے۔ اتنے میں پھر سمندر میں تلاطم آیا، لہریں اٹھنے لگیں۔ اس کی صورت بدل گئی اور ایک مگرچھ نے سر نکالا۔ سیف الملوک کا جو ایک غلام باقی رہ گیا تھا اسے بھی پکڑ کر نگل گیا اور سیف الملوک جزیرے میں پہنچتے پہنچتے اکیلا رہ گیا۔ بڑی مشکل سے پہاڑ چڑھا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اسے ایک جنگل نظر آیا۔ جنگل میں جا کر درختوں کے پھل کھانے لگا۔ پھل کھا ہی رہا تھا کہ اس نے درختوں کے اوپر سے بیس سے زیادہ بڑے بڑے بندر دیکھے جو خجروں سے بھی بڑے تھے۔ سیف الملوک ڈر گیا۔ بندروں نے نیچے اتر کر اسے چاروں طرف سے گھیر لیا اور اشارے سے کہہ کر کہ ہمارے پیچھے آ، آگے آگے چلنے لگے۔ سیف الملوک پیچھے پیچھے چلا جا رہا تھا اور بندر آگے آگے کہ ایک بلند اور مضبوط قلعے کے پاس پہنچے۔ بندر

اس میں داخل ہوئے۔ سیف الملوک بھی ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ اس نے وہاں طرح طرح کی نفیس چیزیں، جواہرات اور معدنیات اس قدر دیکھیں جن کے بیان سے زبان گوگی ہے۔ اس قلعے میں اسے ایک جوان نظر آیا جس کی ابھی داڑھی مونچھیں نہیں نکلی تھیں لیکن وہ بہت بلند بالا تھا۔ سیف الملوک اس سے مانوس ہو گیا کیونکہ سوائے اس جوان کے سارے قلعے میں کوئی انسان نہ تھا۔

جب جوانکی نظر سیف الملوک پر پڑی تو وہ اسے بہت پسند آیا، اس نے پوچھا تیرا نام کیا ہے، کس ملک کا رہنے والا ہے اور یہاں کیسے آیا؟ مجھ سے اپنا سارا ماجرا کہہ دے۔ کچھ چھپایو نہیں۔ سیف الملوک نے جواب دیا، خدا کی قسم! میں اپنی مرضی سے یہاں نہیں آیا، نہ میرا یہاں آنے کا ارادہ تھا، نہ میری یہ خواہش تھی کہ میں جگہ جگہ سیر کرتا پھروں۔ میرا مقصد تو کچھ اور ہی تھا۔ جوان بولا اچھا اپنا مقصد بیان کر؟ سیف الملوک نے کہا میں مصر کا رہنے والا ہوں۔ میرا نام سیف الملوک، میرا باپ بادشاہ عاصم بن صفوان ہے اور اس نے اپنی ساری کہانی شروع سے آخر تک سنا دی۔ جوان نے جو سیف الملوک کی کہانی سنی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ جہاں پناہ! میں بھی مصر میں رہا ہوں۔ میں نے وہاں سنا تھا کہ تو چین گیا ہے۔ کہاں چین اور کہاں یہ ملک! عجیب و غریب بات ہے۔ سیف الملوک بولا، تو ٹھیک کہتا ہے لیکن میں چین پہنچنے کے بعد ہند روانہ ہوا تھا، راہ میں طوفان آیا، سمندر متلاطم ہوا جتنی کشتیاں میرے ساتھ تھیں سب چکنا چور ہو گئیں۔ آخر میں اس نے یہ کہا اب میں تیرے یہاں پہنچا ہوں۔ جوان نے کہا اے بادشاہ زادے! غربت اور اس کی مصیبتیں تیرے اوپر کافی گزر چکی ہیں لیکن خدا کا شکر ادا کر کہ تو یہاں پہنچ گیا۔ اب میرے ساتھ ٹھہر، میں تجھے محبت سے رکھوں گا اور جب میں مر جاؤں گا تو اس ملک کا بادشاہ ہو جائے گا جس میں یہ اتنا بڑا جزیرہ ہے جس کی حد نہیں اور یہ بندر بڑے کاریگر ہیں، تجھے ہر چیز یہاں مل سکتی ہے۔ سیف الملوک نے کہا، جب تک میرا مقصد پورا نہ ہو جائے میں کسی جگہ نہیں ٹھہر سکتا خواہ مجھے ساری دنیا کا چکر ہی کیوں نہ لگانا پڑے۔ ممکن ہے کہ خدا

میری مراد پوری کر دے یا میں اس جگہ پہنچ جاؤں جہاں میری موت لکھی ہے اور مر جاؤں۔ جوان نے ایک بندر کی طرف اشارہ کیا، وہ چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد بہت سے بندروں کے ساتھ آیا جن کی کمروں میں ریشمی پٹکے بندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے آ کر دسترخوان بچھایا۔ سو کے قریب سونے اور چاندی کے برتن لا کر رکھے جن میں طرح طرح کے کھانے تھے۔ کھانے چننے کے بعد بندر اس طرح کھڑے ہو گئے جیسے غلام بادشاہوں کے آگے کھڑے ہوا کرتے ہیں۔ اس کے بعد جوان نے حاجبوں سے کہا بیٹھ جائیں۔ سوائے اس کے جو خدمت کے لئے مامور تھا، سب بیٹھ گئے جب وہ کھانا کھا کر سیر ہو گئے تو دسترخوان بڑھایا گیا۔ سونے کے طشت اور لوٹے لائے گئے۔ انہوں نے ہاتھ دھوئے۔ پھر تقریباً چالیس شیشے شراب کے لائے گئے۔ جن میں سے ہر ایک میں الگ الگ قسم کی شراب تھی۔ سب نے شراب پی، مزے اڑائے۔ خوش ہوئے اور ان کا وقت اچھا گزرا کیونکہ جب تک وہ کھایا پیا کئے۔ بندر ناچتے اور کھیلتے رہے۔ سیف الملوک کو بڑا تعجب ہوا اور وہ اپنی مصیبتیں بھول گیا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو اڑٹھ ویں رات

سات سو اڑٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- سیف الملوک بندروں کا ناچ دیکھ کر اتنا متعجب ہوا کہ وہ اپنی غربت اور غربت کی مصیبتیں بھول گیا۔ رات ہوئی تو بندروں نے موم بتیاں جلا کر سونے چاندی کے شمع دانوں بن رکھیں۔ پھل اور میوؤں کی رکابیاں لائے دونوں نے کھایا اور سونے کا وقت آیا تو سو گئے۔ سویرا ہوا تو نوجوان اٹھا اور سیف الملوک کو جگا کر کہنے لگا۔ جھروکے سے سر نکال کر دیکھ کیا دکھائی دیتا ہے۔ سیف الملوک نے دیکھا کہ سارا میدان اور جنگل بندروں سے بھرا ہوا ہے جنکی تعداد سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ وہ کہنے لگا یہ تو بے شمار بندر ہیں، چاروں طرف آخران کے جمع ہونے کا کیا سبب ہے؟ جوان نے کہا ان کا یہ دستور ہے جزیرے کے سارے بندر یہاں آ جاتے ہیں بلکہ ان میں ایسے بھی ہیں جو دو دو، تین تین دن کی راہ طے کر کے آئے ہوں گے۔ ہر سینچر کو وہ اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ میں سو کر اٹھوں اور اپنا سراسر جھروکے سے باہر نکالوں۔ جب ان کی نظر مجھ پر پڑتی ہے تو وہ میرے آگے نمن چومتے ہیں اور پھر اپنے اپنے کام پر چلے جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا سر جھروکے میں سے نکالا، بندروں نے اس کے آگے نمن چومی اور چلے گئے۔

سیف الملوک جوان کے پاس پورے ایک مہینے تک ٹھہر کر رخصت ہوا۔ جوان نے سو کے قریب بندروں کو حکم دیا کہ اس کے ساتھ جائیں۔ انہوں نے اس کے ساتھ سفر کر کے سات دن میں اسے اپنے جزیرے کی سرحد تک پہنچا دیا اور واپس اپنے گھر لوٹ گئے۔ سیف الملوک چار مہینے پہاڑوں، ٹیلوں، جنگلوں اور بیابانوں میں سفر کرتا رہا، کبھی بھوکا رہتا، کبھی گھاس پات سے پیٹ بھرتا، کبھی درختوں کے پھل سے، وہ اپنے کئے پر پچھتا رہا تھا کہ کیوں جوان کے پاس سے چلا آیا۔ اسی سوچ میں چلتے چلتے کھڑا ہو گیا۔

دل میں تھی کہ لوٹ جائے اتنے میں دور سے کوئی کالی چیز چمکتی ہوئی دکھائی دی اور کہنے لگا یہ کوئی آباد شہر تو نہیں؟ اور کیا ہو سکتا ہے؟ جب تک میں دیکھ نہ لوں کہ یہ کیا چیز ہے اس وقت تک لوٹ کر نہیں جاؤں گا اور وہ اس کے قریب پہنچا۔ وہ ایک عالیشان محل تھا۔ وہی عمارت جو یافث بن نوح علیہ السلام نے بنائی تھی۔ جس کا ذکر خدا نے اپنی بزرگ کتاب میں کیا ہے کہ وہ بنو معطلہ و قصر مشید، سیف الملوک محل کے دروازے پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ خدا جانے اس محل کے اندر کیا ہو گا اور یہاں کس کی بادشاہت ہو گی یہ پتا کس سے چلے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اس میں انسان رہتے ہیں یا جنات۔ دیر تک بیٹھا یہی سوچتا رہا لیکن نہ کسی کو اندر جاتے دیکھا، نہ باہر نکلتے، بالآخر وہ خدا کا نام لے کر محل میں داخل ہوا اور سات دہلیزیں گنتا چلا گیا، کوئی شخص نظر نہ آیا۔ اب اسے دائیں ہاتھ پر تین دروازے دکھائی دیئے اور سامنے ایک دروانہ جس پر پردہ پڑا ہوا تھا وہ اس دروازے کی طرف بڑھا، پردے کو اپنے ہاتھ سے اٹھا کر اندر چلا گیا۔ دیکھا کہ وہاں ایک بہت بڑا کمرہ ہے جس میں ریشتی قالین بچھے ہوئے ہیں، صدر میں ایک سونے کا تخت ہے جس پر چاند کی سی ایک لڑکی بیٹھی ہوئی ہے، اس کا لباس شاہانہ ہے اور وہ ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے پہلی رات کی دلہن۔ تخت کے نیچے چالیس دسترخوان جن پر سونے چاندی کے برتن چنے ہوئے ہیں اور سب میں عمدہ عمدہ کھانے۔ سیف الملوک لڑکی کی طرف بڑھا اور سلام کیا، اس نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا تو انسان ہے یا جن؟ سیف الملوک بولا بہترین انسانوں میں سے کیونکہ میں بادشاہ اور بادشاہ زادہ ہوں۔ لڑکی نے کہا، تو یہاں کس کام سے آیا ہے؟ لیکن پہلے کھانا کھا لے، اس کے بعد شروع سے آخر تک اپنی کہانی سنایو اور یہ بھی سنایو کہ تو یہاں کس طرح پہنچا۔ سیف الملوک نے دسترخوان پر بیٹھ کر سرپوش اٹھائے اور بھوکا تو تھا ہی اتنا کھایا کہ پیٹ بھر گیا۔ ہاتھ دھوئے اور تخت پر چڑھ کر لڑکی کے پاس بیٹھ گیا۔

لڑکی نے پوچھا اب کہہ تو کون ہے، تیرا کیا نام ہے؟ کہاں سے آیا ہے اور تجھے یہاں

کون لایا ہے؟ سیف الملوک نے جواب دیا کہ میری کہانی تو بہت لمبی ہے لڑکی بولی کہہ تو سہی کہ تو کہاں سے آیا؟ کیوں آیا اور تیرا مقصد کیا ہے؟ سیف الملوک نے کہا پہلے تو بتا کہ تو کون ہے؟ تیرا نام کیا ہے؟ تجھے کون لایا ہے اور تو یہاں اکیلی کیوں رہتی ہے؟ لڑکی بولی میرا نام دولت خاتون ہے۔ ہند کے بادشاہ کی بیٹی ہوں جو سرندیپ میں رہتا ہے میرے باپ کا بہت بڑا خوبصورت باغ ہے، ویسا خوبصورت باغ نہ ہند میں ہے نہ اس کے قرب و جوار میں، اس کے اندر ایک بڑا حوض ہے ایک دن میں اپنی کنیزوں کے ساتھ اس باغ میں گئی، ہم سب کپڑے اتار کر حوض کے اندر گئے اور وہاں کھیلنے کودنے لگے۔ اتنے میں یک بہ یک کوئی چیز بادل کی طرح میرے اوپر اتری۔ مجھے کنیزوں کے درمیان میں سے اٹھا کر ہوا میں اڑ گئی اور کہنے لگی اے دولت خاتون، ڈر نہیں، گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ تھوڑی دیر اڑنے کے بعد اس نے مجھے زمین پر اتار دیا۔ فوراً اپنی صورت بدل کر ایک خوبصورت اور خوش پوشاک جوان کی صورت اختیار کر لی اور مجھ سے کہا کیا تو مجھے پہچانتی ہے؟ میں نے کہا اے میرے آقا! نہیں۔ وہ بولا۔ میں جنوں کے بادشاہ ملک ارزق کا بیٹا ہوں۔ میرا باپ قلعہ قلمزم میں رہتا ہے۔ اس کے حکم میں چھ لاکھ جن ہیں جو ہوا میں بھی اڑ سکتے ہیں اور زمین کے اندر بھی گھس سکتے ہیں۔ آج اتفاق سے میں ادھر گزر رہا تھا کہ میری نظر تجھ پر جا پڑی۔ میں عاشق ہو گیا اور اتر کر تجھے تیری کنیزوں کے درمیان سے اٹھا کر اس مضبوط قلعے میں لے آیا۔ یہی میرا گھر ہے اور میں یہیں رہتا ہوں۔ یہاں تک کسی کی پہنچ نہیں، نہ جنوں کی، نہ انسانوں کی اور ہند سے یہاں تک تو ایک سو بیس برس کا راستہ ہے۔ یقین کر کہ اب تو اپنے ماں باپ کا وطن کبھی دیکھ نہیں سکتی لہذا اطمینان سے میرے پاس اس جگہ رہ جو کچھ تو چاہے گی، میں لا کر تیرے لئے حاضر کر دوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے گلے لگایا اور میرا منہ چوما۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو انترویں رات

سات سو انترویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- لڑکی نے سیف الملوک سے کہا کہ جنوں کے شہزادے نے مجھے گلے لگایا، میرا منہ چوما اور مجھ سے کہا کہ کسی بات کا خوف نہ کر اور اتنا کہنے کے بعد وہ میرے پاس سے چلتا بنا۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ دستر خوان، فرش اور قالینیں لے آیا۔ اب وہ ہر منگل کو میرے پاس آتا ہے، تین روز ٹھہرتا ہے اور چوتھے روز عصر کے وقت تک ٹھہر کر چلا جاتا ہے۔ منگل تک غائب رہتا ہے اور پھر اسی طرح آتا ہے جب وہ آتا ہے تو میرے ساتھ بیٹھ کر کھاتا پیتا۔ مجھے گلے لگاتا اور میرا منہ چومتا ہے اور بس میں اسی طرح اب تک باکہ ہوں جیسا کہ مجھے خدا نے پیدا کیا ہے۔ وہ میرے ساتھ اور کوئی حرکت نہیں کرتا۔ میرے باپ کا نام تاج الملوک ہے، اسے نہ میرا حال معلوم ہے نہ پتا۔ میری کہانی تو ختم ہوئی۔ اب تو اپنی کہانی سنا۔ سیف الملوک بولا میری کہانی بڑی طول طویل ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اسے بیان کیا تو بڑی دیر لگے گی اور جن آ جلیے گا۔ لڑکی نے کہا وہ تو ابھی تیرے آنے سے گھڑی بھر پہلے گیا ہے، منگل سے پہلے نہیں آئے گا تو اطمینان سے بیٹھ اور آپ بیتی شروع سے لے کر آخر تک سنا دے۔ سیف الملوک نے اپنی کہانی اسے سنائی شروع کی۔ جب وہ بدیع الجمال کے قصے پر پہنچا تو لڑکی کے آنسو ڈبڈبا آئے۔ وہ کہنے لگی اے بدیع الجمال مجھے تیری طرف سے ایسا گمان نہ تھا۔ اے بدیع الجمال ہائے افسوس! کیا تو نے کبھی مجھے یاد نہیں کیا۔ نہ یہ پوچھا کہ میری بہن دولت خاتون کہاں چلی گئی ہے؟ یہ کہہ کر وہ زار زار رونے اور بدیع الجمال کے نہ یاد کرنے پر فریاد کرنے لگی۔

سیف الملوک نے کہا اے دولت خاتون! تو انسان ہے اور بدیع الجمال جن، وہ تیری بہن کیسے ہوئی؟ اس نے جواب دیا وہ میری دودھ شریک بہن ہے۔ اس طرح کہ میری

ماں ایک دن اس باغ میں سیر کر رہی تھی کہ اسے نہ کا درد محسوس ہوا اور میں اس باغ میں پیدا ہوئی۔ اتفاقاً بدیع الجمال کی ماں بھی اپنے غلاموں کے ساتھ اس وقت اسی باغ میں تھی۔ اسے بھی نہ کا درد شروع ہو گیا۔ اس نے باغ کے ایک کونے میں جا کر بدیع الجمال کو جنا اور اپنی چند کنیزوں کو میری ماں کے پاس بھیج کر کھانا اور دوسری چیزیں جن کی ضرورت بچہ جننے کے وقت ہوتی ہے منگوائیں۔ میری ماں نے تمام چیزیں بھیج دیں اور اسے مدعو کیا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور بدیع الجمال کو لئے میری ماں کے پاس آئی، میری ماں نے اسے دودھ پلایا۔ اس کے بعد وہ اور اس کی ماں دو مہینے باغ میں ہماری مہمان رہیں۔ جاتے وقت اس نے میری ماں کو کچھ چیزیں دے کر کہا کہ جب تجھے میری ضرورت ہو تو میں اسی باغ کے اندر حاضر ہو جاؤں گی۔ مدتوں ان کا یہ دستور رہا کہ وہ ہر سال ہمارے ہاں آئیں اور کچھ دن ٹھہر کر اپنے وطن چلی جاتیں۔ اے سیف الملوک اگر میں اپنی ماں کے پاس ہوتی اپنے وطن میں تجھ سے ملتی، ہم دونوں ساتھ ہوتے تو میں کوئی نہ کوئی تدبیر نکال کر تیری مراد پوری کر دیتی لیکن میں تو اب یہاں پڑی ہوں اور انہیں میری خبر تک نہیں۔ اگر انہیں یہ معلوم ہوتا کہ میں یہاں ہوں تو وہ مجھے چھڑا سکتے تھے۔ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس میں کیا کر سکتی ہوں۔ سیف الملوک بولا اٹھ۔ میرے ساتھ بھاگ چل، جہاں خدا کی مرضی ہو گی، ہم پہنچ جائیں گے۔ لڑکی نے جواب دیا یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔ خدا کی قسم! اگر ہم ایک سال کی راہ بھی طے کر چکے ہوں گے تو یہ ملعون ایک پل میں ہمارے پاس پہنچ جائے گا اور ہمیں تباہ کر دیگا۔ سیف الملوک بولا اچھا میں کسی جگہ چھپ رہوں اور جب وہ میرے پاس سے گزرے گا میں تلوار کا وار کر کے اسے قتل کر دوں گا لڑکی بولی تو اسے ہرگز قتل نہیں کر سکتا۔ جب تک اس کی روح زندہ ہے سیف الملوک نے کہا، اس کی روح کس جگہ ہے؟ لڑکی نے کہا میں نے اس کے متعلق بارہا پوچھا لیکن وہ ہمیشہ انکار کرتا رہا۔ ایک بار میں نے بہت گڑگڑا کر پوچھا تو وہ ناراض ہو کر کہنے لگا تو کب تک میری روح کو پوچھا کرے گی؟ آخر تیرا مطلب کیا ہے؟

میں نے کہا اے حاتم۔ میرا تیرے بعد خدا کے سوا کوئی نہیں ہے جب تک میں جیتی رہوں گی تیری روح کو لپٹائے رہوں گی۔ اگر میں تیری روح کو اپنی آنکھ کے اندر حفاظت سے نہ رکھوں تو تیرے بعد کیوں کر زندہ رہ سکتی ہوں۔ مجھے معلوم ہو جائے کہ تیری روح کہاں ہے تو میں اسے اپنی دائیں آنکھ کی طرف حفاظت سے رکھوں گی۔ یہ سن کر اس نے کہا سن، میں پیدا ہوا تو نجومیوں نے کہا کہ میری روح کی موت ایک انسانی شہزادے کے ہاتھ سے ہو گی۔ اس لئے میں نے اپنی روح کو ایک بھوزے کے پوٹے میں رکھا۔ بھوزے کو ایک ڈبیا میں بند کیا۔ ڈبیا کو ایک ڈبے میں ڈبے کو صندوقچی میں، صندوقچی کو سات صندوقوں میں اور اسے مرمر کی سینی میں رکھ کر سینی کو اس سمندر کے کنارے گاڑ دیا ہے کیونکہ یہ کناہ انسانوں کے ملک سے بہت دور ہے کسی انسان کی پہنچ یہاں تک نہیں ہو سکتی۔ میں نے تجھ سے یہ سب کچھ کہہ دیا لیکن کسی سے مت کہیو۔ یہ بھید فقط میرے اور تیرے درمیان رہے۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو سترویں رات

سات سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جن کی روح کا سارا قصہ بیان کر کے دولت خاتون نے کہا جن بولا یہ بھید فقط میرے اور تیرے درمیان رہے۔ میں نے کہا میں کس سے جا کر کہوں گی میرے پاس تیرے سوا آتا کون ہے جس سے کہوں، مگر خدا کی قسم تو نے اپنی روح ایسے مضبوط قلعے میں محفوظ کر رکھی ہے جہاں کسی کی بھی پہنچ نہیں، کوئی انسان وہاں تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ خدا نے وہی مقدر کیا ہے جو نجومی کہتے ہیں پھر بھی یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ انسان کی رسائی وہاں تک کیسے ہو سکتی ہے۔ جن نے کہا ممکن ہے ان میں سے کوئی شخص ایسا آئے جس کی انگلی میں حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی ہو۔ وہ اس جگہ پہنچ کر اس ہاتھ کو جس میں انگوٹھی ہو پانی کے اوپر رکھے اور کہے کہ ان ناموں کی قسم فلاں شخص کی روح نکل آئے تو وہ تابوت نکل آئے گا اور وہ صندوقوں وغیرہ کو توڑ کر بھونڈے کو نکال لے گا، اس کی گردن گھونٹ دے گا اور میں مر جاؤں گا۔ سیف الملوک بولا، وہ شہزادہ میں ہی ہوں۔ دیکھ یہ میری انگلی میں سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی ہے اٹھ اور میرے ساتھ سمندر کے کنارے چل دیکھیں تو جو اس نے کہا جھوٹ ہے یا سچ۔ دونوں چل کھڑے ہوئے اور سمندر تک پہنچ گئے۔ دولت خاتون سمندر کے کنارے کھڑی رہی اور سیف الملوک نے پانی میں جا کر کہا میں فلاں شخص کی روح کو جو بادشاہ ارزق جن کا بیٹا ہے ان اسما اور طلسمات جو اس کی انگوٹھی پر کندہ ہیں اور خود حضرت سلیمان علیہ السلام کا واسطہ دیتا ہوں کہ وہ باہر نکل آئے۔ یہ کہتے ہی سمندر میں موجیں اٹھیں اور تابوت باہر آ گیا۔ سیف الملوک نے اسے اٹھا کر پتھر پر دے پٹکا اور وہ ٹوٹ گیا۔ اسی طرح اس نے صندوق اور صندوقچیوں کو توڑ کر ڈبے میں سے بھونڈے کو نکال لیا اور جا کر تخت پر بیٹھ

گی۔

اتنے میں ایک بڑی آندھی اٹھی اور کوئی بڑی سی چیز اڑتی ہوئی نظر آئی۔ جس میں سے یہ آواز آئی کہ اے شہزادے! مجھے مار نہیں زندہ رہنے دے۔ میں تیرا آزاد کردہ غلام رہوں گا۔ اور تیرا مقصد پورا کر دوں گا۔ دولت خاتون بولی جن آ گیا ہے، اب بھوزے کو مار ڈال۔ اگر وہ ملعون محل میں آ گیا تو اسے چھین لے گا۔ تجھے مار ڈالے گا اور اس کے بعد مجھے بھی۔ سیف الملوک نے بھوزے کو مسل ڈالا، وہ مر گیا اور جن محل کے دروازے پر گر کر کالی راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔ دولت خاتون بولی۔ اس ملعون کے ہاتھ سے تو چھٹکارا ہو گیا، اب کیا کرنا چاہیے؟ سیف الملوک نے کہا جس خدا نے ہمیں مصیبت میں گرفتار کیا ہے، وہی ہماری مدد کرے گا اور اس بلا سے چھٹکارے کی تدبیر نکال دے گا۔ یہ کہہ کر وہ اٹھا اور محل کے دس دروازے اکھاڑ ڈالے۔ یہ دروازے صندل اور اگر کے تھے۔ اس کی کیلیں سونے اور چاندی کی۔ پھر اس نے وہیں سے رسیاں لیں جو ریشم کی تھیں۔ دروازوں کے پنوں کو ایک دوسرے سے ملا کر باندھا وہ اور دولت خاتون مل کر انہیں سمندر کے کنارے لے گئے اور انہیں پانی میں ڈال کر مثل کشتی کے کنارے سے باندھ دیا۔ یہ کام کر کے محل میں آئے۔ چاندی کے پتر، جواہرات، یاقوت اور عمدہ عمدہ معدنیات لیں غرض کہ تمام چیزیں جن کا وزن کم اور قیمت زیادہ تھی لے جا کر کشتی میں رکھیں۔ خدا پر بھروسہ کر کے اس میں بیٹھ گئے اور چپو کی طرح دو لکڑیاں ہاتھوں میں لے کر رسیاں کھول دیں اور کھینے لگے۔ اس طرح وہ چار مہینے پانی پر رہے یہاں تک کہ کھانا پینا ختم ہو گیا۔ مصیبت کا سامنا ہوا، انہوں نے گھبرا کر خدا سے دعا مانگی کہ یا مالک ہمیں اس بلا سے چھٹکارا دے۔

سیف الملوک کا سفر میں یہ دستور تھا کہ سوتا تھا تو دولت خاتون کو اپنے پیچھے سلاتا اور جب کروٹ بدلتا تو تلوار بیچ میں رکھ لیتا۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ سیف الملوک سو رہا تھا اور دولت خاتون جاگ رہی تھی کہ کشتی نے خشکی کی طرف رخ کیا اور ایک بندرگاہ پر جا لگی جہاں اور بھی بہت سی کشتیاں کھڑی تھیں۔ دولت خاتون کی نظر

کشتیوں پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ ایک شخص ملاحوں سے باتیں کر رہا ہے۔ یہ باتیں کرنے والا ان کا بڑا ناخدا تھا۔ ناخدا کی باتیں سن کر دولت خاتون کو یقین ہو گیا کہ یہ خشکی کسی شہر کی بندرگاہ ہے اور یہ کہ اب وہ دونوں آبادی میں پہنچ گئے ہیں۔ وہ بہت خوش ہوئی اور سیف الملوک کو جگا کر کہا اٹھ کر ناخدا سے پوچھ کہ اس شہر اور بندرگاہ کا کیا نام ہے؟ سیف الملوک جلدی سے کھڑا ہوا اور اس سے جا کہا، بھائی اس شہر کا کیا نام ہے؟ اس بندرگاہ کو کیا کہتے ہیں اور یہاں کا بادشاہ کون ہے؟ ناخدا بولا پھٹکار ہو تجھ پر! اگر تجھے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ بندرگاہ اور شہر کیا ہیں تو یہاں آیا کیوں؟ سیف الملوک بولا میں پردیسی ہوں۔ تاجروں کی ایک کشتی میں سفر کر رہا تھا وہ ٹوٹ گئی، جو کچھ اس میں تھا سب ڈوب گیا۔ میں ایک تختے پر بیٹھ کر یہاں پہنچا۔ اس لئے میں نے تجھ سے پوچھا ہے اور پوچھنے میں کوئی عیب نہیں۔ ناخدا نے کہا یہ شہر عماریہ ہے اور اس بندرگاہ کو کمین البحرین کہتے ہیں۔ دولت خاتون نے جو یہ نام سنے تو بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی شکر ہے خدا کا! سیف الملوک نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا اے سیف الملوک خوش ہو کہ خوشی قریب ہے۔ اس شہر کا بادشاہ میرا سگا چچا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو اکترویں رات

سات سو اکترویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- دولت خاتون نے سیف الملوک سے کہا اس شہر کا بادشاہ میرا سگا چچا ہے اور اس کا نام عالی الملوک ہے۔ اس کے بعد وہ بولی ناخدا سے پوچھ کہ کیا اس شہر کا بادشاہ عالی الملوک خیریت سے ہے؟ اس نے پوچھا تو ناخدا نے غصے میں آ کر کہا، تو تو کہتا تھا کہ میں کبھی یہاں آیا نہیں، پردیسی ہوں، پھر تجھے اس شہر کے بادشاہ کا نام کیسے معلوم ہوا۔ ہاں اچھا ہے۔ یہ سن کر دولت خاتون خوش ہو گئی اور ناخدا کو پہچان لیا۔ اس کا نام معین الدین تھا اور اس کے باپ کے ناخداؤں میں سے تھا۔ جب سے دولت خاتون غائب ہوئی تھی وہ اس کی تلاش میں دنیا بھر کا چکر لگا کر ناکام واپس ہوتے ہوئے اس کے چچا کے شہر میں تھا۔ لڑکی نے سیف الملوک سے کہا ناخدا سے کہہ اے ناخدا معین الدین، تیری شنزادی تجھے بلاتی ہے آ کر اس سے بات کر۔ سیف الملوک نے جب اسی طرح اس سے خطاب کیا۔ ناخدا طیش میں آ گیا اور کہنے لگا اے کتے، تو کون ہے؟ مجھے کہاں سے جانتا ہے؟ اور اس نے ملاحوں سے کہا مجھے ایک مضبوط سا ڈنڈا تو دینا میں اس منحوس کا سر پھوڑ دوں۔ اب وہ ڈنڈا لے کر سیف الملوک کی طرف جھپٹا، مگر جب اس کی نظر کشتی پر پڑی تو اسے ایک عجیب خوبصورت سی شکل دکھائی دی۔ وہ اسے دیکھ کر حیران ہو گیا اور غور سے دیکھنے پر اسے معلوم ہوا کہ دولت خاتون ہے جو چاند کے ٹکڑے کی طرح وہاں بیٹھی ہوئی ہے۔ ناخدا نے پوچھا تیرے ساتھ کون ہے؟ اس نے جواب دیا ایک لڑکی، جس کا نام دولت خاتون ہے۔ ناخدا نے اس کا نام سنا اور معلوم ہو گیا کہ یہ اس کی آقا اور اس کے بادشاہ کی بیٹی ہے تو اسے غش آ گیا۔ ہوش آیا تو کشتی کو چھوڑ کر شہر کی طرف بھاگا اور بادشاہ کے محل پر پہنچ کر اندر جانے کی اجازت چاہی۔ حاجب نے بادشاہ سے عرض کیا کہ ناخدا معین الدین تجھے کوئی خوشخبری

دینے آیا ہے۔ بادشاہ نے اسے اندر بلا لیا۔

بادشاہ کے پاس آ کر ناخدا نے زمین چومی اور کہا اے بادشاہ! تیرے پاس خوشخبری لے کر آیا ہوں، تیرے بھائی کی بیٹی دولت خاتون بہ خیریت اس شہر میں پہنچ گئی ہے۔ وہ ایک کشتی پر ہے اور اس کے ساتھ چودھویں رات کے چاند کی طرح ایک جوان ہے۔ بھتیجی کی خبر سنتے ہی بادشاہ خوش ہو گیا، ناخدا کو ایک نفیس خلعت عطا کیا اور فوراً حکم دیا کہ اس کی بھتیجی کی سلامتی کی خوشی میں شہر آراستہ کیا جائے، پھر اسے اور سیف الملوک کو اپنے پاس بلوایا۔ انہیں سلام کیا اور سلامتی پر مبارکباد دی۔ اس کے بعد اس نے اپنے بھائی کو خبر بھیجی کہ تیری بیٹی مل گئی ہے اور اس وقت میرے پاس ہے۔ جونہی یہ خبر دولت خاتون کے باپ تاج الملوک کو ملی تو اس نے تیاری کر کے سفر شروع کر دیا اور اپنے بھائی عالی الملوک کے پاس پہنچ کر دولت خاتون سے ملا۔ سب کو بڑی خوشی ہوئی۔ ایک ہفتہ اپنے بھائی کے پاس ٹھہرنے کے بعد تاج الملوک اپنی بیٹی اور سیف الملوک کو لے کر چل دیا۔ جب دولت خاتون اپنے باپ کے ملک سرحد میں پہنچی اور اپنی ماں سے ملی تو سب اس کی سلامتی پر خوش ہوئے اور جشن منائے گئے۔ وہ دن ایسا تھا جس کی طرح کبھی کوئی نہ ہوا تھا۔ بادشاہ نے سیف الملوک کی بڑی آؤ بھگت کی اور اس سے کہا اے سیف الملوک، تو نے میرے اور میری بیٹی کے ساتھ اتنی بڑی بھلائی کی ہے کہ میں اس کا بدلہ نہیں دے سکتا۔ اگر اس کا بدلہ کوئی دے گا تو خدا۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے بجائے تو تخت پر بیٹھ اور ہند پر حکومت کر میں اپنا ملک، تخت، خزانے اور نوکر چاکر سب تجھے دیتا ہوں اور بطور ہدیئے کے دیتا ہوں۔ یہ سن کر سیف الملوک اٹھا، اس کے آگے زمین چوم کر اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا جہاں پناہ! میں تیرے سارے ہدیئے قبول کرتا ہوں اور انہیں پھر تجھے ہدیئے واپس دیتا ہوں۔ جہاں پناہ! مجھے نہ ملک کی ضرورت ہے نہ سلطنت کی، میں تو محض یہ چاہتا ہوں کہ خدا میری مراد پوری کر دے۔ بادشاہ بولا اے سیف الملوک! میری ساری دولت تیرے آگے ہے، اس میں سے جو تیرا جی چاہے لے اور مجھ سے بالکل

اجازت نہ مانگ۔ خدا میری طرف سے تجھے نیک بدلہ دے! سیف الملوک نے جواب دیا، خدا بادشاہ کی عزت بڑھائے۔ جب تک میں اپنا مقصد حاصل نہ کر لوں، نہ مجھے ملک میں مزا آئے گا نہ مال میں۔ ہاں میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ میں اس شہر اور اس کے گلی کوچوں کی سیر کروں۔ تاج الملوک نے حکم دیا کہ اس کے لئے اچھے سے اچھا گھوڑا حاضر کیا جائے اور جب ایک عمدہ گھوڑا مع زین اور لگام کے حاضر کیا گیا تو وہ اس پر سوار ہو کر بازار گیا اور شہر کے گلی کوچوں میں سیر کرنے لگا۔ وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ اس کی نظر ایک جوان پر پڑی جو ایک قبائلی لڑکے کی طرح رہا تھا کہ پندہ دینار! سیف الملوک نے غور سے دیکھا تو وہ اس کے بھائی ساعد کے مشابہ معلوم ہوا، اور حقیقت میں تھا بھی وہی لیکن غربت کی درازی اور سفر کی تکلیفوں کی وجہ سے اس کا رنگ روپ بدل گیا تھا اس نے اسے بالکل نہ پہچانا اور اپنے نوکروں سے کہا اس جوان کو یہاں لے آؤ تاکہ میں اس کا حال دریافت کروں وہ اسے لے آئے تو سیف الملوک نے کہا اسے میرے محل میں لے جا کر جب تک میں سیر سے نہ لوٹوں اپنے ساتھ رکھو۔ وہ لوگ غلطی سے یہ سمجھے کہ اس نے یہ حکم دیا ہے کہ اسے لے جا کر قید خانے میں بند کر دو۔ انکا گمان ہوا کہ شاید جوان اس کا بھاگا ہوا غلام ہے۔ لوگوں نے اسے پکڑ کر قید خانے میں بند کر دیا اور چلے آئے۔ سیف الملوک سیر سے لوٹ کر محل آیا تو نہ اسے اپنے بھائی ساعد کی یاد آئی، نہ کسی اور نے اسے یاد دلایا۔ غرض کہ ساعد قید خانے میں پڑا رہا۔ جب لوگ قیدیوں کو عمارت کے کام کے لئے لے جاتے تو ان کے ساتھ ساعد کو بھی لے جاتے۔ وہ بہت بد حال ہو گیا اور ایک مہینے تک اس کی یہی حالت رہی۔ وہ اپنے حال پر غور کرتا اور اپنے دل میں کہتا کہ نہ معلوم میں کیوں قید ہوں۔ ادھر سیف الملوک اپنی خوشی کی وجہ سے اسے بالکل بھول گیا۔ ایک دن سیف الملوک بیٹھا اپنے بھائی ساعد کو یاد کر رہا تھا کہ اس نے اپنے ساتھ والے غلاموں سے پوچھا فلاں روز جو غلام تمہارے ساتھ تھا کہاں ہے۔ انہوں نے جواب دیا تو نے کہا نہ تھا کہ اسے قید خانے پہنچا آؤ۔ سیف الملوک بولا میں نے تم سے

یہ کب کہا تھا، میں نے تو کہا تھا کہ اسے میرے محل پہنچا آؤ۔ یہ کہہ کر اس نے حاجبوں کو ساعد کے پاس بھیجا۔ وہ جا کر اسے بیڑیوں سمیت لے آئے اور اسے سیف الملوک کے آگے پیش کیا۔ سیف الملوک نے کہا اے جوان! تو کس ملک کا رہنے والا ہے؟ اس نے جواب دیا مصر کا۔ میرا نام ساعد ہے، میں وزیر فارس کا بیٹا ہوں۔ یہ سن کر سیف الملوک تخت سے کود پڑا اور دوڑ کر اس کے گلے سے لپٹ گیا۔ مارے خوشی کے چیخ چیخ کر رونے لگا اور کہا اے میرے بھائی ساعد! خدا کا شکر ہے کہ میں تجھ سے ملنے تک زندہ رہا۔ میں بادشاہ عاصم کا بیٹا تیرا بھائی سیف الملوک ہوں۔

ساعد نے اپنے بھائی کی باتیں سنیں اور اسے پہچان لیا تو پھر دونوں گلے مل کر رونے لگے۔ حاضرین کو بڑا تعجب ہوا۔ اب سیف الملوک نے حکم دیا کہ ساعد کو حمام لے جایا جائے۔ لوگ اسے حمام لے گئے۔ وہ حمام سے نکلا تو اسے نفیس کپڑے پہنا کر سیف الملوک کے دربار میں لائے۔ سیف الملوک نے اسے اپنے ساتھ تخت پر بٹھا لیا۔ تاج الملوک کو خبر لگی کہ سیف الملوک اور اس کا بھائی ساعد ایک دوسرے سے آ ملے ہیں تو اسے بے حد خوشی ہوئی۔ وہ بھی ان کے پاس آ گیا اور تینوں نے بیٹھ کر اپنی اپنی کہانیاں شروع سے لے کر آخر تک سنا ڈالیں۔ ساعد نے اپنی کہانی یوں شروع کی کہ اے میرے بھائی! اے سیف الملوک! جب کشتیاں ڈوب گئیں اور غلام غرق ہو گئے اور میں اور چند غلام پورے مہینے بھر تک سمندر پر تیرتے رہے پھر خدا کی قدرت سے ہواؤں نے ہمیں ایک جزیرے پر لا پھینکا۔ ہم بھوکے تو تھے ہی درختوں کے پھل کھائے اور کھانے میں اتنے مشغول ہو گئے کہ ہمیں اپنی خبر بھی نہ رہی۔ دیو جیسے لوگ آ پڑے اور اچھل اچھل کر ہمارے کندھوں پر سوار ہو گئے اور ہم سے کہنے لگے کہ ہمیں لے کر چلو۔ اب تم ہمارے گدھے ہو۔ جو شخص میرے اوپر سوار تھا اس سے میں نے پوچھا تو کیا بلا ہے اور میرے اوپر کیوں سوار ہوا؟ یہ سن کر اس نے اپنی ٹانگ اس زور سے میرے گلے میں لپیٹی کہ میں مرنے کے قریب ہو گیا اور دوسری ٹانگ اس زور سے میری پیٹھ پر ماری کہ مجھے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ٹوٹ گئی۔ میں منہ کے بل زمین پر

گر پڑا۔ بھوک اور پیاس کی وجہ سے بے حال تھا۔ میں گر پڑا تو وہ سمجھا کہ میں بھوکا ہوں، وہ میرا ہاتھ پکڑ کر ایک امرود کے درخت کے پاس لے گیا جس میں امرود لدے ہوئے تھے اور کہا پیٹ بھر کر کھا۔ میں نے پیٹ بھر کر امرود کھائے اور بے خیالی میں اٹھ کر چلنے لگا لیکن ابھی چند ہی قدم چلا ہوں گا کہ وہ شخص پلٹا اور میرے کندھوں پر سوار ہو گیا۔ میں کبھی آہستہ آہستہ چلتا، کبھی تیز تیز دوڑتا اور وہ میرے اوپر بیٹھا بیٹھا ہنستا اور کہتا کہ میں نے عمر بھر تجھ سا گدھا نہیں دیکھا۔

اتفاق سے ہم نے ایک روز انگور کے خوشے جمع کئے اور انہیں پاؤں سے کچل کر ایک گڑھے میں بھر دیا۔ وہ گڑھا ایک حوض کی طرح ہو گیا۔ تھوڑے دنوں بعد جب ہم پھر وہاں گئے تو دیکھا کہ دھوپ کھا کر وہ شراب ہو گئی ہے۔ ہم اسے پیتے اور نشے میں آ کر خوب مزے لیتے۔ ہمارے چہرے سرخ ہو جاتے اور ہم مست ہو کر ناپنے لگتے۔ انہوں نے پوچھا کہ تمہارے چہرے کس وجہ سے سرخ ہو جاتے ہیں اور تم ناپنے اور گانے لگتے ہو؟ ہم نے کہا اس کا سبب پوچھ کر کیا کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تو سہی ہمیں بھی تو معلوم ہو کہ کیا بات ہے۔ ہم نے کہا انگور کا عرق، یہ سن کر وہ ہمیں ایک گھاٹی میں لے گئے جس کی لمبائی چوڑائی کا پتا نہ چلتا تھا۔ وہاں اس زیادتی سے انگوروں کے خوشے تھے کہ یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ کہاں سے شروع ہوتے اور کہاں ختم ہوتے ہیں۔ اور ایک ایک خوشے کا وزن دس دس سیر ہو گا۔ وہ بہت گنجان تھے۔ انہوں نے ہم سے کہا انہیں توڑ کر جمع کرو۔ ہم نے بہت سے خوشے توڑ کر جمع کئے۔ وہاں ایک بڑا گڑھا بھی تھا۔ ایک بڑے حوض سے بھی بڑا۔ ہم نے ان انگوروں کو بھر کر خوب پاؤں سے کچلا اور وہی کیا جو پہلی بار کیا تھا۔ جب وہ شراب بن گئی تو ہم نے کہا اب یہ ٹھیک ہے لیکن اسے پیو گے کس چیز میں؟ انہوں نے جواب دیا، ہمارے پاس تمہاری طرح کے گدھے تھے جن کا گوشت ہم کھا چکے ہیں اور کھوپڑیاں باقی ہیں ان میں بھر کر ہمیں پلاؤ۔ ہم نے انہیں شراب پلائی یہاں تک کہ وہ نشے میں آ کر سو گئے۔ ان کی تعداد دو سو کے قریب ہو گئی۔ وہ سو گئے تو ہم آپس میں

کہنے لگے کہ یہی بس نہیں کہ وہ ہم پر سوار ہوتے ہیں بلکہ وہ ہمیں کھا بھی جائیں گے۔ ”لا حول ولا قوہ الا باللہ العلیٰ العظیم!“ ہمیں چاہیے کہ انہیں خوب بدمست کر کے قتل کر ڈالیں اور ان سے چھٹکارا پائیں۔ اب ہم نے انہیں جگایا اور کھوپڑیوں میں بھر کر شراب پلانی شروع کی۔ وہ بولے کہ یہ کڑوی ہے۔ ہم نے جواب دیا تم اسے کڑوی کیوں کہتے ہو۔ جو کوئی ایسا کہے اس نے دس بار نہ پی تو اسی دن مر جائے گا۔ موت کے ڈر کے مارے وہ کہنے لگے۔ اچھا ہمیں دس بار پلا دو۔ جب وہ پورے دس بار پی چکے تو انہیں اتنا نشہ ہوا کہ ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ ہم نے انہیں ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور ایک جگہ اکٹھا کر کے ان کے ارد گرد اور اوپر انگوروں کی لکڑیوں کا ڈھیر لگایا اور ان میں آگ لگا کر دور سے دیکھنے لگے کہ ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو بہتر دیں رات

سات سو بہتر دیں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- ساعد نے کہا کہ ہم دور جا کر دیکھنے لگے کہ ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔ جب وہ جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گئے تو ہم لوٹ کر آئے۔ خدا کا شکر کیا کہ اس نے ہمیں ان کے ہاتھ سے نجات دی۔ اب ہم جزیرے سے سمندر کے کنارے کی طرف چلے اور ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ میں دو غلاموں کے ساتھ ایک بڑے جنگل میں پہنچا جہاں بہت سے درخت تھے اور پھل کھانے لگے۔ ابھی کھا ہی رہے تھے کہ ہمیں ایک لمبا تڑنگا شخص دکھائی دیا جس کی داڑھی لمبی اور کان بڑے بڑے اور آنکھیں مشعل کی طرح تھیں۔ اس کے قریب بہت سی بھیڑیں تھیں جنہیں وہ چرا رہا تھا اور اس کے ساتھ اسی کی طرح کے اور لوگ بھی تھے ہمیں دیکھ کر وہ خوش ہو گیا ہمارا استقبال کیا اور چلا کر کہا کہ مرحبا اہلاً و سہلاً میرے ساتھ چلو میں تمہارے لئے ان بھیڑوں میں سے ایک بھیڑ ذبح کروں اور اسے بھون کر تمہیں کھلاؤں۔ ہم نے پوچھا تیرا گھر کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا اس پہاڑ کے پاس۔ تم اس طرف جاؤ۔ وہاں تمہیں ایک غار دکھائی دے گا اس کے اندر چلے جانا۔ وہاں تمہاری طرح اور بہت سے مہمان ہیں، ان کے ساتھ جا کر بیٹھو۔ میں ابھی دعوت کا سامان تیار کر کے لاتا ہوں۔ ہم سمجھے کہ وہ سچ کہتا ہے اور اسی سمت روانہ ہو کر غار کے اندر داخل ہو گئے دیکھا کہ وہاں سارے مہمان اندھے ہیں جونہی ہم اندر پہنچے ایک کہنے لگا میں بیمار ہوں۔ دوسرا بولا میں کمزور ہوں۔ ہم نے پوچھا کیسی باتیں کر رہے ہو، تمہاری کمزوری اور بیماری کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے ہم سے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ ہم نے کہا مہمان۔ وہ بولے تمہیں کس نے لا کر اس ملعون کے ہاتھ میں گرفتار کرایا۔ ”لا حول ولا قوہ الا باللہ العلیٰ العظیم۔“ یہ بھوت ہے جو انسانوں کو کھا جاتا ہے۔ اسی نے ہمیں اندھا کیا ہے تاکہ ہمیں کھا جائے۔ ہم نے پوچھا تمہیں

اس بھوت نے کس طرح اندھا کیا۔ انہوں نے جواب دیا، وہ تمہیں بھی ہماری طرح اندھا کر دیگا۔ ہم نے پوچھا کہ آخر کیونکر؟ انہوں نے جواب دیا وہ تمہارے پاسدودھ کے پیالے لائے گا اور کہے گا کہ تم سفر کی وجہ سے تھکے ماندے ہو، لو یہ دودھ پی لو۔ دودھ پیتے ہی تم بھی ہماری طرح ہو جاؤ گے۔ میں نے اپنے دل میں کہا بغیر کسی تدبیر کے ہمارا چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔ اور زمین میں ایک گڑھا کھود کر میں اس پر بیٹھ گیا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد ملعون بھوت دودھ کے پیالے لے کر آ پہنچا۔ ایک پیالہ مجھے اور ایک ایک میرے ساتھیوں کو دے کر کہا جنگل سے پیاسے آئے ہو، جب تک میں گوشت بھون کر تمہارے لئے لاؤں یہ دودھ پیو۔ میں نے پیالہ لے لیا اور منہ کے پاس لا کر اسے گڑھے میں انڈیل دیا اور چلانے لگا آہ! میری آنکھیں جاتی رہیں، میں اندھا ہو گیا اور آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر رونے پٹنے لگا۔ وہ ہنسا اور بولا ڈر نہیں، لیکن میرے دونوں ساتھی دودھ پی گئے اور اندھے ہو گئے۔ اب وہ ملعون فوراً اٹھا غار کا دروازہ بند کر کے میرے پاس آیا اور میری پسلیاں ٹٹولنے لگا۔ جب اس نے دیکھا کہ میں دبلا ہوں اور میرے جسم پر گوشت کا نام نہیں تو اس نے دوسرے کو ٹٹولا اور اسے موٹا تانہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس کے بعد اس نے تین بھیڑیں ذبح کیں ان کی کھال کھینچی اور لوہے کی سنجیس لا کر ان پر گوشت لگایا اور آگ پر بھون کر میرے دونوں ساتھیوں کے پاس لایا۔ انہوں نے بھی کھایا اور ان کے ساتھ اس نے بھی۔ پھر وہ جا کر ایک شراب بھری مشک لے آیا۔ پی کر اندھا لیٹ گیا اور خراٹے لینے لگا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب وہ سو تو گیا ہے لیکن اسے قتل کیسے کروں؟ فوراً مجھے سینوں کا خیال آیا۔ میں نے ان میں سے دو سیخیں لے کر آگ میں رکھیں اور جب وہ انگارے کی طرح لال ہو گئیں تو میں نے اٹھ کر اپنی کمر کسی۔ دونوں سیخیں اپنے ہاتھ میں لے لیں اور اس ملعون کے پاس جا کر اس کی آنکھوں میں بھونک دیں اور زور سے دبایا۔ اسے بھی جان عزیز تھی۔ باوجود اندھے ہونے کے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور چاہتا تھا کہ مجھے پکڑ

لے مگر میں نے غار کے اندر بھاگنا شروع کیا۔ اس نے میرا پیچھا کیا۔ میں نے اندھوں سے جو وہاں تھے، پوچھا کہ اس کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ ان میں سے ایک نے کہا اے ساعد! اچک کر اس محراب کے اوپر چڑھ جا۔ وہاں تجھے ایک چمک دار تلوار ملے گی۔ اسے میرے پاس لے آ، پھر میں بتاؤں گا کہ اب تجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں نے اچک کر محراب سے تلوار اتار لی۔ اور اس شخص کے پاس گیا۔ اس نے کہا تلوار سے اس کی کمر پر وار کر، وہ فوراً مر جائے گا۔ وہ دوڑتے دوڑتے تھک گیا۔ میں اس کی طرف دوڑا، وہ اندھوں کے پاس گیا کہ انہیں قتل کر دے لیکن میں نے بڑھ کر اس کی کمر پر تلوار ماری اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس نے چلا کر کہا اے شخص، اگر تو مجھے قتل ہی کرنا چاہتا ہے تو ایک ہاتھ اور مار، میں دوسرا وار کرنے ہی والا تھا کہ جس نے مجھے تلوار کا پتا بتایا تھا کہا خبردار دوسرا وار ہرگز نہ کیجیو، پھر وہ نہیں مرے گا بلکہ زندہ ہو کر ہم سب کو مار ڈالے گا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو تہترویں رات

سات سو تہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- ساعد نے کہا جس شخص نے مجھے تلوار کا پتا دیا تھا کہا کہ دوسرا وار ہرگز نہ کیجیو، وہ زندہ ہو جائے گا اور ہم سب کو مار ڈالے گا۔ میں نے اس کا کہنا مان لیا، دوسرا وار نہ کیا وہ ملعون مر گیا۔ اب پھر وہی شخص بولا کہ غار کا دروازہ کھول کر ہمیں نکال دے، ممکن ہے کہ خدا ہماری مدد کرے اور ہمیں یہاں سے چھٹکارا ملے۔ میں نے جواب دیا کہ اب ہمیں کوئی ڈر نہیں رہا، آؤ تھوڑا آرام کریں ان بھیڑوں کو ذبح کر کے کھائیں اور شراب پیئیں۔ جنگل بہت بڑا ہے، چنانچہ دو مہینے تک ہم وہیں ٹھہرے۔ بھیڑوں اور پھلوں پر گزارہ کرتے رہے۔

ایک دن ایسا اتفاق پیش آیا کہ ہم سمندر کے کنارے بیٹھے تھے۔ ہمیں دور سے ایک بڑی کشتی دکھائی دی ہم نے کشتی والوں کی طرف اشارہ کیا، انہیں آواز دی۔ وہ ہمیں بھوت سمجھ کر ڈرے۔ وہ جانتے تھے کہ اس جنگل میں ایک بھوت رہتا ہے جو آدمیوں کو کھا جاتا ہے اور بھاگنے لگے، لیکن ہم نے اپنے عماموں کے پلے ہوا میں اڑائے اور زیادہ قریب جا کر آوازیں دیں۔ ان میں سے ایک شخص جو تیز نظر تھا، کہنے لگا اے کشتی والو! یہ تو مجھے ہم جیسے آدمی معلوم ہوتے ہیں، بھوت نہیں ہیں۔ یہ سن کر وہ آہستہ آہستہ ہماری طرف بڑھے اور ہمارے قریب آ گئے۔ پھر جب انہیں یقین آ گیا کہ ہم آدمی ہیں تو انہوں نے ہمیں سلام کیا۔ ہم نے ان کے سلام کا جواب دیا اور انہیں خوشخبری سنائی کہ ہم نے بھوت کو مار ڈالا ہے۔ انہوں نے ہمارا شکریہ ادا کیا اور ہم جزیرے سے کچھ پھل کھانے کے لئے لے کر کشتی میں سوار ہو گئے۔ تین دن تک موافق ہوا کے ساتھ چلتے رہے۔ اس کے بعد ہوا تیز ہوئی، اندھیرا چھا گیا اور آندھی نے کشتی کو لے جا کر ایک پہاڑ سے ٹکرا دیا، کشتی ٹوٹ گئی اور اس کے تختے تتر بتر ہو گئے۔

خدا کی قدرت کہ ایک تخت میرے ہاتھ آگیا اور میں اس پر بیٹھ کر دو دن تک تیرتا رہا۔ ہا موافق تھی، میں عرصے تک تختے کو پاؤں سے کھیتا رہا یہاں تک کہ خدا نے مجھے صحیح و سلامت خشکی پر پہنچا دیا۔ اس شہر کی صورت دکھائی دی۔ اندر داخل ہوا تو پردیسی اور اکیلا تھا۔ عقل کام نہیں کرتی تھی کہ کیا کروں۔ مارے بھوک کے بے تاب تھا اور سخت تھکا ماندہ۔ میں نے یہ قبا اتاری۔ چھپ کر شہر کے بازار میں گیا اور اپنے دل میں کہا کہ اسے بچ کر گزارہ کروں گا۔ اس وقت تک کہ اللہ کوئی نہ کوئی صورت نکال دے۔ اے میرے بھائی! میں نے قبا ہاتھ میں لے لی۔ لوگ اسے دیکھتے اور بڑھ کر بولی بولتے۔ اتنے میں تو آیا او تو نے مجھے دیکھ کر حکم دیا کہ غلام مجھے محل میں لے جائیں مگر انہوں نے مجھے لے جا کر قید خانے میں بند کر دیا۔ اب تو نے مجھے یاد کیا اور اپنے پاس بلایا، خدا کا شکر ہے کہ ہم پھر مل گئے۔ وزیر ساعد کی یہ داستان سن کر سیف الملوک اور دولت خاتون کا باپ تاج الملوک اچنبھے میں پڑ گئے۔ تاج الملوک نے سیف الملوک اور اس کے بھائی ساعد کو ایک خوبصورت محل رہنے کے لئے دیا۔ جب دولت خاتون سیف الملوک کے پاس آتی اس کا شکریہ ادا کرتی۔ اس کے احسان کا ذکر کرتی تو وزیر ساعد اس سے کہتا اے شنزادی! تجھ سے ہماری ایک درخواست ہے کہ اس کی مراد پوری کرا دے۔ وہ جواب دیتی ہاں میں کوشش کروں گی اور اگر خدا کو منظور ہوا تو اس کی آبرو بر آئے گی۔ یہ کہہ کر وہ سیف الملوک کی طرف مخاطب ہوتی اور کہتی کہ دل کو خوش رکھ اور آئندہ آنکھیں ٹھنڈی۔

یہ تو سیف الملوک اور اس کے وزیر ساعد کا قصہ ہوا۔ اب شنزادی بدیع الجہال کا حال سنو، جب اسے یہ خبر ملی کہ اس کی بہن اپنے باپ کے پاس اپنے وطن لوٹ کر آ گئی ہے تو اس نے کہا میرے لئے ضروری ہے کہ میں پوشاکوں اور گہنوں سے خوب آراستہ ہو کر اس کی ملاقات کو جاؤں اور اسے سلام کروں لہذا وہ روانہ ہو گئی۔ دولت خاتون کے پاس پہنچی تو وہ اس کے استقبال کے لئے آئی۔ سلام کر کے اسے گلے لگایا، اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ شنزادی بدیع الجہال نے بھی اس کی سلامتی پر اسے مبارکباد

دی اور بیٹھ کر دونوں باتیں کرنے لگیں۔ بدیع الجمال نے دولت خاتون سے پوچھا کہ پردیس میں تیرے اوپر کیا گزری؟ دولت خاتون بولی، بہن نہ پوچھ کہ مجھ پر کیا گزری، ہائے مخلوق کو کن کن مصیبتوں کا سامنا ہوتا ہے! بدیع الجمال نے پوچھا، وہ کیا؟ اس نے کہا بہن، میں قصر مشید میں تھی، بادشاہ ارزق کے بیٹے نے مجھے وہاں لے جا کر رکھا تھا اور اس نے باقی کہانی آخر تک سنا دی۔ منجملہ اس کے سیف الملوک کا قصہ بھی اور یہ کہ محل میں اس کے ساتھ کیا گزری۔ قصر مشید تک پہنچنے سے پہلے اسے کن کن مصیبتوں اور خطروں کا سامنا ہوا اور کس طرح بادشاہ ارزق کے بیٹے کو قتل کیا۔ دروازے نکال کر ان کی ایک ناؤ بنائی اور چپو تیار کر کے یہاں پہنچا۔ بدیع الجمال کو بڑا تعجب ہوا۔ وہ کہنے لگی بہن! بڑا عجیب و غریب قصہ ہے دولت خاتون نے کہا میں چاہتی ہوں کہ تجھ سے اصل واقعہ بیان کر دوں لیکن شرم روکتی ہے۔ بدیع الجمال نے کہا شرم کی کیا بات ہے، تو تو میری بہن اور دوست ہے۔ ہمارے درمیان بہت سی باتیں ہیں اور میں جانتی ہوں کہ تو میرے لئے بھلائی ہی بھلائی چاہتی ہے، پھر شرم کیسی؟ جو تو کہنا چاہتی ہے، کہہ ڈال۔ شرما نہیں اور مجھ سے کوئی بات نہ چھپا۔ دولت خاتون نے کہا کہ اس نے تیری تصویر اس قبا میں دیکھی تھی جو تیرے باپ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھیجی تھی۔ آپ نے بغیر کھولے اور بے دیکھے کہ اس کے اندر کیا ہے اسے مصر کے بادشاہ عاصم بن صفوان کے پاس منجملہ اور ہدیوں اور تحفوں کے بھیج دیا۔ بادشاہ عاصم نے بھی اسی طرح لپٹی لپٹائی وہ قبا اپنے بیٹے سیف الملوک کو دے دی۔ جب سیف الملوک نے اسے کھول کر پہننا چاہا تو اس پر تیری تصویر دیکھ کر عاشق ہو گیا۔ تیری تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور تیری وجہ سے یہ ساری مصیبتیں جھیلیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو چوتھریں رات

سات سو چوتھریں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- دولت خاتون نے بدیع الجمال سے کہا، اس نے بڑی بڑی مصیبتیں تیری خاطر جھیلیں۔ بدیع الجمال کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ دولت خاتون کے آگے شرما کر کہنے لگی۔ یہ بات تو ممکن نہیں۔ انسانوں اور جنات میں بھی کبھی نبھی ہے؟ دولت خاتون برابر سیف الملوک کی صورت، سیرت اور شہ سواری کی تعریف کرتی، اس کی خوبیاں بیان کرتی اور کہتی کہ بہن خدا کے لئے اس سے بات کر لے خواہ ایک جملہ کیوں نہ ہو۔ بدیع الجمال انکار کئے جاتی کہ تیری یہ بات نہ سنوں گی، نہ مانوں گی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اس نے کچھ نہیں سنا۔ سیف الملوک کی صورت، سیرت اور بہادری کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر دولت خاتون اس کی خوشامدیں کر کے اور اس کے پاؤں چوم کر کہنے لگی۔ اے بدیع الجمال! تجھے قسم ہے اس دودھ کی جو ہم دونوں نے پیا ہے اور قسم ہے اس نقش کی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی پر ہے۔ میری یہ بات مان لے۔ میں نے قصر مشید میں اس سے وعدہ کیا ہے کہ میں تیری صورت دکھا دوں گی۔ تجھے خدا کی قسم میری خاطر سے اسے اپنی صورت دکھا دے اور خود اس کی بھی صورت دیکھ لے۔ وہ یہ کہتی روتی، خوشامدیں کرتی اور اس کے ہاتھ پاؤں چومتی جاتی یہاں تک کہ وہ مان گئی اور کہنے لگی۔ اچھا تیری خاطر میں اسے ایک بار اپنی صورت دکھا دوں گی۔

دولت خاتون خوش ہو گئی۔ اس کے ہاتھ پاؤں چوم کر اس بڑے محل میں پہنچی جو باغ میں تھا اور کنیزوں کو حکم دیا کہ اس میں فرش بچھا کر سونے کا تخت لگائیں اور شراب کے برتن چنیں۔ پھر وہ سیف الملوک اور اس کے وزیر ساعد کے پاس گئی۔ دیکھا وہ دونوں بیٹھے ہیں۔ اس نے سیف الملوک کو خوش خبری سنائی کہ تیرا مقصد حاصل ہو گیا اور تیری مراد بر آئی۔ اب تم دونوں محل میں جا کر چھپ جاؤ اس طرح کہ تمہیں

کوئی دیکھ نہ سکے اور وہاں میرے اور بدیع الجمال کے آنے کا انتظار کروں۔ سیف الملوک اور ساعد اس جگہ چلے گئے جو دولت خاتون نے بتائی تھی۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ سونے کا تخت بچھا ہوا ہے۔ اس پر تکیے لگے ہوئے ہیں۔ طرح طرح کے کھانے اور شرابیں چنی ہوئی ہیں۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد سیف الملوک کو اپنی معشوقہ کی یاد آگئی۔ اس کا دل گھبرانے لگا۔ محبت نے زور پکڑا۔ وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا اور ٹہلتے ٹہلتے محل کے دروازے سے باہر آگیا۔ ساعد بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ سیف الملوک نے کہا بھائی، تو اپنی جگہ بیٹھا رہ، میرے پیچھے نہ آ میں ابھی آتا ہوں۔ ساعد واپس جا کر بیٹھ گیا اور سیف الملوک وہاں سے نکل کر باغ میں پہنچا وہ محبت کی شراب کے نشے میں چور تھا۔ آنسو جاری اور پریشان ادھر ادھر پھرنے لگا۔ اسکے آنے میں دیر ہوئی تو ساعد اسے باغ میں ڈھونڈنے نکلا۔ ڈیکھا کہ وہ اکیلا دیوانوں کی طرح پھر رہا ہے۔ ساعد نے اسے باتوں میں لگایا۔ غم غلط کیا اور وہ دونوں باغ کی سیر کرنے اور پھل کھانے لگے۔

ادھر تو ساعد اور سیف الملوک باغ میں مٹر گشت لگا رہے تھے ادھر جب نوکر محل کو آراستہ کر چکے دولت خاتون کے حکم کی تعمیل ہو چکی اور بدیع الجمال کے بیٹھنے کے لئے سونے کا تخت بچھا دیا گیا تو دونوں شنزادیاں محل میں داخل ہوئیں۔ بدیع الجمال تخت پر بیٹھ گئی۔ تخت ایک محراب کے پاس تھا۔ جہاں سے باغ دکھائی دیتا تھا۔ غلام طرح طرح کے نفیس کھانے لائے۔ دونوں نے کھائے اس طرح کہ دولت خاتون خود بھی کھاتی اور بدیع الجمال کو نوالے بنا بنا کر دیتی۔ کھانوں سے پیٹ بھر گیا تو دولت خاتون نے مٹھائیاں منگوائیں۔ مٹھائیاں کھائیں اور ہاتھ دھوئے۔ اس کے بعد شراب اور شراب نوشی کا سامان لایا گیا۔ صراحیوں اور جام چنے گئے۔ دولت خاتون ایک جام بھر کر بدیع الجمال کو پلاتی اور دوسرا خود پیتی۔ اب بدیع الجمال محراب میں سے باغ کو دیکھنے لگی۔ کیسے کیسے پھل اور کس کس رنگ کے پھول ہیں۔ یک بہ یک اس کی نظر سیف الملوک پر جا پڑی جو باغ میں ٹہل رہا تھا۔ دیکھا کہ سیف الملوک اشعار پڑھ رہا ہے اور اس

کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ ایک ہی نگاہ اس پر پڑی تھی کہ ہزاروں تمنائیں امنڈ آئیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

URDU4U.COM

○ ○ ○

• سات سو پچھترویں رات

سات سو پچھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب بدیع الجہال کے دل میں ہزاروں تمنائیں امنڈ آئیں کیونکہ شراب اپنا کام کر چکی تھی تو اس نے دولت خاتون سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ بہن! باغ میں یہ کون جوان ہے جو پریشان اور محبت کا مارا معلوم ہوتا ہے؟ دولت خاتون نے کہا اگر اجازت دے تو میں یہاں بلوا کر اسے دیکھوں۔ اس نے جواب دیا کہ اگر تو بلا سکتی ہے تو بلا۔ دولت خاتون نے پکار کر کہا اے شہزادے! ہمارے پاس آ اور اپنا حسن و جمال ہمیں دکھا۔ سیف الملوک نے دولت خاتون کی آواز پہچان لی اور محل کی طرف روانہ ہو گیا جونہی اس کی نظر بدیع الجہال پر پڑی۔ غش کھا کر گر پڑا۔ دولت خاتون نے اس پر گلاب چھڑکا جب اسے ہوش آیا تو اس نے بدیع الجہال کے آگے زمین چومی اور اس کا حسن و جمال دیکھ کر بدیع الجہال کے ہوش اڑ گئے۔ دولت خاتون سے کہا اے شہزادی! یہی سیف الملوک ہے جس نے خدا کے حکم سے مجھ چھڑایا ہے اور جس پر تیری وجہ سے بڑی بڑی مصیبتیں آئی ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ تو ایک نظر اسے دیکھ لے۔ بدیع الجہال نے ہنس کر کہا خاکی سب بے وفا ہوتے ہیں۔ یہ جوان کیا وفا کرے گا! انسانوں میں محبت کا مادہ ہی نہیں ہوتا۔ سیف الملوک بولا، اے شہزادی! میں بے وفائی ہرگز نہیں کر سکتا۔ سب لوگ یکساں نہیں ہوتے۔ یہ کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگا۔ بدیع الجہال نے کہا اے شہزادے! میں ڈرتی ہوں کہ اگر میں تیری طرف بالکل متوجہ ہو گئی اور پھر دیکھا کہ نہ تجھ میں الفت ہے نہ محبت تو کیا ہو گا؟ انسانوں میں بھلائی کم ہوتی ہے اور بے وفائی بہت۔ تجھے معلوم نہیں کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے بلقیس پر عاشق ہو کر اس سے شادی کی، مگر جب ان کی نظر دوسری پر پڑی جو اس سے زیادہ حسین تھی تو بلقیس کو چھوڑ کر ان کے ہو گئے۔ سیف الملوک بولا، اے میری آنکھ اور میری

روح! خدا نے ہر انسان کو یکساں نہیں پیدا کیا ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو میں عہد کا پکا رہوں گا اور تیرے قدموں کے نیچے جان دے دوں گا۔ تجھے عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ میں بات کا کتنا پکا ہوں اور خدا میری بات کو پورا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ بدیع الجہال نے کہا، بیٹھ اور میرے آگے اپنے دین کی قسم کھا اور ہم دونوں عہد و پیمان کریں کہ ہم میں سے کوئی بھی دوسرے کے ساتھ بے وفائی نہ کرے گا اور جو بھی بے وفائی کرے، خدا اسے سزا دے۔ یہ سن کر سیف الملوک بیٹھ گیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر قسم کھائی کہ اپنے ساتھی کے بعد دونوں میں سے کوئی بھی دوسرا ساتھی نہ چنے گا نہ انسانوں میں سے اور نہ جنوں میں سے۔ اس کے بعد دونوں دیر تک ایک دوسرے کے گلے لپٹے اور خوشی کے آنسو بہاتے رہے۔ جب دونوں قسمیں کھا چکے اور دونوں کے دل رونے دھونے سے ہلکے ہو گئے تو سیف الملوک اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ بدیع الجہال بھی ٹہلنے لگی اس کے ساتھ ایک کنیر تھی جس کے پاس کھانا اور شراب تھی ٹہلنے کے بعد بدیع الجہال آ کر بیٹھی تو کنیر نے اس کے آگے کھانا اور شراب رکھ دی۔ تھوڑی دیر کے بعد سیف الملوک پہنچا، سلام کر کے اسے گلے لگایا اور دونوں کھانے پینے لگے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو چھتر ویں رات

سات سو چھتر ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- دونوں بیٹھ کر کھانے پینے لگے۔ بدیع الجہال نے کہا، اے شہزادے! جب تو باغ ارم پہنچے گا تو تجھے وہاں ایک بہت بڑا خیمہ لگا ہوا دکھائی دے گا، جو لال اطلس کا ہو گا اور جس کا استر ہرے ریشم کا، دل مضبوط کر کے اس کے اندر جائیو۔ وہاں تجھے ایک بوڑھی عورت لال سونے کے تخت پر بیٹھی ہوئی دکھائی دے گی۔ تخت میں موتی اور ہیرے جڑے ہوں گے۔ اس کے پاس جا کر ادب اور شان سے سلام کیجیو اور تخت کی طرف نظر دوڑائیو۔ اس کے نیچے تجھے جوتیاں دکھائی دیں گی۔ سونے کے تاروں سے بنی ہوئی اور جوہرات سے مرصع ان جوتیوں کو چومیو، سر پر رکھو پھر دہنی بغل میں دبا کر چپ چاپ سر جھکا کر بڑھیا کے سامنے کھڑا ہو جائیو۔ اگر وہ تجھ سے پوچھے کہ تو کہاں سے آیا ہے، یہاں تک تیری رسائی کیونکر ہوئی، اس جگہ کا پتا تجھے کس نے دیا، میری جوتیاں تو نے کیوں اٹھائیں تو کچھ نہ بولیو۔ اس وقت تک کہ یہ میری کنیز آ کر اس سے باتیں کرے۔ اسے تجھ پر مہربان اور راضی کرے۔ کیا عجب کہ خدا اس کا دل تیری طرف پھیر دے اور تیری مراد پوری کر دے۔

یہ کہہ کر اس نے ایک کنیز کو آواز دی جس کا نام مرجانہ تھا اور کہنے لگی۔ تجھے اس محبت کی قسم جو مجھے تیرے ساتھ ہے یہ کام آج ہی کر دے، دیر نہ لگا۔ اگر تو نے اسے آج ہی پورا کر دیا تو میں تجھے خدا کی خاطر آزاد کر دوں گی۔ تجھے انعام دوں گی۔ تجھ سے بڑھ کر کوئی دوسرا مجھے عزیز نہ ہو گا اور تو میری رازدار کنیز ہو گی۔ کنیز نے کہا اے میری آقا! میری آنکھوں کی روشنی کہہ تو سہی کہ تیرا کیا کام ہے، میں اسے بسر و چشم پورا کروں گی۔

بدیع الجہال نے کنیز سے کہا اس انسان کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر میری دادی کے پاس

باغ ارم لے جا اور حفاظت کے ساتھ اس کے خیمے میں پہنچا دے۔ جب تم دونوں خیمے میں داخل ہو اور تو دیکھے کہ اس نے میری دادی کی جوتیاں اٹھالی ہیں، اس کی خدمت میں کھڑا ہے اور وہ پوچھ رہی ہے کہ تو کہاں کا رہنے والا ہے، کدھر سے یہاں آ پہنچا، تجھے کون لے کر آیا ہے، تو نے کس لئے یہ جوتیاں اٹھالی ہیں اور بتا تیری خواہش کیا ہے، میں اسے پورا کروں تو فوراً اندر جا کر اسے سلام کیجیو اور کہیو اے میری آقا! اسے میں یہاں لائی ہوں۔ یہ مصر کے بادشاہ کا بیٹا اور وہی شخص ہے جس نے قصر مشید میں جا کر بادشاہ ارنق کے بیٹے کو قتل کیا اور دولت خاتون کو چھڑا کر صحیح و سالم اس کے باپ کے پاس پہنچا دیا۔ انہوں نے اس کو میرے ساتھ بھیجا ہے اور میں اسے اس لئے لے کر آئی ہوں کہ وہ تجھے دولت خان کے صحیح و سالم پہنچنے کی خوشخبری سنائے اور تو اس کی آؤ بھگت کرے۔

اس کے بعد تو اس سے کہیو کہ کیا یہ جوان حسین نہیں؟ وہ جواب دے گی ہاں ہے۔ اس وقت تو اس سے کہیو یہ بڑی عزت آبرو والا، بہادر، شجاع، مصر کا مالک اور بادشاہ ہے۔ اس میں ساری اچھی خصلتیں پائی جاتی ہیں پھر اگر وہ تجھ سے پوچھے کہ وہ کس ضرورت سے آیا ہے تو کہیو میری آقا نے سلام کے بعد تجھے یہ کہلا بھیجا ہے کہ میں کب تک بے نکاح کے کنواری بیٹھی رہوں گی؟ مدت گزرتی چلی جاتی ہے، آخر تم میری شادی کیوں نہیں کرنا چاہتیں اور اپنے اور میری ماں کے جیتے جی دوسری لڑکیوں کی طرح کیوں مجھے بیاہ نہیں دیتیں؟ اگر وہ کہے کہ کس طرح اس کا نکاح کرنا چاہیے؟ اگر کسی سے اس کی آنکھ لڑ گئی ہے یا اس کا دل کسی سے مل گیا ہے تو وہ ہمیں بتائے ہم جہاں تک ہو سکے گا اس کی خواہش کے مطابق اس کا ارمان پورا کر دیں گے۔ اس کے جواب میں کہیو! اے میری آقا! تیری بیٹی نے کہلا بھیجا ہے کہ تم لوگ میرا نکاح حضرت سلیمان سے کرانا چاہتے تھے اور قبا پر میری تصویر بنا کر تم نے ان کے پاس بھیجی تھی لیکن میں اس کی قسمت میں نہ تھی۔ اس نے وہ قبا مصر کے بادشاہ

کے پاس بھیج دی۔ اس نے اسے اپنے بیٹے کے حوالے کیا۔ وہ قبا پر میری تصویر دیکھتے ہی مجھ پر عاشق ہو گیا۔ ماں باپ کو چھوڑ کر دنیا تک ترک کر دی۔ حیران و پریشان گھر سے نکل کھڑا ہوا اور میری خاطر بڑی بڑی مصیبتیں اور تکلیفیں جھیلیں۔

کنیز نے سیف الملوک کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر کہا اپنی آنکھیں میچ لے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور وہ اسے لے کر اڑ گئی۔ تھوڑی دیر بعد کہا، آنکھیں کھول۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اسے ایک باغ نظر آیا۔ یہی باغ ارم تھا۔ کنیز مرجانہ بولی۔ اے سیف الملوک ! اس خیمے کے اندر جا، سیف الملوک خدا کا ناطے کر اندر گیا۔ ادھر ادھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ ایک بڑھیا تخت پر بیٹھی ہوئی ہے اور کنیزیں اس کی خدمت میں کھڑی ہیں۔ وہ ادب سے اس کے قریب پہنچا۔ جوتیاں اٹھا کر چوہیں اور جو کچھ بدیع الجمال نے کہا تھا، کیا۔ بڑھیا بولی تو کون ہے، کہاں سے آیا ہے، کس ملک کا رہنے والا ہے، یہاں تجھے کون لایا، تو نے یہ جوتیاں اٹھا کر کیوں چوہیں اور کب تو نے مجھ سے کوئی حاجت کسی ہے اور میں نے اسے پورا نہیں کیا؟ یہ سنتے ہی کنیز مرجانہ نے اندر آ کر بڑے ادب کے ساتھ سلام کیا اور اس سے وہی گفتگو کی جو بدیع الجمال نے بتائی تھی۔ یہ سنتے ہی بڑھیا چلائی اور ناراض ہو کر کنیز سے کہا انسان اور جن کا کیسے ملاپ ہو سکتا ہے!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو سترویں رات

سات سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- بڑھیا غصے میں آ کر بولی، انسان اور جن میں کیسے ملاپ ہو سکتا ہے! سیف الملوک نے کہا اگر خدا نے چاہا تو مجھ سے کوئی بے وفائی ظاہر نہیں ہو گی تیرا غلام بن کر زندگی بسر کروں گا، تیری محبت پر جان دے دوں گا۔ جو عہد تیرے ساتھ باندھوں گا اسے پورا کروں گا اور سوا تیرے کسی اور کو دھیان میں نہ لاؤں گا۔ تو عنقریب دیکھ لے گی کہ میں سچا ہوں، جھوٹا نہیں اور تیرے ساتھ کس مروت سے پیش آتا ہوں۔ بڑھیا تھوڑی دیر سر جھکائے سوچ میں بیٹھی رہی، پھر سر اٹھا کر کہنے لگی اے خوش رو جوان کیا تو عہد و پیمان پر پکا رہے گا؟ اس نے جواب دیا ہاں، قسم ہے اس ذات کی جس نے آسمان کو بلند بنایا اور زمین کو پانی پر بچھلایا کہ میں وعدہ پورا کروں گا۔ یہ سن کر بڑھیا بولی اگر خدا کو منظور ہے تو میں تیری مراد پوری کروں گی۔ اچھا اب تو باغ میں جا کر سیر کر اور پھل کھا جن کی نظیر دنیا میں نہیں۔ میں اپنے بیٹے شہیال کو بلاتی ہوں۔ وہ آ جائے گا تو میں اس بارے میں اس سے بات چیت کروں گی اور خدا نے چاہا تو اس میں بھلائی ہو گی کیونکہ وہ میری مخالفت نہیں کرے گا بلکہ میرا حکم مان لے گا اور میں اس کی بیٹی بدیع الجمال کا بیاہ تیرے ساتھ کرا دوں گی۔ اے سیف الملوک خوش ہو کہ وہ تیری بیوی ہو جائے گی۔ سیف الملوک نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کے ہاتھ پاؤں چوم کر وہاں سے باغ کی طرف چل دیا۔ بڑھیا نے کنیز کی طرف مخاطب ہو کر کہا جا میرے بیٹے شہیال کو ڈھونڈ کہ کہاں ہے اور اسے میرے پاس لے آ۔ کنیز چلی، بادشاہ شہیال کو ڈھونڈ کر اس سے ملی اور اسے لے آئی۔

یہ تو بڑھیا کا قصہ ہوا۔ اب سیف الملوک کا ماجرا سنو۔ وہ باغ میں سیر کر رہا تھا کہ پانچ جنوں کی نظر اس پر پڑی جو بادشاہ ارزق کی رعایا تھے۔ وہ کہنے لگے کہ یہ کہاں

کا رہنے والا ہے اور اسے یہاں کون لایا ہے؟ ہو نہ ہو یہ وہی ہے جس نے بادشاہ ارنق کے بیٹے کو قتل کیا۔ کسی چالاکی سے اس سے پوچھیں۔ وہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھے اور باغ میں ایک طرف بیٹھ کر کہنے لگے۔ اے خوش رو جوان! تو نے بادشاہ ارنق کے بیٹے کے مارنے اور دولت خاتون کو اس بچے سے چھڑانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ وہ بڑا دھوکے باز کتا تھا اسے فریب دے کر اڑا لے گیا تھا۔ اگر خدا کی طرف سے تو اس پر مسلط نہ کیا گیا ہوتا تو لڑکی ہرگز نہ چھوٹی بتا تو سہی تو نے اسے کیونکر قتل کیا؟ سیف الملوک نے ان کی طرف دیکھ کر کہا کہ میں نے اسے اس انگوٹھی کے زور سے قتل کیا ہے جو میری انگلی میں ہے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ اسی نے اسے قتل کیا ہے اور دو نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑے، دو نے دونوں پاؤں اور پانچویں نے اس کا منہ دبا لیا کہ کہیں ایسا نہ ہو وہ چلائے اور بادشاہ شہیال کے آدمی آواز سن کر اسے چھڑا لے جائیں۔ اس کے بعد وہ اسے اڑا لے گئے۔ اڑتے اڑتے اپنے بادشاہ کے پاس پہنچے اور اسے اس کے سامنے لے جا کر کھڑا کیا اور کہنے لگے جہاں پناہ! ہم تیرے بیٹے کے قاتل کو تیرے پاس لے آئے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا یہ ہے۔ بادشاہ ارنق بولا کیا تو نے ہی میرے بیٹے کو ناحق قتل کیا ہے جو میرے جگر کا ٹکڑا اور میری آنکھ کا تارا تھا؟ اس نے تیرا کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ سیف الملوک نے کہا، ہاں میں نے ہی اسے قتل کیا ہے لیکن اس کے ظلم و ستم کی وجہ سے وہ بادشاہوں کی اولاد کو بنر معطلہ اور قصر مشید لے جایا کرتا تھا۔ ان کے اور ان کے ماں باپ میں جدائی ڈالتا، ان کے ساتھ بد فعلی کرتا تھا میں نے اس انگوٹھی کے زور سے اسے قتل کیا جو میری انگلی میں ہے اور خدا اس کی روح کو فوراً دوزخ میں لے گیا جو رہنے کی بری جگہ ہے۔

بادشاہ ارنق پر ثابت ہو گیا کہ بے شک اسی نے اس کے بیٹے کو مارا ہے اس نے اپنے وزیر کو بلا کر کہا، اس میں شک نہیں کہ یہی میرے بیٹے کا قاتل ہے تیری کیا رائے ہے، اس کے ساتھ کیا کروں، اسے بری طرح سے قتل کروں، سخت عذاب دوں یا

کیا؟ بڑا وزیر بولا اس کا عضو عضو کاٹ کر پھینک دے۔ دوسرے نے کہا روزانہ اس پر مار پڑنی چاہیے۔ تیسرے نے کہا اس کے دو ٹکڑے کر ڈال۔ چوتھا بولا اس کی انگلیاں کاٹ کر اسے آگ میں جلا دے۔ پانچویں نے کہا صلیب پر چڑھا دے۔ غرض کے ہر ایک اپنی اپنی رائے کے مطابق اسے مشورے دینے لگا۔ بادشاہ ارنق کے دربار میں ایک بڑا سیاستدان تھا۔ دنیا کی باتوں سے باخبر، اس نے کہا جہاں پناہ! میں تجھ سے ایک بات کہتا ہوں میرے مشورے پر عمل کرنے میں تجھے شرمندگی نہیں ہوگی۔ یہ شخص بادشاہ کا مشیر اور حکومت کا بڑا آدمی تھا اس کی ہر بات مانی جاتی، اس کی رائے پر عمل کیا جاتا کسی بات میں بادشاہ اس کی مخالفت نہ کرتا۔ اس نے اٹھ کر بادشاہ کے آگے زمین چومی اور بولا جہاں پناہ! اگر میں اس بارے میں تجھے مشورہ دوں تو کیا تو اسے مانے گا اور میری جان بخشی کرے گا؟ بادشاہ نے کہا، اپنے رائے بیان کر، میں تیری جان بخشی کرتا ہوں۔ اس نے کہا جہاں پناہ! اگر تو نے اسے ابھی قتل کر دیا تو اس کے یہ معنی ہیں کہ تو نے میری نصیحت نہ مانی اور میری بات نہ سمجھی۔ ابھی اس کا قتل کرنا بیکار ہے کیونکہ وہ تیرے قبضے میں ہے، تیرے اختیار میں ہے، تیرا قیدی ہے۔ جب تو چاہے گا وہ تجھے مل جائے گا اور جو تیرا جی چاہے تو اس کے ساتھ کر سکتا ہے، لیکن جہاں پناہ! صبر سے کام لے۔ اس نے باغ ارم میں جا کر بادشاہ شہیال کی بیٹی بدیع الجہال سے شادی کی ہے اور اس طرح یہ ان کا رشتہ دار ہو گیا ہے تیرے آدمی اسے پکڑ کر تیرے پاس لے آئے ہیں یہ بات تجھ پر بھی ظاہر ہے اور ان پر بھی۔ اگر تو نے اسے قتل کر دیا تو بادشاہ شہیال تجھ سے اس کا بدلہ لے گا اور تیرا دشمن ہو جائے گا، اپنی بیٹی کی خاطر لشکر لے کر تیرے اوپر چڑھائی کرے گا۔ اس کے لشکر کے آگے تیری کچھ نہ چلے گی، تو اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ بادشاہ نے اس کی رائے مان لی اور سیف الملوک کو قید خانے بھیج دیا۔

یہ تو سیف الملوک کی سرگزشت ہوئی۔ اب بدیع الجہال کی دادی کا حال سنو -----
اپنے بیٹے شہیال سے ملنے کے بعد اس نے کنیز کو بھیجا کہ سیف الملوک کو تلاش کر

کے لائے۔ نہ ملا تو اس نے اپنی آقا کے پاس آ کر کہا، وہ مجھے باغ میں نہیں ملتا۔ یہ سن کر بڑھیا نے باغ کے ملازموں کو بلوایا اور ان سے سیف الملوک کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا ہم نے اسے ایک درخت کے نیچے بیٹھا دیکھا تھا کہ اتنے میں بادشاہ ارنق کی جماعت کے پانچ شخص اتر کر اس کے پاس آئے اس سے باتیں کرنے لگے، پھر اسے اٹھا کر اور اس کا منہ بند کر کے اڑ گئے۔ بدیع الجمال کی دادی کو سخت افسوس ہوا۔ وہ طیش میں آ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے بیٹے شہیال سے کہنے لگی تو کیا بادشاہ ہے کہ تیرے جیتے جی بادشاہ ارنق کی جماعت کے آدمی ہمارے باغ میں گھس کر ہمارے مہمان کو زندہ اٹھا لے جاتے ہیں۔ ماں نے بیٹے کو خوب ابھارا اور کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تیرے جیتے جی ہم پر کوئی زبردستی کر سکے! اس نے جواب دیا، ماں! اس انسان نے بادشاہ ارنق کے بیٹے کو قتل کیا ہے۔ اب خدا نے اسے اس کے قبضے میں دیدیا۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ ایک انسان کی خاطر میں جن سے دشمنی مول لوں۔ ماں بولی کہ اس کے پاس جا کر ہمارے مہمان کو طلب کر۔ اگر وہ زندہ ہے اور ارنق نے اسے تیرے حوالے کر دیا تو اسے یہاں لے آ اور اگر بادشاہ ارنق نے اسے قتل کر دیا ہے تو اسے اور اس کی اولاد، بیویوں اور متعلقین کو زندہ پکڑ کر میرے پاس لے آ۔ میں انہیں اپنے ہاتھ سے قتل کر کے ان کا ملک تباہ کر ڈالوں۔ اگر تو نے میرا حکم نہ مانا تو میں ہرگز تجھے اپنا دودھ نہ بخشوں گی اور اپنی تربیت تجھ پر حرام کر دوں گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو اٹھترویں رات

سات سو اٹھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- بدیع الجمال کی دادی نے اپنے بیٹے شہیال سے کہا اگر تو نے میرا حکم نہ مانا تو میں اپنا دودھ ہرگز نہ بخشوں گی۔ یہ سن کر بادشاہ شہیال اٹھا اور اپنے لشکر کو باہر نکال کر اپنی ماں اور اس کے چہیتوں کی خاطر اور اس چیز کیوجہ سے جو ازل میں مقدر ہو چکی تھی۔ بادشاہ ارزق کی طرف روانہ ہو گیا۔ چلتے چلتے وہاں پہنچ گیا اور دونوں لشکروں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ بادشاہ ارزق اور اس کا لشکر ہار گیا، اس کی چھوٹی بڑی اولادیں حکومت کے حکام اور تمام بڑے لوگ گرفتار ہو کر بادشاہ شہیال کے سامنے پیش ہوئے۔ شہیال نے کہا اے بادشاہ! ارزق، انسان سیف الملوک میرا مہمان ہے؟ بادشاہ ارزق بولا، اے شہیال تو بھی جن ہے اور میں بھی۔ کیا یہ ساری باتیں تو نے ایک انسان کی خاطر کی ہیں جس نے میرے بیٹے کو قتل کیا ہے؟ وہ اس شخص کا قاتل ہے جو میرا بیٹا ہے، میرے جگر کا ٹکڑا اور میری روح کا آرام تھا۔ پھر تو نے یہ حرکت کیوں کی اور ایک ہزار جنوں کا خون کیوں بہایا؟ شہیال نے کہا باتیں نہ بنا، اگر وہ زندہ ہے تو اسے حاضر کر میں تجھے اور تیری اولاد کو چھوڑ دوں گا جنہیں میں نے گرفتار کیا ہے اور اگر تو نے اسے قتل کر ڈالا ہے تو میں تجھے اور تیری اولاد کو ذبح کر ڈالوں گا۔ بادشاہ ارزق نے کہا اے بادشاہ! کیا تجھے یہ شخص میرے بیٹے سے زیادہ عزیز ہے؟ بادشاہ شہیال نے کہا تیرا بیٹا ظالم تھا، وہ انسانوں کے بچے اور بادشاہوں کی بیٹیوں کو اٹھا لاتا، انہیں قصر مشید اور بنر معطلہ میں لا کر رکھتا اور ان کے ساتھ بدکاری کرتا تھا۔ بادشاہ ارزق بولا وہ میرے پاس ہے۔ اچھا میرے اور اس کے درمیان صلح کرا دے۔ شہیال نے دونوں میں صلح کرا دی۔ انہیں خلعت دیئے۔ بادشاہ ارزق اور سیف الملوک کے درمیان معاہدہ لکھ دیا جس سے اس کے بیٹے کا خون معاف ہو گیا اس کے بعد شہیال نے اسے مسلمان

کر لیا اور انہیں عمدہ عمدہ ضیافتیں دیں۔ بادشاہ ارزق تین دن تک مہمان رہ کر رخصت ہو گیا اور شہیال سیف الملوک کا حسن دیکھ کر اچنبھے میں پڑ گیا۔ سیف الملوک نے اپنی ساری داستان شروع سے آخر تک اسے کہہ سنائی اور نیز وہ واقعہ جو اسے بدیع الجمال کے ساتھ پیش آیا تھا۔ بادشاہ شہیال نے کہا اماں چونکہ تیری یہی مرضی ہے اس لئے اب تو اسے لے کر سرندیپ جا اور وہاں دھوم دھام سے اس کی شادی رچا، وہ خوبصورت جوان ہے اور اس نے بدیع الجمال کی خاطر اپنی جان خطرے میں ڈالی ہے۔

بڑھیا اپنی کنیزوں کو لے کر سرندیپ پہنچی۔ جب یہ سب دولت خاتون کی ماں کے باغ میں پہنچ کر خیمے کے اندر گئیں تو بدیع الجمال کی نظر ان پر پڑی۔ بڑھیا نے ان سے وہ سارا ماجرا بیان کیا جو سیف الملوک اور بادشاہ ارزق میں گزرا اور یہ کہ وہ بادشاہ ارزق کے قید خانے میں موت کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس کے بعد دولت خاتون کے باپ تاج الملوک نے حکومت کے بڑے لوگوں کو جمع کر کے بدیع الجمال کا نکاح سیف الملوک سے کر دیا۔ عمدہ عمدہ خلعت تقسیم کئے اور لوگوں کو دعوتیں دیں۔ اب سیف الملوک نے اٹھ کر تاج الملوک کے آگے زمین چومی اور کہا اے بادشاہ مجھے معاف کر، میں تجھ سے ایک بات کا خواہش مند ہوں، مگر ڈرتا ہوں کہ کہیں تو میری درخواست رد نہ کرے۔ تاج الملوک بولا قسم ہے خدا کی اگر تو میری جان بھی مانگے تو میں دینے

میں دریغ نہ کروں۔ تو نے میرے ساتھ بھلائی کی ہے۔ سیف الملوک نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تو شہزادی دولت خاتون کا نکاح میرے بھائی ساعد سے کر دے تاکہ ہم سب تیرے غلام ہو جائیں۔ تاج الملوک بولا سر آنکھوں پر اور اس نے دوبارہ حکومت کے بڑے لوگوں کو اکٹھا کر کے دولت خاتون کا نکاح ساعد سے کر دیا اور قاضیوں نے نکاح نامہ لکھ دیا۔ نکاح نامے کے مرتب ہونے کے بعد سونا چاندی پنچھاور کیا گیا اور بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر آراستہ کیا جائے۔ پھر جشن ہونے لگے۔ سیف الملوک بدیع الجمال سے ہم بستر ہوا اور اسی رات ساعد دولت خاتون سے، سیف الملوک بدیع الجمال سے چالیس دن تک برابر ہم بستر ہوتا رہا۔ ایک دن شہزادی نے کہا، اے شہزادے!

اب کوئی اور حسرت تو تیرے دل میں باقی نہیں رہ گئی؟ سیف الملوک نے جواب دیا خدا نہ کرے! تو نے میرا ارمان نکال دیا کوئی حسرت میرے دل میں باقی نہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ مصر جا کر اپنے ماں باپ سے ملوں اور دیکھوں کہ ان کا کیا حال ہے۔ بدیع الجمال نے اپنے چند نوکروں کو حکم دیا کہ اسے اور ساعد کو مصر پہنچا آئیں۔ وہ انہیں لے جا کر مصر میں ان کے گھر والوں کے پاس پہنچا آئے۔ سیف الملوک اور ساعد اپنے اپنے والدین سے ملے، ایک ہفتہ ان کے پاس ٹھہرے اور ان سے رخصت ہو کر پھر سرندپ چلے آئے۔ اسی طرح جب کبھی اپنے گھر والوں سے ملنے کی تمنا ہوتی تو انکے پاس چلے آتے اور لوٹ آتے۔ سیف الملوک بدیع الجمال کے ساتھ اور ساعد دولت خاتون کے ساتھ بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ لذتوں کو کرکرا، صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جو ہمیشہ زندہ ہے اور کبھی مرتی نہیں اور جس نے مخلوقات کو پیدا کیا اور ان کی قسمت میں موت لکھی! وہ ذات بلا ابتداء کے اول ہے اور بلا انتہا کے آخر۔

○ بصرے کے سوداگر حسن کی کہانی

پرانے زمانے میں ایک سوداگر تھا، بصرے کا رہنے والا، بڑا مالدار، اس کے دو بیٹے تھے۔ اللہ کا کرنا کہ وہ تاجر مر گیا، خدا اس پر رحمت کرے! اور ساری دولت وارثوں کے لئے چھوڑ گیا۔ دونوں بیٹوں نے باپ کی تجویز و تکلیف کے بعد مال و اسباب آپس میں برابر تقسیم کر کے دکانیں کھول لیں۔ ایک پیتل کے برتن بیچنے لگا اور دوسرے نے سنار کا کام شروع کر دیا۔ ایک دن یہ سنار اپنے ٹھکے پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عجیب بازار کی سیر کرتا ہوا اس کی دکان پر پہنچا اور اس کی کاریگری دیکھ کر بہت خوشی کا اظہار کیا۔ اس سنار کا نام حسن تھا۔ عجیب اپنا سر ہلانے لگا اور کہا کہ قسم ہے خدا کی تو بڑا اچھا

سنار ہے۔ وہ حسن کی کاریگری کو دیکھ رہا تھا۔ حسن اپنے ہاتھ میں ایک پرانی کتاب لئے پڑھ رہا تھا۔ لوگ اس کے حسن و جمال اور اس کے تناسب پر محو تھے۔ جب عصر کا وقت ہوا اور دکان لوگوں سے خالی ہو گئی تو عجمی نے حسن کے پاس آ کر کہا بیٹا تو بڑا خوش رو جوان ہے۔ یہ کون سی کتاب ہے؟ تو بے باپ کا بیٹا ہے اور میرا کوئی بیٹا نہیں۔ مجھے ایک کاریگری آتی ہے جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ہنر نہیں۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• سات سو اناسیویں رات

سات سو اناسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- عجمی کہنے لگا، مجھے اک کاریگری آتی ہے جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ہنر نہیں۔ بہت سے لوگوں نے مجھ سے درخواست کی کہ میں انہیں سکھا دوں لیکن میں نے ان میں سے کسی کو بھی سکھانا پسند نہ کیا۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں تجھے سکھا دوں اور تجھ کو اپنا بیٹا بنا لوں تاکہ فقر و فاقے سے تجھے نجات ملے اور اس پٹھے سے تیرا پیچھا چھوٹے جس میں نہائی اور ہتھوڑا، بھٹی اور آگ کی تکلیف ہے۔ حسن نے پوچھا اے میرے آقا! تو مجھے کب سکھائے گا؟ اس نے جواب دیا کہ میں کل تیرے پاس آ کر تیرے سامنے پیتل سے خالص سونا بناؤں گا۔ حسن یہ سن کر بہت خوش ہوا اور عجمی سے رخصت ہو کر اپنی ماں کے پاس گیا۔ سلام کیا اور اس کے ساتھ کھانے کے بعد نہایت حیرانی سے عجمی کا ماجرا سنایا۔ ماں نے کہا بیٹا، تجھے کیا ہو گیا ہے؟ لوگوں کی باتیں نہ مانا کر خاص کر عجمیوں کی بات تو ہرگز نہ سنی چاہیے کیونکہ وہ دھوکے باز ہوتے ہیں اور کیمیا گری جانتے ہیں۔ لوگوں کو جال میں پھانس کر ان کا مال لے اڑتے ہیں اور اسے کھا جاتے ہیں۔ حسن نے کہا اماں! ہم غریب لوگ ہیں ہمارے پاس ہے کیا کہ کوئی اس کے لالچ میں ہم کو جال میں پھانسنے گا! اور یہ عجمی تو ایک بھلا مانس بوڑھا ہے نیکی اس کے چہرے سے ٹپکتی ہے، خدا نے اسے میرے اوپر مہربان کر دیا ہے۔ یہ سن کر اس کی ماں مارے غصے کے چپ ہو گئی، مگر بیٹے کا دل اسی میں لگا رہا اور مارے خوشی کے وہ رات بھر سویا بھی نہیں۔

جب صبح ہوئی تو حسن اٹھا اور کنجیاں لے کر دکان کھولی ہی تھی کہ عجمی آ پہنچا۔ حسن اٹھ کھڑا ہوا اور چاہتا تھا کہ اس کے ہاتھ چومے لیکن اس نے اسے روک دیا اور اس بات کو پسند نہ کیا۔ حسن سے کہا کہ کٹھالی کو آگ پر رکھ اور دھونکنی لگا۔ حسن

نے عجمی کے کہنے کی تعمیل کی اور کوئلے دھکائے۔ عجمی بولا بیٹا! تیرے پاس پیتل ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے پاس ایک ٹوٹا ہوا پیالہ ہے۔ عجمی نے کہا اسے قینچی سے کاٹ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر۔ حسن نے اس کے کہنے کے مطابق اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاٹے اور انہیں کٹھالی میں ڈال کر دھونکنی سے ہوا دینی شروع کی یہاں تک کہ وہ پگھل کر پانی ہو گئے۔ اب عجمی نے اپنا ہاتھ گھڑی کی طرف بڑھایا اور اس میں سے ایک لپٹا ہوا کانڈ نکالا اور آدھے درہم کے برابر کوئی سفوف نکال کر کٹھالی میں ڈال دیا۔ یہ سفوف زرد سرے کی طرح کا تھا۔ اب اس نے حسن سے کہا کہ اور دھونک، حسن اور دھونکنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ ایک سونے کا ٹکڑا بن گیا۔ یہ دیکھ کر حسن کے ہوش و حواس مارے خوشی کے جاتے رہے۔ وہ اس ٹکڑے کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا اور اسے چھری سے کھرچ کر دیکھا تو وہ عمدہ قسم کا کنڈن تھا۔ اس کی مسرت کا کیا پوچھنا، چاہتا تھا کہ جھک کر عجمی کا ہاتھ چوم لے۔ عجمی نے اسے روک دیا اور کہا کہ اس ٹکڑے کو بازار میں لے جا اور بیچ کر دام کھرے کر مگر کسی سے اس کا ذکر نہ کیجیو۔ حسن نے بازار جا کر وہ ٹکڑا دلال کو دیا۔ دلال نے اسے لے کر کسوٹی پر لگایا اور دیکھا کہ وہ خالص سونا ہے۔ دس ہزار درہم سے بولی شروع ہوئی سوداگر بڑھ بڑھ کر بولی بولنے لگے یہاں تک کہ پندرہ ہزار درہم تک دام لگ گئے۔ گھر جا کر حسن نے ماں سے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا کہ اماں! میں اس صنعت کو سیکھ گیا ہوں ماں ہنسی اور کہنے لگی کہ ”لا حول ولا قوہ الا باللہ العلیٰ العظیم۔“

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو اسیویں رات

سات سو اسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- ماں لاحول پڑھ کر مارے غصے کے چپ ہو گئی۔ حسن بھولے پن سے ایک ہاون دستہ لے کر عجمی کے پاس گیا جو دکان پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے آگے رکھ دیا۔ اس سے کہا کہ بیٹا تو اس ہاون دستے کا کیا کرنا چاہتا ہے؟ حسن نے جواب دیا کہ اس کو بھی آگ پر پگھلا کر سونے کے ڈلے بنا لیں۔ عجمی ہنس کر بولا، بیٹا! کہیں تو پاگل تو نہیں ہو گیا ہے؟ کیا تو ایک ہی دن میں دو سونے کے ڈلے لے کر بازار جائے گا؟ تجھے معلوم نہیں کہ لوگ ہم سے بدظن ہو جائیں گے اور ہمیں مار ڈالیں گے۔ بیٹا! جب تو مجھ سے یہ فن سیکھ جائے تو اسے سال میں ایک بار سے زیادہ مت کیجیو۔ اور وہ تیرے لئے ایک سال سے دوسرے سال تک کافی ہو گا۔ حسن کہنے لگا اے میرے آقا! تو ٹھیک کہتا ہے اور دکان میں بیٹھ کر اس نے کٹھالی پر آگ چڑھا دی اور بھٹی میں کوئلے ڈال دیئے۔ عجمی نے کہا بیٹا اب تیرا کیا مطالبہ ہے۔ اس نے جواب دیا کہ یہ فن مجھے سکھا دے۔ عجمی نے ہنس کر کہا لاحول ولاقوہ الابا للہ العلی العظیم۔ بیٹا تو بڑا کم عقل ہے اور اس فن کے سیکھنے کے بالکل نا قابل۔ کبھی کوئی اس فن کو بیچ سڑک پر یا بازاروں میں سیکھ سکتا ہے؟ اگر ہم نے اس جگہ یہ کام شروع کر دیا تو لوگ کہیں گے ہم کیسیا گر ہیں اور جب اس کی خبر حکام تک پہنچے گی تو وہ ہماری جان کے گاہک ہو جائیں گے۔ بیٹا! اگر تو یہ کام سیکھنا چاہتا ہے تو میرے گھر چل، حسن نے اٹھ کر دکان بند کی اور عجمی کے ساتھ ہو لیا مگر راستے میں اسے اپنی ماں کی بات یاد آ گئی اور اس کے دل میں کش مکش ہونے لگی۔ وہ دیر تک سر نیچا کئے کھڑا رہا۔ جب عجمی نے دیکھا کہ وہ رک گیا ہے تو ہنسا اور بولا کہ تیرا دل نہیں الٹ گیا؟ اگر تو سمجھتا ہے کہ میں تجھے نقصان پہنچاؤں گا تو پھر میرے دل میں تیری طرف سے کیونکر بھلائی آ سکتی ہے! اگر

تو میرے گھر سے ڈرتا ہے تو میں تیرے گھر چل کر وہاں تجھے سکھا سکتا ہوں۔ حسن نے کہا ہاں چچا عجمی بولا کہ اچھا میرے آگے آگے چل۔ حسن آگے آگے اپنے گھر کی طرف چلا اور عجمی پیچھے پیچھے ہو لیا۔ گھر پہنچ کر حسن اندر گیا۔ ماں سے مل کر کہا کہ عجمی میرے ساتھ آیا ہے اور دروازے پر کھڑا ہے۔ ماں نے فرش بچھایا اور مکان کو آراستہ کر کے وہاں سے چلی گئی۔ اس کے بعد حسن نے عجمی سے کہا کہ اندر آ جا اور وہ اندر آ گیا۔ حسن ہاتھ میں پیالہ لے کر بازار گیا تاکہ کھانے کے لئے کوئی چیز لے آئے اور کھانا لا کر عجمی کے آگے رکھ دیا اور کہا اے میرے آقا! آئیے پہلے کچھ نوش فرما لیجئے تاکہ ہمارے درمیان روٹی اور نمک کا واسطہ ہو جائے اور ہم میں سے جو کوئی روٹی اور نمک کے بارے میں خیانت کرے، خدا اس سے سمجھے۔ عجمی بولا کہ بیٹا! تو سچ کہتا ہے اور پھر مسکرا کر کہا بیٹا روٹی اور نمک کا پاس کرتا کون ہے! اس کے بعد عجمی آگے بڑھا اور حسن کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ یہاں تک کہ دونوں سیر ہو گئے۔ عجمی نے کہا کہ بیٹا حسن، ہمارے لئے مٹھائی لا۔ حسن عجمی کی یہ بات سن کر خوش ہو گیا اور بازار جا کر دس قسم کی مٹھائی لے آیا اور اس کے آگے رکھی۔ دونوں نے مل کر مٹھائی کھائی۔ مٹھائی کھا چکے تو عجمی نے کہا خدا تجھے اس نیکی کا بدلہ دے! واقعی تو ایسا شخص ہے کہ لوگ تیرا ساتھ دیں۔ اپنے بھید تجھ پر ظاہر کریں اور تیرے فائدے کی بات تجھے سکھائیں۔ پھر عجمی بولا اے حسن، لا سامان لے آ۔ حسن کو ان باتوں کا یقین نہ آتا تھا تاہم وہ اس تیزی سے روانہ ہوا جیسے بہار کے موسم میں پھیرا اور دکان پہنچ کر اس نے سارا سامان لیا اور واپس آ کر اسے عجمی کے آگے رکھ دیا۔

عجمی نے کافذ کی ایک پڑیا نکالی اور کہنے لگا اے حسن! روٹی اور نمک کی قسم اگر تو مجھے میرے بیٹے سے زیادہ عزیز نہ ہوتا تو میں تجھے یہ فن نہ سکھاتا۔ اس وقت میرے پاس

محض یہی اکسیر باقی ہے جو اس کافذ میں ہے۔ لیکن صبر کر میں جڑی بوٹیوں کو ملا کر تیرے لئے اکسیر بناؤں گا۔ اے میرے بیٹے! سن جو اکسیر اس کافذ میں ہے اس کا نصف درہم پانچ سیر پیتل کے لئے کافی ہے جو اسے پانچ سیر خالص سونا بنا دے گا۔ اے میرے بیٹے! اے حسن! اس کافذ میں ڈیڑھ چھٹانک مصری اکسیر ہے! جب یہ ختم ہو جائے گی تو میں تجھے اور بنا دوں گا۔ حسن نے کافذ کی پڑیا کو لے کر دیکھا۔ اسے اس میں پہلے سے بھی عمدہ کوئی پہلی چیز نظر آئی۔ کہنے لگا: ”اے میرے آقا! اس کا نام کیا ہے؟ یہ کہاں پائی جاتی ہے اور کس طرح بنائی جاتی ہے؟ عجبی حسن کا بڑھتا ہوا لالچ دیکھ کر ہنسا۔ اس نے کہا کہ آخر تو کتنی باتیں پوچھے گا؟ چپ چاپ اپنا کام کئے جا۔ حسن گھر میں جا کر ایک رکابی لے آیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کاٹ کر کٹھالی میں ڈال دیئے۔ جب وہ پکھل گئے تو پڑیا کی تھوڑی سی دوا لے کر ڈال دی اور وہ خالص سونا ہو گیا۔ حسن باغ باغ ہو گیا۔ سونے کے ڈالے نے اس کی عقل کو چکر میں ڈال دیا۔ اب عجبی نے اپنی پگڑی میں سے تیزی کے ساتھ ایک تھیلی نکالی جس میں کوئی ایسی نشہ آور چیز تھی کہ اگر اسے ہاتھی بھی سونگھ لیتا تو ایک دن سے لے کر دوسرے دن تک سوتا رہتا۔ اس نے اس میں سے تھوڑی سی لے کر چپکے سے مٹھائی میں ملا دی اور کہا اے حسن! تو ہی میرا بیٹا ہے اور میرے جان و مال سے زیادہ عزیز ہے۔ میری ایک بیٹی ہے اس سے میں تیرا نکاح کر دوں گا۔ حسن نے کہا میں تیرا غلام ہوں اور جو بھی بھلائی تو میرے ساتھ کرے گا وہ خدا کے پاس جمع رہے گی۔ عجبی نے کہا بیٹا! ذرا صبر سے کام لے پھر تیرے لئے بھلائی ہی بھلائی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے وہ مٹھائی حسن کو دی۔ اس نے اس کا ہاتھ چوم کر اسے اپنے منہ میں رکھ لیا۔ اسے کیا خبر تھی کہ غیب میں اس کے لئے کیا پوشیدہ ہے۔ مٹھائی کا ٹکنا تھا کہ اس کا سر اس کے پاؤں سے آگے آگے چلنے لگا اور دنیا سے غائب ہو گیا۔ جب عجبی نے دیکھا کہ بلا حسن کے اوپر نازل ہو چکی ہے تو بہت خوش ہوا اور کھڑا ہو کر کہنے

لگا کہ اے مردود اے عرب کتے! آخر تو میرے جال میں پھنس گیا۔ اے حسن میں
کئی سال سے تیری تلاش میں تھا اور اب تو قابو میں آ گیا ہے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

○○○

• سات سو اکیاسی ویں رات

سات سو اکیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- عجمی نے کہا بالآخر تو میرے جال میں پھنس ہی گیا اور اپنی کمر کس کر اس نے حسن کی مشکیں باندھیں، ہاتھ پاؤں ملا کر باندھ دیئے اور ایک صندوق لیا۔ اسے خالی کر کے اس میں حسن کو بند کیا اور قفل ڈال دیا۔ پھر اس نے دوسرا صندوق کھولا۔ اس کی ساری چیزیں نکال پھینکیں اور حسن کا سارا مال متاع سونے کے دونوں ڈلوں سمیت صندوق میں بھر کر بازار سے حمال کو لایا۔ اس پر دونوں صندوق لادے اور انہیں شہر کے باہر لے جا کر سمندر کے کنارے اتارا۔ وہاں ایک کشتی لنگر ڈالے کھڑی تھی۔ اس کشتی میں غلام تھے اور ناخدا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ جب ملاحوں کی نظر اس پر پڑی تو وہ اس کے پاس آئے اور دونوں صندوقوں کو لے جا کر کشتی میں رکھ دیا۔ عجمی نے ناخدا اور سب ملاحوں کو پکار کر کہا کہ تیار ہو جاؤ۔ ہماری حاجت پوری ہو چکی ہے اور مراد بر آئی ہے۔ ناخدا نے ملاحوں سے کہا کہ لنگر اٹھاؤ اور بادبان کھول دو۔ ہوا موافق تھی کشتی چل نکلی۔

یہ تو عجمی اور حسن کا قصہ ہوا۔ اب حسن کی ماں کا حال سنو۔ اس نے عشا کے وقت تک انتظار کیا، مگر جب نہ اسے کوئی خبر ملی، بلکہ آواز تک نہ سنائی دی تو وہ گھر کو کھلا دیکھ کر اس کے اندر آئی۔ اس نے دیکھا نہ وہاں کوئی شخص ہے نہ صندوق، نہ مال، اسے یقین ہو گیا کہ اس کا بیٹا کھو گیا اور جو قسمت میں بدی تھی، وہ پوری ہو گئی۔ وہ اپنا منہ پیٹنے لگی۔ کپڑے پھاڑ ڈالے اور واویلا کرنا شروع کر دیا۔ کبھی روتی، کبھی کہتی کہ ہائے میرے بیٹے اور میرے دل کے پھل! جب وہ صبح تک اسی طرح روتی رہی تو پڑوسیوں نے آ کر اس کے بیٹے کا حال پوچھا۔ اس نے وہ سارا ماجرا بیان کر دیا جو اسے عجمی کے ساتھ پیش آیا تھا اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ اب اپنے بیٹے

کو نہ دیکھ سکے گی۔ وہ گھر میں دیوانوں کی طرح پھرتی اور اسی طرح روتی پیتی رہی، پڑوسیوں نے دعا کی کہ اسے صبر آ جائے اور اس کا بیٹا مل جائے اور اس سے رخصت ہو کر چلے گئے، مگر وہ دن رات برابر روتی رہی اور گھر کے بیچ میں ایک قبر بنا کر اس پر حسن کا نام اور اس کے کھوئے جانے کی تاریخ لکھ دی۔ وہ ہمیشہ اسی قبر کے پاس رہتی اور جس دن سے اس کا بیٹا اس سے جدا ہوا تھا اس کا یہی دستور تھا۔ یہ تو مال کا قصہ ہوا، اب سنو کہ حسن کو عجمی کے ساتھ کیا ماجرا پیش آیا۔ یہ عجمی مجوسی تھا۔ مسلمانوں سے اس کو بڑی نفرت تھی۔ جب اس کا داؤ کسی مسلمان پر چل جاتا تو وہ اسے بے تابہ کئے نہ چھوڑتا کیونکہ وہ خبیث اور ملعون اور خود غرض اور کیمیا گر تھا۔ اس مردود کا نام بہرام مجوسی تھا۔ وہ ہر سال کسی نہ کسی مسلمان کو پکڑ کر کسی خاص مطلب کے لئے ذبح کر ڈالتا۔ جب اس کی چال سنار حسن پر چل گئی اور وہ اسے لے کر چلا۔ صبح سے شام تک اور پھر شام سے دوسری صبح تک چلنے کے بعد کشتی نے ایک ساحل پر لنگر ڈالا۔ دم لے کر کشتی آگے چلی۔ جب دن نکل آیا تو عجمی نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ صندوق لے آئیں۔ جس کے اندر حسن بند ہے۔ وہ لے آئے تو اس نے کھول کر حسن کو نکالا۔ اسے سرکہ سگھایا اور اس کی ناک میں کوئی سفوف پھونکا۔ حسن کو چھینک آئی اور جو چیز مٹھائی میں ملا اسے کھلائی تھی، قے کے ذریعے نکل پڑی۔ حسن آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ وہ بیچ سمندر میں ہے۔ کشتی چلی جا رہی ہے اور عجمی اس کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔ اسے یقین آ گیا کہ عجمی کا فریب کار گر ہو گیا اور وہ اسی بلا میں گرفتار ہے جس سے اس کی ماں اسے ڈراتی تھی۔ اس نے لاحول پڑھ کر خدا سے دعا مانگی کہ اے عالموں کے پروردگار، میری تقدیر میں مہربانی سے کام لے اور اپنے امتحان میں مجھے صبر عطا کر۔ اس کے بعد اس نے عجمی کی طرف نرمی کے ساتھ مخاطب ہو کر کہا اے میرے والد یہ تو نے کیا حرکت کی اور کیا ہوا اس روٹی اور نمک کو اور کہاں گئی وہ قسم جو تو نے میرے ساتھ کھائی

تھی؟ عجمی نے آنکھیں نکال کر کہا، اے کتے! کیا دنیا میں لوگ روٹی اور نمک کا پاس کرتے ہیں! میں نے تیری طرح ایک کم ہزار لوگوں کو قتل کیا ہے اور تیرے بعد پورے ہزار ہو جائیں گے۔ یہ کہہ کر اس نے حسن کو ڈانٹا۔ حسن نے زبان روک لی اور اسے یقین ہو گیا کہ قسمت کا تیر اس پر آ پڑا ہے۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو بیاسی ویں رات

سات سو بیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- حسن کو یقین ہو گیا کہ قسمت کا تیر اس کے آگاہ ہے۔ عجبی ملعون نے اب حکم دیا کہ اس کی مشکیں کھول دی جائیں اور لوگوں نے اسے تھوڑا تھوڑا پانی پلانا شروع کیا۔ مجوسی ہنس رہا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ آگ اور روشنی، سائے اور گرمی کی قسم میں یہ نہ سمجھتا تھا کہ تو میرے جال میں پھنس جائے گا لیکن آگ کے طفیل میں نے تجھ پر قابو پا لیا اور اس کی مدد سے تجھے رام کر لیا یہاں تک کہ میری حاجت پوری ہو گئی۔ اب میں گھر واپس جا کر تجھے آگ پر قربان کروں گا تا کہ وہ مجھ سے راضی ہو جائے۔ حسن نے کہا تو نے روٹی اور نمک کے معاملے میں مجھ سے خیانت کی اور شاید کچھ اور بھی کہتا لیکن مجوسی نے ہاتھ اٹھا کر ایسی دھول ماری کہ اس کے دانت زمین پر گر گئے۔ اس پر غشی طاری ہو گئی اور اس کے آنسو بہنے لگے۔ مجوسی نے اپنے غلاموں سے کہا کہ آگ جلائیں۔ حسن نے پوچھا کہ تو آگ جلا کر کیا کرے گا؟ اس نے جواب دیا کہ یہ آگ، روشنی اور چنگاریوں کی ساتھی ہے اور میں اسی کی عبادت کرتا ہوں۔ اگر تو بھی میری طرح اس کی پرستش کرے تو میں اپنی آدمی دولت تجھے دے دوں گا اور اپنی بیٹی کی شادی تیرے ساتھ کر دوں۔ حسن نے اسے ڈانٹ کر کہا کہ مردود! تو کافر مجوسی ہے اور اس خدا کو چھوڑ کر جس نے دن رات پیدا کئے ہیں، آگ کو پوجتا ہے انہی وجہوں سے تمام مذہبوں پر مصیبت آئی ہے یہ سن کر مجوسی طیش میں آ گیا اور کہنے لگا، اے عرب کتے! کیا تو میرا کہنا نہ مانے گا اور میرے مذہب کی پیروی نہ کرے گا؟ لیکن حسن نے بالکل اس کی بات نہ مانی۔ ملعون مجوسی نے اٹھ کر آگ کے آگے سجدہ کیا اور اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ حسن کو اوندھا لٹائیں اور جب انہوں

نے اسے پٹ لٹا دیا تو مجوسی نے اسے ایسے کوڑے سے مارنا شروع کیا جو چمڑے کے
 تسموں سے گندھا ہوا تھا یہاں تک کہ اس کی کھال پھٹ گئی۔ وہ دہائی دیتا لیکن کوئی
 اس کی دہائی نہ سنتا اور وہ مدد کے لئے چلاتا مگر کوئی اس کی مدد کو نہ آتا۔ بالآخر
 اس نے اپنی نظر اوپر خدا کی طرف اٹھائی اور اسے رسول اللہ کا واسطہ دیا اس کا صبر
 جاتا رہا۔ آنسو رخساروں پر مینہ کی طرح برسنے لگے۔ مجوسی نے اپنے غلاموں کو حکم دیا
 کہ اسے بٹھائیں اور اس کے آگے کھانا پینا رکھیں۔ غلام کھانا پینا لے آئے لیکن حسن
 نے نہ دانہ کھایا نہ پانی پیا۔

مجوسی راستے بھر اسے تکلیفیں دیتا اور وہ صبر کرتا۔ جتنا حسن خدا کے آگے گزرگذا، مجوسی
 کا دل اس کی طرف سے سخت ہوتا جاتا۔ اسی طرح وہ تین مہینے تک سمندر میں سفر
 کرتے اور حسن کو تکلیف پہنچاتے رہے جب پورے تین مہینے گزر گئے تو خدا کی طرف
 سے ایک آندھی آئی۔ سمندر تاریک ہو گیا۔ کشتی اچھلنے لگی، ناخدا اور ملاحوں نے کہا
 خدا کی قسم، ہم پر اسی لڑکے کا صبر پڑا ہے۔ جسے مجوسی تین مہینے سے تکلیف دے رہا
 ہے۔ خدا ایسی باتوں کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ کہہ کر انہوں نے مجوسی پر بلوہ کر دیا۔
 اس کے غلام اور ساتھیوں کو مار ڈالا۔ جب مجوسی نے دیکھا کہ اس کے غلام مار ڈالے
 گئے ہیں تو وہ ڈرا کہ کہیں میں بھی نہ مار ڈالا جاؤں۔ اس نے حسن کی مشکلیں کھول
 دیں۔ اس کے پھٹے پرانے کپڑے اتار کر اسے دوسرے کپڑے پہنا دیئے۔ اس سے
 صلح کی درخواست کی اور کہا میں تجھے وہ فن سکھا دوں گا اور تجھے تیرے وطن پہنچا دوں
 گا۔ بیٹا میں نے جو کچھ کیا ہے اس کا بدلہ مت نکال۔ حسن بولا کہ اب میں تیرا
 کیونکر یقین کر سکتا ہوں! اس نے کہا کہ بیٹا! اگر دنیا میں گناہ نہ ہوتا تو مغفرت بھی
 نہ ہوتی۔ اور میں تو تیرے صبر کا امتحان کر رہا تھا اور تجھے یہ تو معلوم ہی ہے کہ
 جو خدا کرتا ہے وہی ہوتا ہے۔

حسن کی رہائی پر ملاح اور ناخدا خوش ہو گئے۔ حسن نے ان کو دعا دی اور خدا کی تعریف
 کی۔ اس کا شکر بجا لایا۔ اب آندھی رک گئی اور اندھیرا جاتا رہا۔ کشتی بادِ موافق کے

ساتھ چلنے لگی۔ حسن نے مجوسی سے پوچھا کہ اے عجمی! تو کہاں جا رہا ہے؟ اس نے کہا بیٹا! میں جبل السحاب جا رہا ہوں جہاں وہ اکسیر ملتی ہے جس سے ہم کیمیا بناتے ہیں۔ اس کے بعد مجوسی نے حسن کے آگے آگ اور روشنی کی قسم کھا کر کہا کہ اب تجھے مجھ سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ مجوسی کی یہ باتیں سن کر حسن خوش ہو گیا اور اسے اطمینان ہو گیا۔ اب مجوسی اس کے ساتھ کھانے پینے، بیٹھنے اٹھنے لگا۔ اسے اپنے کپڑے پہننے کو دیئے۔ تین مہینے سفر کرنے کے بعد کشتی نے ایک بہت لمبی خشکی پر لنگر ڈالا۔ جہاں سفید، زرد، نیلے، کالے اور باقی تمام رنگوں کے کنکر پتھر تھے۔ جونہی کشتی نے وہاں لنگر ڈالا، عجمی اٹھ کھڑا ہوا اور حسن سے کہنے لگا کہ اتر، ہم جہاں پہنچنا چاہتے تھے پہنچ گئے۔ حسن اٹھ کھڑا ہوا اور عجمی کے ساتھ اتر پڑا۔ مجوسی ناخدا کو اپنا سامان سپرد کر کے حسن کے ساتھ چل دیا۔ چلتے چلتے دونوں کشتی سے دور نظروں سے غائب ہو گئے۔ ایک جگہ ایسی آئی جہاں مجوسی بیٹھ گیا اور اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا طبلہ نکالا جو تانبے کا تھا اور ایک ریثی ڈوری جو سنہری تاروں سے بنی ہوئی تھی اور اس پر طلسمات لکھے ہوئے تھے، پھر اس نے اس طبلے کو بجایا۔ طبلہ بجتے ہی جنگل کے پیچھے سے گرد اٹھی۔ یہ دیکھ کر حسن کو تعجب ہوا وہ مجوسی سے ڈرنے لگا اور اس کے ساتھ اترنے پر پشیمان ہوا۔ اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ مجوسی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا بیٹا! تجھے کیا ہو گیا ہے؟ قسم ہے آگ اور روشنی کی اب تجھے مجھ سے ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ اگر میری مراد بغیر تیرے نام کے پوری ہو سکتی تو میں تجھے ہرگز کشتی سے نہ اتارتا۔ خوش ہو کہ اب تیرے لئے بھلائی ہی بھلائی ہے اور یہ گرد وہ ہے جس پر ہم سوار ہوں گے اور جو ہمیں اس جنگل کے طے کرنے میں مددگار ہو گی اور ہماری مشکل کو آسان کر دے گی۔

اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو تراسی ویں رات

سات سو تراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- عجمی نے حسن سے کہا کہ اس گرد کی وجہ سے ہماری مشکل آسان ہو جائے گی۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد گرد چھٹی اور اس میں سے تین اخیل اونٹنیاں نکلیں۔ ایک پر عجمی سوار ہو گیا اور دوسری پر حسن اور تیسری پر انہوں نے سفر کے لئے کھانے پینے کا سامان رکھ لیا اور سات دن تک چلتے رہے۔ ایک بڑے میدان میں پہنچ کر وہ ٹھہر گئے اور ایک گنبد دیکھا جو چار سرخ سونے کے کھمبوں پر کھڑا تھا۔ اونٹنیوں پر سے اتر پڑے۔ گنبد کے نیچے بیٹھ کر کھایا پیا اور سستانے لگے۔ اتنے میں حسن کی نظر ایک اونچی عمارت پر پڑی۔ وہ کہنے لگا کہ چچا! یہ کیا ہے؟ مجوسی بولا کہ یہ ایک محل ہے۔ حسن نے کہا آؤ اس کے اندر جا کر ہم آرام کریں اور اس کی سیر کریں۔ مجوسی اس کے پاس منہ لا کر کہنے لگا کہ میرے آگے اس محل کا ذکر مت کر کیونکہ اس میں میرا ایک دشمن رہتا ہے، اس کے ساتھ مجھے ایک قصہ درپیش ہے جس کے بیان کرنے کا یہ وقت نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے طلبہ بجایا اور اونٹنیاں آ موجود ہوئیں۔ دونوں پھر سوار ہو گئے اور سات دن تک چلتے رہے۔ جب آٹھواں دن ہوا تو مجوسی نے کہا کہ اے حسن! تجھے کیا دکھائی دیتا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے بادل ہی بادل دکھائی دیتے ہیں جو پورب سے پچھم تک پھیلے ہوئے ہیں۔ مجوسی بولا کہ یہ بادل نہیں بلکہ ایک بڑا اونچا پہاڑ ہے جس پر بادل آ کر ٹکراتے ہیں۔ وہ اتنا اونچا ہے کہ اس کے اوپر کوئی بادل نہیں جا سکتا ہماری منزل مقصود یہی پہاڑ ہے کیونکہ جس چیز کی ہمیں تلاش ہے، وہ اسی پر ملتی ہے۔ اسی وجہ سے میں تجھے اپنے ساتھ لایا ہوں کیونکہ تیرے ہی ہاتھوں میری مراد پوری ہو سکتی ہے۔ یہ سن کر حسن اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا اور مجوسی سے کہنے لگا کہ تجھے قسم ہے اپنے معبود کی اور اپنے دین کی جس پر تیرا ایمان ہے وہ تیرا کون سا مقصد ہے جس

کی وجہ سے تو مجھے یہاں لایا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کیمیا کی صنعت بلا ایک بوٹی کے، مکمل نہیں ہوتی جو ایسی ہی جگہ اگتی ہے جہاں بادل ٹکرا کر الگ الگ ہو جاتے ہیں اور وہ یہی پہاڑ ہے اور اسی کے اوپر بوٹی ہے جب ہمیں وہ بوٹی مل جائے گی تو میں تجھے وہ فن سکھا دوں گا۔ مارے ڈر کے، حسن نے کہا دیا کہ اے میرے آقا! ہاں۔ مگر وہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا اور ماں باپ اور رشتے داروں اور وطن کی جدائی پر رونے لگا اور اس بات پر پشیمان تھا کہ اس نے اپنی ماں کا کہنا نہ مانا۔

آخر دونوں چلتے چلتے اس پہاڑ کے پاس جا پہنچے اور اس کے نیچے ٹھہر گئے۔ حسن نے دیکھا کہ پہاڑ کے اوپر ایک محل ہے۔ وہ مجوسی سے پوچھنے لگا کہ یہ محل کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ جنوں اور بھوت پریتوں اور شیطانوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ اب مجوسی اپنی اونٹنی سے اترا اور حسن سے کہا کہ تو بھی اتر پڑ اور اٹھ کر اس کا سر چوما اور کہنے لگا کہ جو کچھ میں نے تیرے ساتھ کیا ہے اس کا برا نہ مان۔ جب تک محل میں داخل ہو گا تو میں تیری حفاظت کروں گا، مگر میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ تجھے جو چیز وہاں ملے اس میں میرے ساتھ دھوکے بازی مت کیجیو۔ اس میں سے میرا اور تیرا حصہ برابر کا ہے۔ حسن نے کہا سر آنکھوں پر۔ عجبی نے ایک تھیلا کھولا اور اس میں سے ایک چکی نکالی اور تھوڑے سے گیہوں نکال کر اسی چکی میں پیسے اور تین نکلیاں بنائیں اور آگ جلا کر انہیں پکایا۔ پھر وہی تانبے کا طبلہ اور کلابتونی ڈوری نکال کر طبلہ بجایا۔ اونٹنیاں آ موجود ہوئیں۔ اس نے ان میں سے ایک اونٹنی کو پکڑ کر ذبح کیا اور اس کی کھال کھینچ کر حسن سے کہا کہ اے میرے بیٹے! اے حسن! جو میں کہتا ہوں اسے کان دھر کر سن۔ اس نے کہا کہئے۔ مجوسی بولا کہ اس کھال کے اندر گھس جا۔ میں اسے سی کر تجھے زمین پر ڈال دوں گا اور سفید گدھ آ کر تجھے اٹھا کر لے جائیں گے اور تجھے اڑا کر اس پہاڑ کے اوپر لے جائیں گے۔ اس چھری کو اپنے ساتھ رکھ لے جب وہ اڑ کر رک جائیں اور تجھے یقین ہو جائے کہ تو پہاڑی پر پہنچ گیا ہے تو تو کھال چاک کر کے نکل آؤ۔ گدھ تجھ سے ڈر کر بھاگ جائیں گے اور تو پہاڑ

پر سے نیچے دیکھ کر مجھ سے بات کیجنو تا کہ میں تجھے بتا دوں کہ تجھے کیا کرنا ہے۔ اس کے بعد اس نے تینوں نکلیاں اور ایک کونہ پانی کا اس کے ساتھ کھال میں رکھ دیا اور کھال کو سی دیا۔ سفید گدھوں نے آکر اسے اٹھا لیا اور اڑ کر پہاڑ پر پہنچے اور اسے وہاں رکھ دیا۔ جب حسن کو یقین ہو گیا کہ گدھوں نے اسے پہاڑ پر رکھ دیا ہے تو اس نے کھال چاک کر دی اور اس میں سے نکل کر مجوسی کو آواز دی۔ اس کی آواز سن کر مجوسی اتنا خوش ہوا کہ مارے خوشی کے ناچنے لگا اور کہا کہ پیچھے کی طرف جا اور جو کچھ تجھے نظر پڑے مجھ سے کہہ۔ حسن نے جا کر دیکھا کہ بہت سی سڑی ہوئی ہڈیاں پڑی ہیں اور ان کے پاس بہت سی لکڑیاں۔ اس نے مجوسی سے کہا کہ اسے یہ یہ چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ مجوسی بولا کہ بس یہی میرا مقصد ہے۔ ان لکڑیوں کے چھ گٹھر باندھ کر میرے پاس پھینک دے۔ انہی سے ہم کیمیا بناتے ہیں۔ جب حسن نے چھ گٹھر پھینک دیئے اور مجوسی نے دیکھ لیا کہ وہ اس کے پاس پہنچ گئے ہیں تو وہ حسن سے کہنے لگا کہ اے موت کے شکار، جو میری ضرورت تجھ سے تھی وہ پوری ہو گئی، اب خواہ تو پہاڑ پر بیٹھا رہ اور خواہ زمین پر کود اور مر جا۔ یہ کہہ کر مجوسی چلتا بنا۔ حسن نے لاحول پڑھی اور کہا کہ یہ کتا میرے ساتھ چال چل گیا اور بیٹھ کر اپنے اوپر واویلا کرنے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو چوراسی ویں رات

سات سو چوراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- حسن نے لاجول پڑھ کر کہا کہ اس مردود کتے کی چال مجھ پر چل گئی۔ اور وہ کھڑا ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کبھی پہاڑ پر ادھر جاتا، کبھی ادھر، اسے یقین تھا کہ اب میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ اسی اثنا میں جب وہ پہاڑ کی دوسری طرف پہنچا تو اس نے دیکھا کہ پہاڑ سے ملا ہوا ایک نیلا سمندر ہے جو پہاڑ کے برابر موجیں مار رہا ہے۔ وہ بیٹھ کر جو کچھ قرآن میں سے یاد تھا، پڑھنے لگا اور خدا سے مدد مانگی کہ میری مشکل آسان کر دے۔ خواہ موت سے یا ان مصیبتوں کے چھٹکارے سے۔ پھر خود اپنے اوپر جنازے کی نماز پڑھ کر سمندر میں کود پڑا۔ موجوں نے اسے لے جا کر خدا کی قدرت سے صحیح و سلامت خشکی پر پہنچا دیا۔ اس نے خدا کی تعریف کی، شکر بجا لایا اور اٹھ کر کھانے کی کوئی چیز ڈھونڈنے لگا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں مجوسی نے اسے کھال میں سیا تھا۔ آگے بڑھا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک بڑے اونچے محل کے پاس جا نکلا۔ یہ وہی محل تھا جس کے بارے میں اس نے مجوسی سے پوچھا تھا اور اس نے کہا تھا کہ اس میں میرا ایک دشمن رہتا ہے۔ حسن اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس محل میں ضرور جانا چاہیے۔ ممکن ہے کہ وہاں پہنچ کر مجھے خوشی حاصل ہو۔ اس نے دیکھا کہ محل کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور وہ داخل ہو گیا۔ اندر جا کر اس نے دیکھا کہ ایک چوکی پر دو لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں جو چاند کی طرح ہیں۔ ان کے بیچ میں شطرنج کی بساط بچھی ہوئی ہے اور وہ کھیل رہی ہیں۔ ان میں سے ایک نے سر اٹھایا اور مارے خوشی کے چلا اٹھی کہ خدا کی قسم! یہ انسان ہے اور میرے خیال میں یہ وہی ہے جسے مجوسی بہرام، اس سال لایا ہو گا۔ اس کی باتیں سن کر حسن ان کے آگے گر پڑا اور زار زار رونے لگا اور کہا کہ اے پری زادو خدا کی قسم میں بیچاہ وہی ہوں۔

اب چھوٹی لڑکی نے اپنی بڑی بہن سے کہا کہ بہن! تو گواہ رہیو کہ میں خدا سے عہد و پیمان کرتی ہوں کہ یہ میرا بھائی ہے، اس کی موت میری موت ہے اور اس کی زندگی میری زندگی۔ اس کی خوشی میری خوشی اور اس کا غم میرا غم۔ یہ کہہ کر وہ اٹھی اور اسے گلے لگا کر بوسہ دیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی بہن کے ساتھ ساتھ محل میں داخل ہوئی۔ اس کے پٹھے پرانے کپڑے اتار کر شاہانہ پوشاک لائی اور اسے پہنائی اور طرح طرح کے کھانے تیار کر کے اس کے آگے رکھے۔ اس نے اس کی بہن نے حسن کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا اور اس سے کہا کہ جب سے تو اس کافر جادوگر کے پنجے میں پھنسا ہے اس وقت سے لے کر اس سے چھٹکارا پانے تک کی داستان سنا۔ اس کے بعد ہم بھی سنائیں گے کہ ہمیں اس کے ساتھ شروع سے لے کر آخر تک کیا پیش آیا تاکہ اگر تو پھر اسے دیکھے تو اس سے خبردار رہے۔ ان کی یہ باتیں سن کر اور ان کی آؤ بھگت دیکھ کر حسن کی جان میں جان آئی اور اس کے ہوش و حواس درست ہوئے اور اس نے اپنا قصہ شروع سے لے کر آخر تک سنا دیا۔ لڑکیوں نے کہا کہ تو نے اس سے محل کے بارے میں بھی پوچھا تھا؟ اس نے جواب دیا، ہاں پوچھا تھا اور اس نے جواب دیا تھا کہ میں اسے پسند نہیں کرتا کیونکہ اس میں شیطان اور ابلیس رہتے ہیں۔ یہ سن کر لڑکیاں طیش میں آ گئیں اور کہنے لگیں کہ یہ کافر ہمیں شیطان اور ابلیس کہتا ہے؟ حسن نے جواب دیا کہ ہاں چھوٹی لڑکی جو حسن کی بہن بنی تھی بولی کہ قسم ہے خدا کی میں اسے ایسی بری مار ماروں گی کہ پھر اسے دنیا کی ہوا نصیب نہ ہو۔ حسن نے پوچھا کہ تیری پہنچ اس تک کیسے ہو گی اور تو اسے کس طرح قتل کرے گی؟ وہ تو بڑا مکار جادوگر ہے۔ اس نے جواب دیا کہ وہ شید نامی باغ میں رہتا ہے اور میں اسے عنقریب مار ڈالوں گی۔ اس کی بہن بولی کہ حسن سچ کہتا ہے اور جو کچھ بھی اس نے اس کتے کے بارے میں کہا ہے ٹھیک ہے لیکن اسے ہماری داستان بھی سنا دے تاکہ وہ بھی اس کے ذہن میں رہے۔

اب چھوٹی بہن نے بیان کرنا شروع کیا کہ اے میرے بھائی! ہم شنوائیاں ہیں اور ہمارا

باپ جنوں کا ایک عظیم الشان بادشاہ ہے اور اس کے پاس دیوؤں کا بہت بڑا لشکر ہے۔ خدا نے اسے ایک ہی بیوی سے سات بیٹیاں دی ہیں اور اس میں اتنی غیرت اور رشک اور حمیت ہے کہ اس نے ہماری شادی بھی اب تک کسی سے نہیں کی۔ ایک بار اس نے اپنے وزیروں اور مصاحبوں کو اکٹھا کر کے پوچھا کہ تم مجھے کسی ایسی جگہ کا پتہ دے سکتے ہو جہاں تک کسی کی رسائی نہ ہو سکتی ہو نہ انسانوں کی اور نہ جنات کی اور جہاں بہت سے درخت اور میوے اور چشے ہوں؟ انہوں نے کہا کہ جہاں پناہ! تو اسے کیا کرے گا؟ اس نے جواب دیا کہ میں اپنی ساتوں بیٹیوں کو وہاں رکھنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ جیلِ سحاب کا محل ان کے لئے مناسب ہو گا جسے ان جنوں میں سے ایک جن نے بنایا تھا جنہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی نافرمانی کی تھی۔ جب سے وہ مارا گیا ہے اس میں کوئی نہیں رہا۔ نہ انسان نہ جن کیونکہ وہ اتنی دور ہے کہ کسی کی پہنچ نہیں۔ اس کے ارد گرد درخت اور پھل اور چشے ہیں جن کا پانی شد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ سرد ہے۔ اگر کسی کو کوڑھ وغیرہ ہو اور وہ اس پانی کو پی لے تو فوراً اچھا ہو جاتا ہے۔ جب ہمارے باپ نے یہ سنا تو ہمیں اس محل میں بھیج دیا اور ہمارے ساتھ بڑا لاؤ لشکر کر دیا اور ضرورت کی ہر چیز مہیا کر دی۔ جب وہ سوار ہونا چاہتا ہے تو ڈھول بجتا ہے اور ساری فوجیں آ کر اس کے پاس حاضر ہو جاتی ہیں اور ان میں سے چن لیتا ہے کہ کون کون اس کے ساتھ سوار ہوں باقی لوگ لوٹ جاتے ہیں اور جب ہمارا باپ چاہتا ہے کہ ہم اس کی خدمت میں حاضر ہوں تو وہ اپنے ماتحت جادوگروں کو حکم دیتا ہے کہ ہمیں آ کر لے جائیں اور وہ ہمارے پاس آ کر ہمیں اس کی خدمت میں لے جاتے ہیں تاکہ وہ ہمیں دیکھ کر خوش ہو اور ہمیں جس چیز کی ضرورت ہو پوری ہو جائے۔ اس کے بعد ہم اس جگہ واپس آ جاتے ہیں۔ ہماری باقی پانچ بہنیں بھی یہیں ہیں جو اس وقت جنگل میں شکار کھیلنے گئی ہیں کیونکہ یہاں بے شمار جنگلی جانور ہیں۔ ہم میں سے دو باری باری کھانا پکانے کے لئے یہاں ٹھہر جاتی ہیں۔ آج میری اور میری بہن کی باری ہے اور ہم کھانا پکانے کے لئے ٹھہرے

ہیں۔ ہم خدا سے دعا مانگ رہے تھے کہ وہ کسی انسان کو یہاں بھیج دے تاکہ ہم اس کے ساتھ بیٹھ کر خوش ہوں۔ اس کا شکر ہے کہ اس نے تجھے ہمارے پاس بھیج دیا۔ خوش اور دل شاد ہو، تجھے یہاں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔

یہ سن کر حسن خوش ہو گیا اور کہنے لگا کہ شکر ہے خدا کا کہ اس نے مجھے چھٹکارے کے راستے پر لگا دیا اور اپنے بندوں کے دلوں کو میری طرف سے نرم کر دیا۔ اب اس کی بہن اٹھی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایک کمرے میں لے گئی اور وہاں سے ایسے ایسے لباس اور فرش نکال کر لائی جو دنیا میں کسی کے پاس نہ ہوں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی بہنیں بھی سیر و شکار سے لوٹیں اس نے ان سے حسن کا ذکر کیا۔ وہ بھی خوش ہوئیں اور کمرے میں جا کر اسے سلام کیا اور اس کی سلامتی پر مبارکباد دی۔ حسن ان کے ساتھ بڑے عیش و عشرت سے رہنے لگا، ان کے ساتھ سیر و شکار کو جاتا اور شکار مار کر ذبح کرتا۔ غرض کہ بہت جلد وہ ان سے مانوس ہو گیا اور ان کے ساتھ اس طرح اس جگہ رہتے رہتے اس کے بدن میں توانائی بھی آ گئی، رنگ روپ نکل آیا۔ وہ ان کے ساتھ اس خوبصورت محل کی سیر کرتا، باغوں اور پھولوں کے مزے لیتا اور وہ اس کی خاطر تواضع کرتیں، بات چیت سے اس کا دل بہلاتیں۔ اس سے اس کے دل کی گھبراہٹ جاتی رہی اور لڑکیاں بھی اس کی وجہ سے خوش و خرم رہنے لگیں۔ جتنی ان کو اس سے خوشی ہوتی تھی اس سے زیادہ اسے ان سے۔ اس کے بعد چھوٹی بہن نے اپنی بہنوں سے بہرام مجوسی کا قصہ بیان کیا اور کہا کہ اس نے ہمیں شیطان اور ابلیس اور بھوت بتایا ہے اس پر سب نے قسم کھا کر کہا کہ ہم اسے بے قتل کئے نہ مانیں گے۔ جب دوسرا سال ہوا تو وہ ملعون ایک خوبصورت مسلمان جو ان کو ساتھ لے آیا جو چاند کا نکلڑا تھا اس کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور وہ سخت تکلیف میں تھا۔ حسن درختوں کے نیچے ایک چشمے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی حسن کا دل دھڑکنے لگا۔ اس کا رنگ فق ہو گیا اور وہ ہاتھ ملنے لگا۔

اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• سات سو پچاسی ویں رات

جب سات سو پچاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- مجوسی کو دیکھ کر حسن سنار کا دل دھڑکنے لگا، اس کا رنگ فق ہو گیا اور وہ ہاتھ ملنے لگا اور اس نے لڑکیوں سے کہا کہ بہنو! خدا کے لئے اس ملعون کو قتل کرنے میں میری مدد کرو۔ دیکھو یہ آگیا ہے اور تمہارے قبضے میں ہے۔ اس کے ساتھ ایک جوان مسلمان قیدی ہے جو کسی بڑے آدمی کا لڑکا معلوم ہوتا ہے۔ مجوسی اسے سخت تکلیف پہنچا رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے قتل کروں تاکہ میرا دل ٹھنڈا ہو جائے اور جو ان کو اس کے ہاتھ تکلیف سے چھٹکارا ملے۔ میں ثواب لوں اور مسلمان جوان اپنے وطن واپس جا کر اپنے بھائیوں اور رشتے داروں اور دوستوں سے ملے۔ یہ تمہاری طرف سے خیرات ہو گی اور خدا تمہیں اس کا اجر دے گا۔ لڑکیاں بولیں کہ اے حسن! تیرا اور خدا کا حکم سر آنکھوں پر یہ کہہ کر انہوں نے اپنے چروں پر نقابیں ڈالیں اور ہتھیار لگا کر کمرے سے تلواریں باندھ لیں اور حسن کے لئے بہترین گھوڑا منگوا کر اس پر چارجامہ کسا اور حسن کے عمہ ہتھیار باندھے اس کے بعد سب چل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ مجوسی ایک اونٹ کو ذبح کر کے اس کی کھال کھینچ چکا ہے اور جوان کو سخت تکلیف دے رہا ہے کہ اس کی کھال کے اندر گھس، اتنے میں حسن پیچھے سے آ پہنچا۔ مجوسی کو اس کی خبر تک نہ ہوئی اور اس زور سے للکارا کہ اس کی عقل جاتی رہی، وہ بدحواس ہو گیا اب حسن نے آگے بڑھ کر کہا، اے ملعون اے خدا اور مسلمانوں کے دشمن اے کتے، اے دھوکے باز، اے آتش پرست، اے گنہگاروں کے راستے پر چلنے والے اپنا ہاتھ روک۔ کیا تو آگ اور روشنی کی پرستش کرتا اور دھوپ چھاؤں کی قسم کھاتا ہے؟

مجوسی نے مڑ کر دیکھا اور جونہی اس کی نظر حسن پر پڑی۔ وہ کہنے لگا کہ بیٹا! تو کیسے

چھوٹ کر زمین پر اتر آیا ہے؟ حسن نے جواب دیا کہ اے کافر زندیق! مجھے اس نے چھڑایا ہے جو تیری جان اسی طرح تیرے دشمنوں کے ہاتھ سے لے گا جس طرح تو نے مجھے راستے بھر تکلیفیں پہنچائی ہیں۔ اب تو مصیبت میں آ پھنسا ہے اور راستہ بھول گیا ہے، اب نہ ماں تجھے فائدہ پہنچا سکتی ہے، نہ بھائی نہ دوست، نہ کوئی پکا عہد و پیمان، تیرا ہی قول ہے کہ جو کوئی روٹی اور نمک میں خیانت کرتا ہے، خدا اس کا بدلہ لیتا ہے۔ تو نے روٹی اور نمک میں خیانت کی ہے اس لئے خدا نے تجھے میرے ہاتھ میں دے دیا ہے اور اب تیرا چھٹکارا مجھ سے ناممکن ہے۔ مجوسی نے کہا کہ بیٹا! خدا کی قسم میں تجھے اپنی جان اور اپنی آنکھوں کی روشنی سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔

حسن نے کچھ نہ سنا، بڑھ کر اس پھرتی سے اس کی گدی پر وار کیا کہ تلوار چمکتی ہوئی اس کی گردن کے آر پار ہو گئی اور خدا نے اس کی روح فوراً دوزخ میں پہنچا دی جو بری رہنے کی جگہ ہے۔ اس کے بعد حسن نے وہ تھیلا لیا جو مجوسی کے پاس تھا اور اسے کھول کر اس میں سے طبلہ اور ڈوری نکالی اور ڈوری سے طبلہ بجایا۔ اس پر تین اونٹنیاں بجلی کی طرح حسن کے پاس آ پہنچیں اس نے جوان کی مشکلیں کھول کر اسے ایک اونٹنی پر بٹھا دیا اور دوسری پر کھانے پینے کا سامان باندھ کر اس سے کہا کہ اپنے وطن جا۔ جونہی خدا نے اسے حسن کی بدولت تکلیف سے نجات دی وہ روانہ ہو گیا۔ جب لڑکیوں نے دیکھا کہ حسن نے مجوسی کی گردن اڑا دی ہے تو وہ مارے خوشی کے اس کے ارد گرد پھرنے لگیں اور انہیں اس کی بہادری اور قوت پر بڑا تعجب ہوا۔ انہوں نے اس کی کارگزاری پر اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کی سلامتی پر مبارکباد دی اور کہا کہ اے حسن تو نے وہ کام کیا جس سے بیمار شفا پاتے ہیں اور خدا خوش ہوتا ہے۔ اب وہ لڑکیوں کو لے کر محل میں گیا اور ان کے ساتھ کھانے پینے، ہنسی مذاق میں مشغول ہو گیا اور ان کی صحبت میں اسے اتنا مزہ آیا کہ وہ اپنی ماں کو بھول گیا۔

وہ ان کی صحبت کے مزے اڑا ہی رہا تھا کہ اتنے میں جنگل کی طرف سے ایسی گرد

اٹھتی دکھائی دی کہ چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ لڑکیوں نے کہا کہ اے حسن، اٹھ اور اپنے کمرے میں جا کر چھپ جا، ورنہ باغ میں جا کر درختوں اور انگور کی بیلوں میں چھپ رہ لیکن ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ حسن جا کر اپنے کمرے میں چھپ رہا اور اسے اندر سے بند کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد گرد چھٹی اور اس میں سے متلاطم سمندر کی طرح ایک زبردست لشکر نکلا جو اس بادشاہ کے پاس سے آیا تھا جو ان لڑکیوں کا باپ تھا۔ جب لشکر وارد ہوا تو لڑکیوں نے انہیں بہترین جگہ ٹھہرایا اور تین روز تک ان کی دعوت کی پھر ان سے خیریت اور خبر پوچھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم بادشاہ کے پاس سے تمہیں لینے آئے ہیں۔ لڑکیوں نے پوچھا کہ بادشاہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک بادشاہ کے ہاں جشن منایا جا رہا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ تم بھی آ کر اس میں شریک ہو۔ لڑکیوں نے پوچھا کہ ہمیں کتنے دن لگیں گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جانا آنا دو دو مہینے، لڑکیاں اٹھ کر محل میں حسن کے پاس گئیں اس سے سارا ماجرا بیان کر کے کہا کہ یہ مکان تیرا مکان ہے اور ہمارا گھر تیرا گھر ہے۔ تو خوش اور اطمینان سے رہو، ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس جگہ آ سکے۔ ہر قسم کا سامان یہاں موجود ہے۔ ہم اپنے کمروں کی کنجیاں تیرے پاس چھوڑ جاتے ہیں لیکن بھائی تجھے بھائی چارے کی قسم! فلاں دروازے کو نہ کھولیو کیونکہ اس کا کھولنا تیرے لئے بیکار ہے۔ یہ کہہ کر وہ حسن سے رخصت ہوئیں اور لشکر کے ساتھ روانہ ہو گئیں۔ حسن محل میں اکیلا رہ گیا اور ان کی جدائی کی وجہ سے گھبرانے لگا۔ محل باوجود اتنا بڑا ہونے کے اسے تنگ معلوم ہوتا تھا۔ اسے وحشت ہونے لگی۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو چھیاسی ویں رات

سات سو چھیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- لڑکیوں کے چلے جانے کے بعد جب حسن اکیلا رہ گیا تو اس کی طبیعت گھبرانے لگی۔ وہ اکیلا سیر و شکار کے لئے جاتا، شکار مار کے اسے ذبح کرتا اور اکیلا کھاتا۔ جب تنہائی کی وجہ سے اسے وحشت اور گھبراہٹ ہونے لگی تو وہ اٹھ کر چاروں طرف گھومنے لگا۔ دل بہلانے کی غرض سے اس نے لڑکیوں کے کمرے کھولے اور دیکھا کہ ان میں اتنی دولت بھری پڑی ہے کہ جس کا حساب عقل بھی نہیں کر سکتی لیکن لڑکیوں کے نہ ہونے کی وجہ سے اسے اس کا کوئی مزا نہ آیا۔ جس دروازے کے بارے میں اس کی بہن نے کہا تھا اسے ہرگز نہ کھلیو بلکہ اس کے پاس تک نہ پھٹکیو اس کے لئے حسن کے دل میں ایک آگ سی لگی ہوئی تھی اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ میری بہن نے اس دروازے کو نہ کھولنے کے لئے ضرور اس وجہ سے کہا ہو گا کہ اس میں کوئی ایسی چیز ہے جو وہ نہیں چاہتی کہ کوئی دیکھے۔ قسم ہے خدا کی کہ میں اسے کھول کر دیکھوں گا کہ اس میں کیا چیز ہے۔ خواہ موت ہی کیوں نہ ہو۔ یہ کہہ کر اس نے کنجی سے وہ کوٹھڑی کھولی اور دیکھا کہ اس میں مال و دولت کچھ بھی نہیں لیکن غور جو کیا تو اندر ایک زینہ دکھائی دیا جو سلیمانی پتھر کا بنا ہوا تھا۔ اس زینے پر چڑھ کر وہ محل کی چھت پر پہنچ گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ انہوں نے بس اسی لئے مجھے منع کیا تھا، اب وہ چھت پر گھومنے لگا اور اس نے دیکھا کہ محل کے نیچے بہت سے کھیت اور باغ اور درخت اور پھول اور جانور اور چڑیاں ہیں جو چھچھا رہی ہیں اور کیلتا اور زبردست خدا کی پاکی بیان کر رہی ہیں۔ وہ ان سیر گاہوں کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ اسے بہت بڑا موزن سمندر دکھائی دیا۔

وہ اس محل کے ارد گرد چکر لگاتے لگاتے ایک بیٹھک کے پاس پہنچا جس کے نیچے چار کھبے

تھے اور اوپر ایک چبوترا جس میں یاقوت اور زمرد اور بلخش اور طرح طرح کے جواہرات کے نقش و نگار تھے اور ایک ایک اینٹ سونے، چاندی، یاقوت اور زمرد کی تھی۔ اس بیٹھک کے بیچ میں ایک حوض تھا جس میں پانی بھرا ہوا تھا جس کے ارد گرد صندل اور عود کی چوکھٹوں میں سرخ سونے اور ہرے زمرد کی جالیاں لگی ہوئی تھیں جن میں کبوتر کے انڈوں کے برابر طرح طرح کے ہیرے اور موتی جڑے ہوئے تھے حوض کے ایک طرف عود کا ایک تخت پڑا ہوا تھا جو موتی اور جواہرات سے مرصع تھا۔ کندن کی جالیاں تھیں اور رنگ برنگ کے جواہرات سے ایسا جڑاؤ کہ آدمی دیکھا کرے۔ حوض کے چاروں طرف چٹیاں مختلف آوازوں سے گا رہی تھیں اور ان کی خوش الحانی اور چہچہے اللہ اللہ۔ اپنی اپنی بولیوں میں خدا کی پاکی کے نغمے گائے جا رہے تھے۔ اس محل کا جواب نہ کسریٰ کے پاس ہو گا نہ قیصر کے پاس۔ حسن اسے دیکھ کر دنگ ہو گیا اور بیٹھ کر اپنے ارد گرد نظر دوڑانے لگا۔

وہ بیٹھا ہوا اس کی خوبصورتی پر تعجب کر رہا تھا کہ اس نے دیکھا، جنگل سے محل کی طرف دس چٹیاں آئیں۔ حسن سمجھا کہ وہ حوض پر پانی پینے آ رہی ہیں۔ وہ اس ڈر سے چھپ گیا کہ کہیں اسے دیکھ کر بھڑک نہ جائیں۔ اب چٹیاں اتر کر ایک خوبصورت درخت کے گرد پھدکنے لگیں۔ حسن نے دیکھا کہ ان میں ایک چٹیا اوروں سے بہت زیادہ خوبصورت ہے۔ جس کے ارد گرد دوسری چٹیاں چڑیوں کی طرح ٹہل کر رہی ہیں۔ حسن کو بڑی حیرت تھی کہ وہ چٹیا باقی نو چڑیوں پر چونچ مارتی اور ان پر اپنی بڑائی جتاتی ہے اور وہ اس سے بھاگتی ہیں۔ حسن دور کھڑا ہوا یہ تماشا دیکھتا رہا۔ اب وہ ساری چٹیاں تخت پر بیٹھ گئیں اور بنجوں سے اپنی اپنی کھالیں پھاڑنے لگیں۔ اور پروں کا لباس اتار کر دس پاکیزہ لڑکیاں بن گئیں۔ جن کے حسن کے آگے چاند بھی مات تھا۔ برہنہ ہو کر وہ سب حوض میں اتریں اور نہانے کھیلنے اور ہنسی مذاق کرنے لگیں۔ سردار چٹیا انہیں دھکیلتی اور ڈبکیاں دیتی۔ اور وہ اس سے بھاگتیں، مگر ان کی یہ مجال نہ ہوتی

کہ اس کی طرف ہاتھ بڑھائیں۔ حسن اس کو دیکھتے ہی لٹو ہو گیا، اس کے حواس جاتے رہے اور اسے یقین آ گیا کہ لڑکیوں نے اسی وجہ سے منع کیا تھا کہ میں اس دروازے کو نہ کھولوں۔ اس کی رعنائی باکی ادا اور حسن کا انداز دیکھ کر حسن کی طبیعت بے چین ہو گئی۔ دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ کھڑا دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا اور یہ حسرت کرنے لگا کہ کاش وہ ان کے ساتھ ہوتا! ہوش ٹھکانے نہ تھے، کلیجہ دھڑک رہا تھا، آنکھ دیکھنے میں محو تھی اور تن بدن میں ایک آگ سی لگی ہوئی تھی اور اس کا نفس برے کام کا حکم دے رہا تھا۔ وہ اس نوبہار حسن کی گل چینی کے اشتیاق میں رونے لگا اور سر سے پاؤں تک بھٹی بن گیا اور ایسے شعلے اٹھنے لگے جن کا بجھانا مشکل پڑ گیا۔ عشق نے ایسے ٹوکے لگائے جن کا اثر چھپائے نہ چھپ سکا۔ اب لڑکیاں حوض سے باہر آئیں۔ حسن انہیں دیکھ رہا تھا، مگر وہ اسے نہ دیکھ سکتی تھیں۔ پانی سے نکل کر سب نے اپنے اپنے کپڑے اور زیور پہن لئے، بڑی نے ایک سبز پوشاک زیب جسم کی اور وہ دنیا کے تمام حسینوں سے حسین تر معلوم ہونے لگی اور چال کی لچک میں وہ ٹہنیوں پر سبقت لے گئی اور عقل اسے دیکھ کر دنگ رہ گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو ستاسی ویں رات

سات سو ستاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- بڑی لڑکی کا حسن و جمال دیکھ کر حسن کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ جب لڑکیاں اپنے کپڑے پن چکیں تو بیٹھ کر باتیں چیتیں اور ہنسی مذاق کرنے لگیں، حسن کھڑا ہوا انہیں دیکھ رہا تھا اور اپنے عشق کے سمندر میں غرق تھا اور اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ خدا کی قسم میری بہن نے انہی لڑکیوں کی وجہ سے مجھ سے کہا تھا کہ میں ان دروازوں کو نہ کھولوں تاکہ کہیں میں ان میں سے کسی سے پھنس نہ جاؤں۔ اب حسن اس کے ایک ایک عضو کو دیکھنے لگا۔ اس کا منہ سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کی طرح تھا، کالے کالے بال جیسے عاشق کے اوپر ہجر کی رات، پیشانی رمضان کی عید کا چاند، آنکھیں جیسے غزالوں کی آنکھیں، ناک ستواں اور چمک دار، دونوں رخسار شقائق النعمان، دونوں ہونٹ مرجان، دانت موتی کی لڑی، گلابید کی شاخ کے اوپر چاندی کا ڈالا۔ رانیں موٹے موٹے مرمر کے ستونوں کی طرح، جیسے شترمرغ کے پروں سے بھرے ہوئے دو تکیے۔ یہ لڑکی بید کی شاخوں اور خیزراں کی چھڑیوں سے بھی زیادہ خوبصورت تھی۔ لڑکیاں خوش فعلیاں کرتی رہیں اور حسن برابر کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ وہ کھانا پینا تک بھول گیا تھا۔ یہاں تک کہ عصر کا وقت آگیا اور اس لڑکی نے اپنی ہم جولیوں سے کہا کہ اے شہزادیو! رات ہونے کو آئی، ہمارا ملک دور ہے اور ہم یہاں بیٹھے بیٹھے تھک بھی گئے ہیں چلو اب ہم گھر چلیں۔ سب نے اٹھ کر پروں کی پوشاک پن لی اور پہلے کی طرح چڑیاں بن کر ایک ساتھ اڑ گئیں۔ آس پاس دوسری تھیں اور بیچ میں وہ لڑکی۔ جب حسن ان سے ناامید ہو گیا تو اس نے چاہا کہ اٹھ کر نیچے اترے لیکن اس میں اٹھنے تک کی سکت نہ تھی۔ آنسو اس کے رخسار پر بہہ رہے تھے۔ بہر حال حسن آہستہ آہستہ چلنے لگا اور الٹا سیدھا چلتے چلتے محل کے نیچے اترا اور بڑی مشکل سے کوٹھڑی کے دروازے تک پہنچا

اور اندر جا کر اسے بند کر لیا اور بیمار ہو کر لیٹ گیا، نہ کھاتا نہ پیتا بلکہ فکر میں ڈوبا رہتا۔ پھر وہ رونے پینے لگا اور رات بھر روتا بیٹھا رہا۔ جب صبح ہوئی، سورج نکلا تو اس نے کوٹھڑی کا دروازہ کھولا اور اسی جگہ پہنچا جہاں وہ کل گیا تھا اور اسی منظر کے سامنے رات تک بیٹھا رہا لیکن کوئی چٹیا نہ آئی وہ زار زار رونے لگا۔ یہاں تک کہ غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو گھٹتا ہوا محل کے نیچے اترا۔ رات ہو گئی تھی اور ہر چیز اسے کلٹے کو دوڑتی تھی۔ وہ رات بھر برابر روتا اور آہ و زاری کرتا رہا۔ یہاں تک کہ سویرا ہو گیا۔ ٹیلوں پر اور گھائیوں میں دھوپ نکل آئی وہ نہ کھاتا، نہ پیتا، نہ سوتا نہ اسے چین آتا بلکہ دن بھر پریشان رہتا اور رات بھر بیدار، مغموم اور بے چین -----

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو اٹھاسی ویں رات

سات سو اٹھاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، نیک نہاد بادشاہ ----- جب حسن سار کا عشق بہت زیادہ بڑھ گیا تو وہ برابر اشعار پڑھا کرتا اور چونکہ وہ محل میں اکیلا تھا اس کا دل ہرگز نہ بہلتا۔ وہ اسی پریشانی میں تھا کہ اسے جنگل کی طرف سے گرد اٹھتی دکھائی دی۔ وہ نیچے آ کر چھپ گیا اور اسے یقین ہوا کہ محل والے آ گئے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد لشکر اتر کر محل کے آس پاس پھیل گیا اور ساتوں لڑکیاں اتر کر محل کے اندر آئیں اور اپنے ہتھیار اور جنگی لباس اتار ڈالے لیکن چھوٹی لڑکی نے اپنی جنگی وردی نہ اتاری بلکہ اسی طرح حسن کے کمرے میں گئی۔ اسے وہاں نہ پایا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اسے ایک دوسری کوٹھڑی میں دیکھا۔ وہ کمزور اور دبلا نظر آتا تھا۔ اس کا جسم سوکھ کر کالٹا ہو گیا تھا۔ ہڈیاں دکھائی دیتی تھیں، رنگ زرد پڑ گیا تھا، آنکھیں دھنس گئی تھیں۔ لڑکی سے اسے اتنی محبت ہو گئی کہ کھانا پینا چھوٹ گیا تھا اور آنسو جاری تھے۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر بڑی بہن گھبرا گئی، اس کے ہوش اڑ گئے۔ اس نے پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے اور کس مصیبت میں گرفتار ہے۔ بھائی! کہہ تو سہی تا کہ میں تیرا علاج کروں اور تجھ پر فدا ہو جاؤں۔ اس کے جواب میں حسن بلک بلک کر رونے لگا۔ حیران ہو کر اس کی بہن بولی، بھائی! تو اس مصیبت میں کب سے گرفتار ہے اور یہ بلا تجھ پر کب سے نازل ہوئی؟ کیونکہ میں دیکھتی ہوں کہ تو اشعار پڑھتا ہے اور تیرے آنسو برابر جاری ہیں۔ بھائی! تجھے خدا کی قسم اور اس محبت کا واسطہ جو ہمارے درمیان ہے، اپنا حال کہہ اور اپنے بھید سے مجھے مطلع کر اور مجھ سے کچھ نہ چھپا جو میری غیر موجودگی میں تجھ پر گزرا ہے کیونکہ تیری وجہ سے میں پریشان ہوں اور میری زندگی دوبھر ہو گئی ہے۔ یہ سن کر اس نے ٹھنڈا سانس بھرا، اس کے آنسو اور زیادہ بہنے لگے اور اس نے کہا بہن میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں تجھ سے کہوں گا تو تو میرے مقصد کے

حاصل کرنے میں میری مدد نہ کرے گی اور مجھے چھوڑ دے گی اور میں اپنے غم سے مر جاؤں گا۔ اس نے کہا کہ بھائی، میں تجھے ہرگز نہ چھوڑوں گی خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔ یہ سن کر اس نے سارا ماجرا اور دروانہ کھولنے کے بعد جو کچھ دیکھا تھا، بیان کر دیا اور کہا کہ تمام مصیبت اور بلا اس لڑکی کی محبت اور عشق کی وجہ سے پیش آئی ہے جسے میں نے دیکھا ہے اور یہ کہ دس دن سے میں نے نہ کھایا ہے نہ پیا ہے۔ یہ کہہ کر اس کی ہچکی لگ گئی۔ اسے اس طرح بے تحاشا روتا دیکھ کر اس کی بہن بھی رو پڑی اور اس کی حالت پر غمگین ہو گئی اور اس کی غربت پر اسے ترس آنے لگا۔ اس نے کہا کہ بھائی خوش ہو اور غم مت کر کیونکہ تیرے مقصد کے حاصل ہونے میں میں دل و جان سے کوشش کروں گی اور اپنی جان لڑا دوں گی اور کوئی نہ کوئی ترکیب ڈھونڈ نکالوں گی، خواہ اس میں میری جان اور میرا مال ہی کیوں نہ صرف ہو جائے۔ انشاء اللہ لیکن بھائی میرا مشورہ مان، میری بہنوں پر یہ راز نہ کھلنے پائے۔ اگر تو نے ان میں سے کسی سے بھی کہا تو میری اور تیری دونوں کی جان جائے گی۔ اگر وہ تجھ سے پوچھیں کہ تو نے دروانہ کھولا تو کہیو بالکل نہیں، میں محض اس وجہ سے پریشان خاطر ہوں کہ تم مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھیں اور میں محل میں اکیلا بیٹھا تمہارا انتظار کر رہا تھا۔

حسن نے کہا یہ بہت ٹھیک ہے اور اس کے سر کو بوسہ دیا۔ وہ خوش ہو گیا اور اس کی گھبراہٹ جاتی رہی۔ اب تک تو وہ اپنی بہن سے ڈر رہا تھا کہ اس نے دروانہ کیوں کھولا اور مارے ڈر کے مرا جا رہا تھا لیکن اب اس کی جان میں جان آ گئی اور اس نے اپنی بہن سے کھانا مانگا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر غمگین اور روتی ہوئی اپنی بہنوں کے پاس چلی گئی۔ انہوں نے اس کی خیریت پوچھی اور اس نے جواب دیا کہ میں اپنے بھائی کی وجہ سے سخت پریشان ہوں کیونکہ وہ بیمار ہے اور دس دن سے اس کے پیٹ میں کوئی دانہ نہیں اترتا۔ انہوں نے اس کی بیماری کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا کہ سبب یہی

ہے کہ ہم اسے اکیلا چھوڑ کر چلے گئے اور ہماری غیر موجودگی کے دن اس پر ہزار سال سے بھی زیادہ سخت گزرے۔ اس میں اس کی کوئی خطا نہیں کیونکہ وہ پردیسی ہے اور اکیلا، اور ہم اسے تنہا چھوڑ کر چل دیئے اور اس کے پاس کوئی نہ تھا جو اس کا دل بہلاتا اور اسے گھبرانے نہ دیتا۔ بہر حال وہ ابھی کم سن جوان ہے اور جب کبھی وہ اپنے خاندان والوں اور خاص کر اپنی بوڑھی ماں کو یاد کرتا ہے تو اسے خیال ہوتا کہ وہ دن رات رو رو کر گزارتی ہو گی اور غمگین رہتی ہو گی اور محض ہماری محبت سے اسے ذرا ڈھارس سی بندھی رہتی ہے۔ اس کی یہ باتیں سن کر اس کی بہنیں بھی رونے لگیں اور انہیں اس پر بڑا ترس آیا اور کہنے لگیں کہ واللہ وہ معذور ہے اب لشکر کو رخصت کر کے وہ حسن کے پاس گئی اور اسے سلام کیا اور دیکھا کہ اس کی خوبصورتی ماند پڑ گئی ہے، رنگ زرد ہو گیا اور جسم گھل گیا ہے۔ ان کا دل بھر آیا، اس کے پاس بیٹھ کر باتوں سے اس کی پریشانی دور کرنے اور اس کا دل بہلانے لگیں اور اس سے وہ تمام عجیب و غریب باتیں بیان کیں جو انہوں نے دیکھی تھیں اور دولہا اور دلہن میں پیش آئی تھیں۔ اسی طرح پورے ایک مہینے تک وہ اس کی دل جوئی کرتی رہیں، مگر مرض روز بروز بڑھتا گیا جب کبھی وہ اسے اس حالت میں دیکھتیں تو آنسو بہائے بغیر نہ رہتیں اور چھوٹی لڑکی سب سے زیادہ روتی۔ مہینہ گزرنے کے بعد لڑکیوں کا جی سیر و شکار کے لئے چاہنے لگا اور جب انہوں نے پکا ارادہ کر لیا تو اپنی چھوٹی بہن سے کہا کہ تو بھی ہمارے ساتھ سوار ہو کر چل، لیکن اس نے کہا کہ بہنو! واللہ جب تک میرا بھائی اچھا نہ جائے اور اس کی بیماری جاتی نہ رہے میں اسے اس حالت میں چھوڑ کر تمہارے ساتھ نہیں چل سکتی بلکہ اس کے پاس ٹھہر کر اس کا دل بہلانا چاہتی ہوں۔ یہ سن کر انہوں نے اس کا شکریہ ادا کیا کہ وہ بڑی بامروت ہے اور کہا کہ جو بھلائی بھی تو اس پردیسی کے ساتھ کرے گی، تجھے اس کا اجر ملے گا یہ کہہ کر انہوں نے بہن کو اس کے پاس رہنے دیا اور بیس دن کا توشہ لے کر سوار ہو گئیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• سات سو نواسی ویں رات

سات سو نواسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- لڑکیاں اپنی چھوٹی بہن کو محل میں حسن کے پاس چھوڑ کر سیر و شکار کے لئے سوار ہو گئیں۔ جب وہ محل سے دور گئیں اور اس کی بہن کو یقین ہو گیا کہ اب وہ دور نکل گئی ہیں تو اس نے اپنے بھائی کے پاس آ کر کہا کہ بھائی! اٹھ کر مجھے وہ جگہ دکھا جہاں تو نے لڑکیوں کو دیکھا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ برو چشم۔ بسم اللہ۔ وہ اس کی باتیں سن

کر خوش ہوا اور اسے یقین آ گیا کہ اب میری مراد برآنیہ گی۔ اب وہ چاہتا ہی تھا کہ اسے وہ جگہ دکھائے لیکن اس میں چلنے کی بالکل سکت نہ تھی۔ اس لئے اسے لڑکی اپنی گود میں اٹھا کر لے گئی اور زینے کا دروانہ کھول کر محل کے اوپر چڑھ گئی اور پہنچ کر حسن نے وہ مقام اور بیٹھک کا حوض دکھایا جہاں اس نے لڑکیوں کو دیکھا تھا۔ اس کی بہن نے کہا کہ بھائی! اب یہ بتا کہ وہ کس طرح سے آئی تھیں؟

حسن نے جو کچھ دیکھا تھا، بیان کر دیا۔ خاص کر اس لڑکی کے متعلق جس پر وہ عاشق ہو گیا تھا۔ اس کی تعریف سن کر لڑکی سمجھ گئی کہ وہ کون ہے اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور حالت دگرگوں ہو گئی۔ اس نے کہا کہ بہن! تیرا چہرہ کیوں اتر گیا اور تیری حالت ابتر کیوں ہو گئی۔ وہ بولی کہ بھائی! سن۔ یہ لڑکی جنوں کے بادشاہوں میں سے عظیم الشان بادشاہ کی بیٹی ہے جس کی حکومت انسانوں اور جنوں اور جادوگروں اور کاہنوں اور قبیلوں اور اقلیموں اور ملکوں اور بہت سے جزیروں پر ہے اور جس کے پاس بہت مال و دولت اور لشکر ہے۔ ہمارا باپ بھی اس کے نوابوں میں سے ایک نواب ہے۔ اس کے پاس اتنی زیادہ فوجیں اور اتنا بڑا ملک اور اتنی زیادہ دولت ہے کہ کسی کا بس اس پر نہیں چلتا۔ اس نے اپنی اولاد کے لئے جو وہی لڑکیاں ہیں جنہیں تو نے دیکھا ہے ملک کا اتنا بڑا حصہ الگ کر دیا ہے جس کی لمبائی چوڑائی سال سال بھر کے راستے کی ہے

اور جس کے ارد گرد ایک بڑا سمندر ہے وہاں تک کسی کی پہنچ نہیں نہ انسان کی نہ جن کی۔ اس کے پاس پچیس ہزار لڑکیوں کا ایک لشکر ہے جو شمشیر زن اور نیزہ زن ہیں۔ جن میں سے ہر ایک ایسی ہے کہ جب وہ ہتھیار باندھ کر گھوڑے پر سوار ہوتی ہے تو ہزار بہادر سواروں کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ اس کی سات بیٹیاں ہیں جو بہادری اور شہسواری میں دوسری لڑکیوں سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہیں۔ اس نے اپنے ملک کے اس حصے کی حکومت اپنی بڑی بیٹی کو دے رکھی ہے جو ساتوں میں بڑی ہے اور اتنی بہادر اور شہسوار اور مکار اور سیاست دان اور جادوگر ہے کہ اس کے ملک کے تمام لوگ بھی اسے زیر نہیں کر سکتے اور جو لڑکیاں اس کے ساتھ تھیں وہ اس کی دباری اور سردار اور مصاحب ہیں۔ جن پروں کی کھالوں کو وہ پہن کر اڑتی ہیں وہ جن جادوگروں کی بنائی ہوئی ہیں۔ اگر تو چاہتا ہے کہ اس لڑکی کو اپنے بس میں لا کر اس سے شادی کرے تو یہاں ٹھہر کر اس کا انتظار کر کیونکہ وہ ہر چاند ”رات کو یہاں آتی ہے جب ان لڑکیوں کو تو دوبارہ دیکھے تو چھپ جائیو۔ اس طرح سے کہ وہ تجھے نہ دیکھ سکیں ورنہ ہم سب کی جان جائے گی۔ میری بات پلے باندھ اور اسے اچھی طرح یاد کر لے۔ ان کے قریب کسی ایسی جگہ بیٹھ کر انتظار کر کہ وہ تیری آنکھوں سے اوجھل نہ ہوں۔ جب وہ اپنے کپڑے اتار ڈالیں تو اس لڑکی کے کپڑوں پر نگاہ جمائے رہو جو سب سے بڑی ہے اور جسے تو چاہتا ہے اور آنکھ بچا کر انہیں اٹھا لیجیو مگر اور کسی کے نہ اٹھائیو کیونکہ وہ اپنے ہی کپڑے پہن کر وطن جا سکتی ہے۔ اگر کپڑے تیرے قبضے میں آ گئے تو لڑکی بھی تیرے قبضے میں آ جائے گی لیکن خبردار اس کی باتوں میں نہ آ جائیو کیونکہ وہ کہے گی کہ اے فلاں، جس نے میرے کپڑے چرائے ہیں مجھے واپس کر دے اور میں تیرے پاس تیری ہو کر رہوں گی۔ اگر تو نے لوٹا دیئے تو وہ تجھے مار ڈالے گی اور ہمارا محل غارت کر دے گی اور ہمارے باپ کو قتل کر دے گی، بس سمجھ جا کہ تیری کیا گت بنے گی۔ جب اس کی بہنیں دیکھیں گی کہ اس کے کپڑے چوری ہو

گئے ہیں تو وہ اسے اکیلا چھوڑ کر اڑ جائیں گی۔ اس وقت تو اس کے پاس جانیو اور اس کے بال پکڑ کر خوب کھینچیں۔ جب تو اس طرح اسے کھینچے گا تو اس کے جادو کا زور ٹوٹ جلیگا اور وہ تیرے بس میں آ جائے گی۔ اس کے بعد پروں والا لباس حفاظت سے رکھیں۔ جب تک وہ تیرے قبضے میں رہے گا، وہ بھی تیری قید میں رہے گی کیونکہ بغیر اس لباس کے اپنے ملک کو اڑ کر نہیں جاسکتی۔ جب تو لڑکی کو پکڑ لے تو اسے اٹھا کر اپنے کمرے میں لے جانیو لیکن اس سے یہ نہ کہیں کہ تو نے اس کے کپڑے لئے ہیں۔

اپنی بہن کی باتیں سن کر حسن کو اطمینان ہوا اور ڈر جاتا رہا اور رنج و غم دور ہو گیا اور اس نے اٹھ کر اپنی بہن کا سر چوما اور دونوں محل پر سے اتر کر اپنی اپنی خوابگاہوں میں چلے گئے۔ حسن رات بھر اپنے دل پر جبر کئے بیٹھا رہا۔ جب سویرا ہوا تو اٹھا اور دروانہ کھول کر اوپر چڑھ گیا اور بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ جب بیٹھے بیٹھے عشا کا وقت ہو گیا تو اس کی بہن اس کے لئے کچھ کھانا پینا لائی اور اس کے کپڑے بدلے اور وہ سو گیا۔ ہر روز اس کا یہی دستور تھا۔ یہاں تک کہ چاند نکلا اور چاند دیکھتے ہی وہ ان کا انتظار کرنے لگا۔ وہ اسی انتظار میں تھا کہ لڑکیاں بجلی کی طرح آنچلیں اور انہیں دیکھتے ہی وہ ایسی جگہ جا کر چھپ گیا جہاں سے وہ انہیں دیکھ سکے، مگر وہ اسے نہ دیکھ سکیں۔ اب چڑیاں اتریں اور ان میں سے ہر ایک الگ الگ بیٹھ گئی۔ انہوں نے اپنے اپنے کپڑے اتار ڈالے اور اسی طرح اس لڑکی نے بھی، جسے وہ چاہتا تھا اور اپنی بہنوں کے ساتھ حوض میں اتر گئی۔ اب حسن اٹھا اور چپکے چپکے آہستہ آہستہ بڑھلا۔ خدا نے اس کی پردہ پوشی کی اور اس نے اس کے کپڑے اٹھا لئے۔ کسی ایک لڑکی کی بھی نظر اس پر نہ پڑی بلکہ وہ آپس میں کھیلی اور چہلیں کرتی رہیں۔ جب وہ فارغ ہوئیں تو باہر آئیں اور ہر ایک نے اپنا اپنا پروں کا لباس پہن لیا۔ اس کی محبوبہ بھی اپنا چولا پہننے آئی لیکن اسے نہ پایا، وہ چیخنے چلانے اور اپنا منہ پیٹنے لگی اور اپنے کپڑے

پھاڑ ڈالے۔ اس کی بہنوں نے آ کر پوچھا تو اس نے کہا کہ میرے پروں کا لباس کوئی اٹھا لے گیا ہے۔ یہ سن کر وہ بھی رونے پٹینے اور منہ پر طمانچے مارنے لگیں۔ جب رات ہوئی تو وہ اس کے ساتھ ٹھہر نہ سکتی تھیں اس لئے انہوں نے اسے محل کے اوپر چھوڑ دیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو نوے ویں رات

سات سو نوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- لڑکی کی بہنیں اسے اکیلا چھوڑ کر اڑ گئیں۔ جب حسن نے دیکھا کہ وہ اڑ گئیں، اب نظر نہیں آتیں اور لڑکی اکیلی رہ گئی تو اس نے اسے یہ کہتے سنا کہ اے وہ شخص جو میرے کپڑے لے گیا ہے اور مجھے ننگا کر گیا ہے، میں تجھ سے درخواست کرتی ہوں کہ میرا چولا مجھے واپس دے دے اور میرے بدن کو چھپا، خدا تجھے وہ حسرت نہ دے جو اس نے مجھے دی ہے۔ جب حسن نے اس کی باتیں سنیں تو اس کی محبت کے مارے اس کی عقل جاتی رہی اور اس کا عشق دوبالا ہو گیا اور اس سے صبر نہ ہو سکا اور وہ دوڑ کر اس کے پاس گیا۔ جھپٹ کر اسے پکڑ لیا اور اپنی طرف کھینچا اور اسے لے کر محل کے نیچے اترا اور اپنے کمرے میں لے جا کر اپنی عبا اس پر ڈال دی۔ وہ روتی جاتی اور دانتوں سے اپنے ہاتھ کاٹتی جاتی تھی۔ حسن اسے بند کر کے اپنی بہن کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ وہ میرے ہاتھ آگئی ہے میں کامیاب ہو گیا ہوں اسے اپنے کمرے میں لے آیا ہوں اور اس وقت وہ میرے کمرے میں بیٹھی دانتوں سے اپنے ہاتھ کاٹ رہی ہے۔ یہ سن کر اس کی بہن اٹھی اور جا کر کمرے کے اندر داخل ہوئی اور دیکھا کہ وہ غم زدہ بیٹھی رو رہی ہے، اس کے آگے زمین چوم کر اسے سلام کیا۔ لڑکی نے کہا کہ اے شہزادی! کیا تم جیسے لوگ شہزادیوں کے ساتھ ایسی ناشائستہ حرکت کرتے ہیں؟ تجھے معلوم ہے کہ میرا باپ ایک بہت بڑا بادشاہ ہے اور تمام جن بادشاہ اس سے ڈرتے ہیں اور اس کا لوہا مانتے ہیں۔ اس کے پاس اتنے جادوگر اور حکیم اور کاہن اور شیطان اور دیو ہیں کہ کسی کا زور اس کے اوپر نہیں چلتا۔ اس کے ماتحت اتنی مخلوقات ہیں کہ جنگی گنتی سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔ اے شہزادیو! یہ تمہارے لئے کہاں

تک زیبا ہے کہ تم انسانوں کو اپنے یہاں پناہ دو اور ان سے اپنا اور ہمارا حال کہہ دو، ورنہ یہ انسان یہاں آیا کیسے؟ حسن کی بہن بولی کہ اے شہزادی! یہ انسان مروت کا پکا ہے اور وہ کوئی برا کام نہیں چاہتا، اسے تجھ سے محبت ہو گئی ہے اور عورتیں تو مردوں ہی کے لئے پیدا ہوئی ہیں۔ اگر وہ تجھ پر عاشق نہ ہوتا تو تیری وجہ سے وہ بیمار نہ پڑتا اور تیری محبت میں اس کی جان نہ جاتی۔ غرض کہ اس نے وہ تمام باتیں اس سے کہہ دیں جو حسن نے اپنے عشق کے بارے میں اس سے کہی تھیں کہ لڑکیاں کس طرح اڑتی ہوئی آئیں اور نہائیں اور اسے ان میں سے سوائے تیرے کوئی پسند نہ آئی کیونکہ وہ سب تیری کنیریں تھیں، تو انہیں حوض میں ڈبکیاں دیتی تھی لیکن ان کی مجال نہ تھی کہ وہ اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھائیں۔

یہ باتیں سن کر اسے رہائی کی امید بالکل جاتی رہی۔ اب حسن کی بہن اٹھی اور جا کر اس کے لئے ایک نفیس پوشاک لائی اور اسے پہنا کر اس کے لئے کھانا پینا لائی اور دونوں نے بیٹھ کر کھایا اور لڑکی کے دل کو اطمینان ہوا اور اس کا ڈر جاتا رہا۔ حسن کی بہن برابر نرمی سے باتیں کرتی جاتی اور کہتی کہ رحم کر کے اسے ایک نظر دیکھ لے کیونکہ وہ تیری محبت کا مارا ہے۔ وہ اسے ڈھارس دیتی اور راضی کرتی اور اچھی اچھی باتیں کرتی لیکن لڑکی برابر روئے جاتی۔ جب سویرا ہوا تو اسے ذرا تسکین ہوئی اور اس نے رونا بند کیا اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ پھنس گئی ہے، چھٹکارا ناممکن ہے اور وہ حسن کی بہن سے کہنے لگی کہ اے شہزادی! اگر میری قسمت میں یہی لکھا ہے کہ میں پردیس میں رہوں اور اپنے وطن اور خاندان والوں اور بہنوں کو چھوڑ دوں تو خدا کے حکم پر صبر ہی کرنا بہتر ہے۔ اب حسن کی بہن نے اس کے لئے ایک کمرہ خالی کر دیا جس سے زیادہ خوبصورت محل میں نہ تھا۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر برابر اس کی دل داری کرتی، اس کا غم غلط کرتی یہاں تک کہ وہ مان گئی۔ اسے اطمینان ہو گیا اور وہ ہنسنے لگی اور جو رنج و غم اسے اپنے خاندان والوں اور وطن اور بہنوں اور ماں باپ

اور ملک سے جدائی سے ہوا تھا، جاتا رہا۔ اب حسن کی بہن اٹھ کر حسن کے پاس گئی اور اس سے کہا کہ اس کے کمرے میں جا کر اس کے ہاتھ پاؤں چوم، حسن نے جا کر ایسا ہی کیا اور اس کے بعد اس کی پیشانی کو بوسہ دے کر کہا، اے حسنین کی سرتاج اور روحوں کی جان اور دیکھنے والوں کی مسرت، اطمینان رکھ میں نے تجھے محض اس واسطے لیا ہے کہ قیامت تک میں تیرا غلام رہوں اور میری بہن تیری لونڈی۔ اے میری روح رواں، میرا ارادہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ خدا اور رسول کے طریقے کے موافق، میں تجھ سے نکاح کروں اور اپنے وطن جا کر ہم دونوں بغداد میں رہیں اور میں تیرے لئے غلام اور باندیاں خریدوں، میری ماں جو بہترین عورت ہے، تیری خدمت کرے۔ ہمارا ملک دنیا میں سب سے اچھا ہے اور جو کچھ اس میں ہے، کسی اور ملک میں نہیں اور وہاں کے لوگ اچھے اور خوبصورت ہوتے ہیں۔

وہ اس قسم کی باتیں کر کے اس کا دل بہلانا چاہتا تھا اور وہ اس سے بات تک نہ کرتی تھی کہ کسی نے محل کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ حسن نکل کر باہر گیا اور دیکھا کہ لڑکیاں سیر و شکار سے آگئی ہیں۔ انہیں دیکھ کر وہ خوش ہو گیا اور خوش آمدید کہہ کر انہیں سلام کیا انہوں نے اسے اور اس نے انہیں سلامتی اور خیر و عافیت کی دعا دی۔ اس کے بعد وہ گھوڑوں پر سے اتر کر محل میں آئیں اور اپنے اپنے کمروں میں داخل ہو گئیں اور میلے کچیلے کپڑے اتار کر خوبصورت پوشاکیں پہنیں اور ہرن، نیل گائے، خرگوش اور بچو وغیرہ جو جو شکار مار کر لائی تھیں۔ ان میں سے ایک حصہ ذبح کرنے کے لئے دے دیا اور باقی کو اپنے پاس محل میں رہنے دیا۔ حسن کمرے چھری ہاتھ میں لئے ذبح کرتا جاتا تھا اور وہ کھیل کود رہی اور خوش ہو رہی تھیں۔ اس سے فارغ ہو کر وہ کھانا پکانے میں لگ گئیں۔ حسن نے بڑھ کر بڑی لڑکی کے سر کو بوسہ دیا، اسی طرح وہ ایک ایک کر کے سب کا سر چومتا اور وہ کہتیں کہ بھائی تو ہمارے ساتھ بہت انکسار کرتا ہے اور ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ تجھے ہم سے اتنی محبت کیوں ہے؟ بھائی تجھے ایسا ہرگز نہ چاہئے بلکہ یہ عاجزی تو ہمیں کرنی چاہئے، کیونکہ تو انسان ہے اور انسان ہم

سے برتر ہے کیونکہ ہم جن ہیں۔ یہ سن کر اس کی آنکھیں ڈبڈبائیں اور وہ زور زور سے رونے لگا۔ انہوں نے پوچھا کہ خیر تو ہے، تو کیوں روتا ہے؟ تیرے رونے سے ہماری خوشی مٹی میں مل جاتی ہے۔ غالباً تو اپنی ماں اور وطن کی تمنا رکھتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو ہم ابھی تیار ہو کر تجھے تیرے وطن دوستوں کے پاس پہنچائے آتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں تم سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔ وہ بولیں کہ ہم میں سے کس نے تجھے پریشان کر رکھا ہے کہ تو اتنا غمگین ہے؟ حسن کو جواب میں یہ کہتے شرم محسوس ہوئی کہ مجھے اس لڑکی کی محبت نے پریشان کر رکھا ہے کیونکہ وہ ڈرتا تھا کہ کہیں وہ برا نہ مان جائیں۔ یہ سوچ کر وہ چپ ہو گیا اور اپنی حالت ان پر بالکل ظاہر نہ کی۔ اب اس کی بہن اٹھی اور کہنے لگی کہ اس نے ایک اڑتی ہوئی چڑیا پکڑی ہے اور چاہتا ہے کہ تم اس چڑیا کے سدھارنے میں اس کی مدد کرو۔ سب نے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ہم سب تیری خدمت کے لئے حاضر ہیں اور تیرا ہر حکم ماننے کے لئے تیار ہیں لیکن اپنا ماجرا تو بیان کر اور اپنی حالت ہم سے بالکل مت چھپا۔ اس نے اپنی بہن سے کہا کہ میرا قصہ انہیں سنا دے کیونکہ میں ان سے شرماتا ہوں اور ان کے آگے ایسی باتیں بیان نہیں کر سکتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو اکیانوے دیں رات

جب سات سو اکیانوے دیں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- حسن نے اپنی بہن سے کہا کہ تو ہی سنا دے کیونکہ میں ان کے آگے ایسی باتیں کرتا شرما ہوں۔ اس کی بہن بولی کہ بہنو! جب ہم اس بے چارے کو یہاں اکیلا چھوڑ کر چلے گئے تھے تو وہ محل کے اندر گھبرانے لگا اور اسے ڈر لگا کہ کہیں کوئی گھس نہ آئے۔ تمہیں معلوم ہے کہ انسانوں کی عقل کم ہوتی ہے۔ اس لئے جب وہ اکیلا بیٹھے بیٹھے گھبرایا تو اس دروازے کو کھول کر جو اوپر کی طرف جاتا ہے چھت پر چڑھ گیا اور وہاں بیٹھ کر گھاٹی کی سیر کرنے لگا لیکن دروازے کی طرف برابر دیکھتا رہا کہ کہیں کوئی محل میں نہ گھس آئے۔ ایک دن وہ بیٹھا ہوا تھا کہ دس چڑیاں محل میں اتریں اور پھرتے پھرتے حوض پر آ بیٹھیں۔ اس نے دیکھا کہ ان میں سے ایک چڑیا ان سب سے زیادہ خوبصورت ہے اور وہ ان سب کے چونچیں مارتی ہیں لیکن کسی کی مجال نہیں ہوئی کہ اسے ٹھونگ تک لگائے۔ اس کے بعد وہ اپنے پنجے گریبان کے پاس لے گئیں اور پروں کے لباس کھول کر اس میں سے نکل آئیں اور ہر ایک ان میں سے ایک ایسی لڑکی بن گئی جیسے چودھویں رات کا پورا چاند۔ حسن ان کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ وہ کپڑے اتار کر پانی کے اندر گئیں اور کھیلنے کودنے لگیں بڑی لڑکی انہیں غوطے دیتی، مگر کوئی اسے ہاتھ نہ لگا سکتی۔ اس کا چہرہ سب سے زیادہ خوبصورت تھا اور جسم سب سے زیادہ سڈول اور پوشاک سب سے زیادہ صاف ستھری، حسن کھڑا ہوا انہیں اس حالت میں برابر دیکھتا رہا کہ عصر کا وقت ہو گیا اور انہوں نے حوض میں سے نکل کر اپنے کپڑے پہنے اور پروں کا لباس پہن کر ایک ساتھ اڑ گئیں۔ بڑی لڑکی کی وجہ سے اس کے دل میں ایک آگ بھڑک اٹھی اور اسے افسوس ہوا کہ اس نے اس کا پروں

کا لباس کیوں نہیں چرا لیا۔ اس پر وہ بیمار پڑ گیا اور محل کے اوپر بیٹھے بیٹھے ان کا انتظار کرنے لگا اور کھانا پینا بند اور سونا سوگند ہو گیا۔ چاند رات تک اس کی یہی حالت رہی کہ موافق دستور کے وہ پھر آئیں اور اپنے کپڑے اتار کر حوض میں چلی گئیں اب اس نے بڑی لڑکی کا چولا چرا لیا اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ ان کے بغیر نہیں اڑ سکتی تو اسے لے کر چھپا دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں خبر ہو جائے اور وہ مجھے مار ڈالیں۔ جب باقی چڑیاں اڑ گئیں تو وہ نکلا اور لڑکی کو پکڑ کر محل پر سے نیچے لے آیا۔

اس کی بہنوں نے پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس کے پاس فلاں کمرے میں۔ انہوں نے کہا کہ بہن ذرا اس کی تعریف تو بیان کر۔ وہ بولی کہ وہ چودھویں رات کے چاند سے زیادہ حسین ہے اور اس کا چہرہ سورج سے زیادہ چمک دار ہے، اس کا لعاب شہد سے زیادہ میٹھا ہے، اس کا قد بید سے زیادہ لچک دار ہے، اس کی آنکھیں کالی کالی ہیں اور چہرہ آب دار اور پیشانی چمک دار اور سینہ جیسے جوہر اور دونوں پستانیں جیسے انار اور دونوں رخسار جیسے سیب، اس کے پیٹ میں شکنیں پڑی ہوئی ہیں اور اس کی ناف ہاتھی دانت کا ڈبہ ہے جس میں مشک بھرا ہوا ہو، اس کی پنڈلیاں ایسی ہیں جیسے مرمر کے دو کھبے، سرمئی آنکھوں اور پتلی کمر اور بھاری کولہوں اور میٹھی میٹھی باتوں سے وہ دلوں پر قبضہ کر لیتی ہے۔ یہ تعریف سن کر لڑکیوں نے حسن کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ہمیں لے چل اور دکھا۔ وہ گرتا پڑتا انہیں لے گیا اور اس کمرے کو کھولا جس میں شنرا دی تھی اور آگے آگے اس میں داخل ہوا۔ جب ان کی نظر اس پر پڑی تو انہوں نے دیکھا کہ وہ کیسی حسین ہے تو وہ اس کے آگے زمین چومنے لگیں اور اس کی ظاہری اور باطنی خوبصورتی پر متعجب ہوئیں اور اسے سلام کر کے کہا کہ اے بڑے بادشاہ کی بیٹی! یہ عجیب بات ہے لیکن اگر تو اس انسان کی تعریف عورتوں سے سنے تو عمر بھر تعجب کرے۔ وہ تجھ سے بے حد محبت کرتا ہے لیکن اے شنرا دی! وہ کوئی بری حرکت نہیں کرنا چاہتا بلکہ حلال طریقے سے تیرا طالب ہے۔ اگر ہمیں معلوم

ہوتا کہ لڑکیاں مردوں سے مستغنی ہیں تو ہم اسے باز رکھتے۔ بجائے اس کے وہ تیرے پاس کوئی قاصد بھیجے‘ وہ خود آیا ہے۔ اس نے ہم سے کہا ہے کہ اس نے پروں کا لباس جلا دیا ورنہ وہ ہم اس سے لے لیتے۔ اب ان میں سے ایک لڑکی شہزادی کی مرضی سے اس کی وکیل بن گئی اور اس کا نکاح حسن سے کرا دیا۔ حسن نے اس سے مصافحہ کیا اور انہوں نے شہزادیوں کی خلق کے موافق جشن منایا۔ اب اسے اس سے اور زیادہ محبت ہو گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• سات سو بانوے دیں رات

جب سات سو بانوے دیں رات ہوئی تو اس نے کہا، اعلیٰ حضرت جب تخت کی رات ختم ہوئی اور صبح کو دولہا دلہن دونوں خوش خوش اٹھے تو حسن کی محبت پہلے سے دوبالا تھی۔ وہ اپنے جملہ عروسی سے نکلا تو شنزادی کی تعریف میں اشعار پڑھتا ہوا۔ لڑکیاں تو دروازے پر ہی کھڑی تھیں۔ اشعار سن کر کہنے لگیں کہ اے شنزادی! سن کہ یہ انسان تیری تعریف کس طرح شعر میں کرتا ہے۔ شنزادی یہ سن کر باغ باغ ہو گئی۔ حسن نے چالیس دن اس کے ساتھ بڑے مزے سے گزارے اور لڑکیاں روز اس کی دعوتیں کرتیں۔ اس کو نئے نئے تحفے دیتیں اور وہ ان کے درمیان بڑا خوش و خرم رہتا۔ شنزادی بھی ان کے ساتھ رہ کر اتنی خوش ہوئی کہ اپنے لوگوں کو بھول گئی۔

چالیس دن کے بعد حسن نے خواب میں اپنی ماں کو دیکھا۔ کہ وہ اس کے لئے غمگین ہے، اس کی ہڈیاں نکل آئی ہیں اور بدن گھل گیا ہے اور حال سے بے حال ہو گئی ہے لیکن وہ خود بڑی اچھی حالت میں ہے۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر ماں نے کہا کہ اے حسن! میرے بیٹے، تو دنیا کے عیش میں پڑ کر مجھے کیوں بھول گیا؟ دیکھ تیرے پیچھے میرا کیا حال ہوا ہے، میں تجھے بھولی نہیں اور مرتے دم تک میری زبان تیرا ذکر نہ چھوڑے گی۔ میں نے گھر میں تیری قبر بنا رکھی ہے تاکہ تجھے کبھی نہ بھولوں۔ کاش میں اتنے دنوں زندہ رہوں کہ تجھے اپنے پاس دیکھ لوں اور ہم پہلے کی طرح مل جائیں!“ آنکھ کھلی تو آنسو اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ وہ بے حد غمگین تھا، ماں کی یاد اسے تڑپا رہی تھی۔ لاکھ کروٹیں بدلیں، پھر بھی نیند نہ آئی۔ جب سویرا ہوا تو لڑکیاں دستور کے موافق اس کے پاس آئیں اور اسے صبح بخیر کہا اور حسب معمول اس سے مذاق کرنے لگیں۔ لیکن وہ بالکل متوجہ نہ ہوا۔ انہوں نے اس کی بیوی سے

پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس کی حالت پوچھ۔ وہ اس کے پاس گئی اور کہا کہ اے میرے شوہر! خیریت تو ہے؟ اس نے ٹھنڈا سانس بھر کر اس سے اپنا خواب بیان کر دیا۔ بیوی نے ان سے وہ باتیں کہہ دیں جو اس نے کہی تھیں۔ یہ سن کر لڑکیوں کو اس کے حال پر ترس آ گیا۔ انہوں نے کہا کہ بسم اللہ چل ہم تجھے ماں کی زیارت سے روک نہیں سکتے، بلکہ جس طرح ہم سے ہو سکے گا تیری مدد کریں گے تاکہ تو اپنی ماں سے ملے۔ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ تو ہم سے بھی ملتا رہے۔ خواہ سال میں ایک بار ہی کیوں نہ ہو۔ بالکل ہم میں جدائی نہ ہو جائے۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں پر۔ لڑکیوں نے فوراً اٹھ کر راہ کا توشہ اس کے لئے تیار کیا اور اس کی دلہن کو گہنوں اور پوشاکوں میں ایسی ایسی بیش بہا چیزوں کا جینز دیا جس کی تعریف نہیں ہو سکتی اور حسن کو ایسے ایسے تحفے تحائف دیئے جنہیں لکھنے سے قلم عاجز ہے۔

اس کے بعد انہوں نے طبلہ بجایا اور ہر طرف سے اونٹنیاں آ پہنچیں۔ ان میں سے انہوں نے اتنی اونٹنیاں چن لیں جو سارا جینز لے جا سکیں۔ اب انہوں نے لڑکی اور حسن کو سوار کیا اور ان کے ساتھ پچیس تخت سونے کے اور پچاس چاندی کے کر دیئے اور تین دن تک ان کے ساتھ گئیں اور تین مہینے کی راہ طے کی۔ اس کے بعد انہوں نے دونوں کو رخصت کر کے لوٹنے کا قصد کیا۔ لیکن اس کی چھوٹی بہن اس کے گلے لپٹ کر اتنی روئی کہ اسے غش آ گیا۔ جب اسے پھر ہوش آیا تو وہ اس سے رخصت ہوئی اور اس سے تاکید کر دی کہ جب تجھے ماں سے مل کر تسلی ہو جائے تو ہر چھٹے مہینے مجھ سے ملنے ضرور آئیو اور اس سے یہ بھی کہا کہ جب تجھے کوئی خطرناک بات پیش آئے اور تجھے اس سے ڈر لگے تو مجھ سے طبلہ بجائیو تو یہی اونٹنیاں حاضر ہو جائیں گی اور تو ان پر سوار ہو کر ہمارے پاس آجائیو۔ حسن نے اس کی قسم کھالی اور انہیں قسم دی کہ وہ لوٹ جائیں۔ وہ اس سے رخصت ہو کر لوٹ گئیں لیکن اس کی جدائی پر

بے حد غمگین تھیں اور سب سے زیادہ غم اس کی چھوٹی بہن کو تھا، اسے بالکل قرار اور چین نہ آتا تھا بلکہ وہ دن رات روتی رہتی۔

یہ تو لڑکیوں کا قصہ ہوا۔ اب حسن کا ماجرا سنو۔ وہ دن رات اپنی بیوی کے ساتھ جنگل، بیابان اور گھاٹیاں اور پہاڑیاں طے کرتا صحیح و سلامت بھرے پہنچ گیا اور وہاں سے روانہ ہو کر اونٹنیوں کو اپنے گھر کے دروازے پر لا بٹھایا اور آگے بڑھ کر دروانہ کھولنے ہی والا تھا کہ اس نے سنا کہ اس کی ماں زخمی دل سے آہستہ آہستہ رو رہی ہے۔ ماں کو روتے سن کر حسن بھی رونے پٹنے لگا اور زور سے دروازے پر دستک دی ماں نے پوچھا کہ دروازے پر کون ہے؟ اس نے کہا کہ کھول تو سہی۔ ماں دروانہ کھول کر اسے دیکھنے لگی اور پہچان کر بے ہوش گئی۔ حسن اسے پیار کرنے لگا، یہاں تک کہ اسے ہوش آیا اور دونوں نے ایک دوسرے کو گلے لگا لیا اور ماں اسے بوسے دینے لگی۔ اس کے بعد حسن اپنا سارا ساز و سامان مکان کے اندر لانے لگا اور لڑکی کھڑی اسے اور اس کی ماں کو دیکھتی رہی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو ترانوںے دیں راتے

جب سات سو ترانوںے دیں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- حسن اور اس کی ماں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے اور ماں نے کہا بیٹا! عجی کے ساتھ تیری کیسی گزری؟ وہ بولا کہ اماں وہ عجی تو مجوسی نکلا جو خدا کو چھوڑ کر آگ کی پرستش کرتا تھا۔ یہ کہہ کر اس نے اس کی ساری حرکتیں بیان کیں کہ اس نے مجھے لے جا کر اونٹ کی کھال میں بند کیا اور اسے سی دیا، چڑیاں مجھے وہاں سے اٹھا لے گئیں اور پہاڑ کے اوپر جا کر اتار دیا۔ پہاڑ پر میں نے بہت سے انسانوں کی لاشیں دیکھیں جن سے مجوسی اپنا مقصد پورا کرتا اور پھر انہیں وہیں پہاڑ پر پڑا رہنے دیتا۔ وہاں سے میں سمندر میں کود پڑا اور خدا نے مجھے صحیح و سلامت لڑکیوں کے محل تک پہنچا دیا اور ایک لڑکی نے مجھے بھائی بنا لیا اور میں انہی لڑکیوں کے پاس رہ پڑا۔ اس کے بعد پھر وہ مجوسی وہاں پہنچا اور میں نے اسے قتل کر دیا، پھر مجھے اس لڑکی سے عشق ہو گیا اور میں نے اسے پکڑ لیا اور پھر یہ واقعات پیش آئے یہاں تک کہ اب ہم پھر ملے گئے۔

ماں اس کی سرگزشت سن کر حیران ہو گئی اور اس کی سلامتی پر خدا کا شکر بجا لائی اور جا کر سامان دیکھا اور بیٹے سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ جب اس نے بتایا کہ ان میں کیا ہے تو ماں بہت خوش ہوئی اور لڑکی کے پاس چلی گئی تاکہ اس سے ملے۔ جونہی اسکی نظر لڑکی کے چہرے پر پڑی تو اس کا حسن دیکھ کر ہوش جاتے رہے۔ نہال ہو گئی۔ اس کی آنکھ، ناک، قد و قامت بہت پسند آیا۔ اس نے کہا کہ بیٹا خدا کا شکر ہے کہ تو خیریت سے رہا اور خیریت سے لوٹ آیا۔ اس کے بعد وہ لڑکی کے پاس جا بیٹھی اور پیار کی باتیں کر کے اس کا دل بہلانے لگی۔ دوسرے دن صبح کو وہ بازار جا کر دس جوڑے پوشاک کے خرید لائی جن سے بہتر شہر میں نہ تھے اور قالین خریدے اور لڑکی کو پوشاک پہنائی اور خوبصورت گہنوں سے اسے آراستہ کیا۔ پھر وہ اپنے بیٹے

کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ بیٹا! ہم لوگ اتنے مال و دولت کے ساتھ اس شہر میں نہیں رہ سکتے۔ ہم غریب ہیں، لوگ ہم پر کیمیاگری کا الزام لگائیں گے۔ چل ہم چل کر دارالسلام بغداد میں رہیں جو خلافت کی جگہ ہے اور تو وہاں دکان میں بیٹھ کر خرید و فروخت کیجیو اور خدا سے ڈر کر رہو، وہ اس مال میں تجھے برکت دے گا۔

حسن کو اپنی ماں کی رائے ٹھیک معلوم ہوئی اور وہ فوراً اس کے پاس سے اٹھا اور جا کر مکان کو فروخت کر دیا اور اونٹنیوں پر سارا مال متاعِ لادا اور اپنی ماں اور بیوی کو سوار کر کے چل دیا اور چلتے چلتے دجلے پر پہنچا اور ایک کشتی کو بغداد کے لئے کرائے پر لیا اور سارا مال اور سامان اس میں رکھ کر ماں اور بیوی کو اس میں بٹھا دیا اور خود بھی بیٹھ گیا۔ ہوا موافق تھی، کشتی دس دن میں بغداد پہنچ گئی۔ وہاں پہنچ کر وہ سب بہت خوش ہوئے۔ جب کشتی شہر کے اندر داخل ہوئی تو وہ شہر میں اتر پڑے اور ایک سرائے میں ایک کوٹھڑی کرائے پر لی اور کشتی میں سے سارا سامان لاد کر اس میں رکھ دیا۔

سرائے میں اتر کر ایک رات آرام کیا۔ جب سویرا ہوا تو اس نے اپنے کپڑے بدلے اور دلال نے اسے دیکھ کر پوچھا کہ تجھے کس چیز کی ضرورت ہے؟ اس نے کہا کہ میں ایک مکان چاہتا ہوں جو خوبصورت اور بڑا ہو۔ دلال نے اسے تمام مکان دکھائے جو اس کے پاس تھے اور حسن کو ان میں سے ایک گھر پسند آیا جو کسی وزیر کا تھا۔

اس نے اسے ایک لاکھ دینار میں خرید کر اس کی قیمت ادا کر دی۔ اس کے بعد وہ اس سرائے میں آیا جہاں اترا تھا اور وہاں سے سارا مال اور سامان منتقل کر دیا اور پھر بازار جا کر گھر کے لئے ضروری برتن اور فرش وغیرہ خریدا۔ غلام مول لئے، منجملہ ان کے اندر کے لئے ایک غلام بچہ، یہاں اس نے اطمینان سے اپنی بیوی کے ساتھ تین سال تک نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کی اور بیوی سے اس کے دو لڑکے ہوئے جن میں سے ایک کا نام اس نے ناصر رکھا اور دوسرے کا منصور۔

اس مدت کے بعد اسے اپنی بہنوں کی یاد آئی اور یہ سوچ کر کہ ان کا کتنا احسان اس پر ہے۔ اور انہوں نے کس طرح اس کا مقصد حاصل کرنے میں اس کی مدد کی ہے۔

وہ انہیں دیکھنے کا مشتاق ہو گیا اور شہر کے بازار میں جا کر ان کے لئے کچھ گھنٹے اور عمدہ عمدہ کپڑے اور میوے خریدے جو انہوں نے کبھی نہ دیکھے ہوں گے بلکہ انہیں جانتی تک نہ ہوں گی۔ ماں نے ان تحفوں کے خریدنے کا سب پوچھا اس نے کہا کہ میں اپنی بہنوں کے پاس جانے کا ارادہ رکھتا ہوں، جنہوں نے مجھ پر ہر طرح کا احسان کیا ہے اور جو روزی آج مجھے مل رہی ہے، انہی کی عنایت اور احسان کی بدولت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ انہیں جا کر دیکھوں اور اگر خدا کو منظور ہے تو جلد لوٹ آؤں گا۔ ماں بولی کہ بیٹا، دیر نہ کیجیو۔ اس نے کہا اماں تجھے ایک بات جتنی چاہتا ہوں۔ سن جو صندوق زمین میں دفن ہے اس میں اس کا پروں کا لباس ہے اسے حفاظت سے رکھو تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس کے ہاتھ لگ جائے اور وہ اسے پہن کر اڑ جائے اور اپنے بیٹوں کو ساتھ لیتی جائے اور مجھے ان کا پتہ نہ چلے اور میں ان کی وجہ سے مارے غم کے مر جاؤں۔ اماں! خبردار اس سے اس کا ذکر مت کیجیو اور سن، وہ جنوں کے ایک بادشاہ کی بیٹی ہے کوئی جن بادشاہ نہ اس سے بڑا ہے، اور نہ ہی کسی کے پاس اس سے زیادہ لشکر اور مال و دولت ہے اور سن وہ اپنی قوم کی سردار ہے اور اپنے باپ کی سب سے زیادہ چیمٹی ہے۔ وہ بڑی خوددار ہے، اس کی خدمت خود اپنے ہاتھ سے کیجیو اور اسے نہ گھر سے نکلنے دیجیو اور نہ کھڑکی یا دیوار سے جھانکنے دیجیو کیونکہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں اسے ہوا نہ لگ جائے۔ اگر اس کا ذرا بال بھی بیکا ہوا تو میں جان دے دوں گا۔ ماں نے کہا کہ بیٹا خدا نہ کرے کہ میں تیرے کہنے کے خلاف کروں۔ کیا میں پاگل ہو گئی ہوں کہ تیرا کہنا نہ مانوں۔ بیٹا تو بے دھڑک سفر پر جا اور خدا نے چاہا تو جب تو لوٹ کر آئے گا، سب خیریت ہو گی اور تو اسے دیکھے گا اور وہ تجھ سے کہے کہ میں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا لیکن بیٹا آنے جانے میں زیادہ دیر نہ ٹھہریو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو چورانوے ویں رات

جب سات سو چورانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- حسن نے چلتے وقت ماں کو بیوی کے بارے میں سارا دستور العمل بتا دیا۔ خدا کا کرنا کہ اس کی بیوی وہ تمام باتیں سن رہی تھی جو اس نے ماں سے کیں مگر ماں بیٹوں کو اس کی خبر تک نہ تھی۔ اس کے بعد حسن اٹھ کر روانہ ہو گیا اور شہر کے بیچ میں پہنچ کر طلبہ بجایا اور اونٹنیاں آ پہنچیں۔ ان پر اس نے عراق کے تحفوں کے بیس گٹھے لادے اور ماں اور بیوی بچوں سے رخصت ہوا۔ ایک لڑکے کی عمر ایک سال کی تھی اور دوسرے کی دو سال کی۔ اس کے بعد وہ پھر ماں کے پاس گیا اور اسے دوبارہ وہی باتیں سمجھا کر سوار ہو گیا اور اپنی بہنوں کی طرف چل دیا اور دس روز تک دن رات گھاٹیوں اور پہاڑوں اور میدانوں اور پتھریلی زمین پر چلنے کے بعد گیارہویں روز محل میں پہنچ کر بہنوں سے ملا اور جو وہ لایا تھا، انہیں پیش کیا۔ لڑکیاں اسے دیکھ کر خوش ہو گئیں اور اس کی سلامتی پر مبارکباد دی۔ اس کی چھوٹی بہن نے محل کو اندر اور باہر سے آراستہ کیا، سوغاتیں لیں اور اسے پرانے دستور کے موافق ایک کمرے میں اتارا اور اس کی ماں اور بیوی کی خیریت پوچھی۔ اس نے کہا کہ بیوی سے میرے دو بیٹے پیدا ہوئے ہیں۔ اس کی چھوٹی بہن یہ دیکھ کر کہ وہ خوش اور بہ خیریت ہے، بہت خوش ہوئی اور وہ ان کے ساتھ تین مہینے تک دعوتیں کھاتا اور خوشیاں مناتا اور سیر و شکار میں مشغول رہا۔

یہ تو اس کا قصہ ہوا۔ اب اس کی ماں اور بیوی کی داستان سنو۔ حسن کے چلے جانے کے بعد اس کی بیوی دو روز تو اس کی ماں کے ساتھ چپ چاپ ٹھہری رہی لیکن تیسرے روز اس نے کہا کہ سبحان اللہ میں تین سال سے اس کے ساتھ ہوں، مگر آج تک حمام جانا نصیب نہیں ہوا اور رونے لگی۔ ماں کو اس کی حالت پر ترس آیا اور کہنے لگی

کہ بیٹی! ہم لوگ اس جگہ پرہیسی ہیں اور تیرا شوہر شہر کے باہر گیا ہوا ہے، اگر وہ یہاں موجود ہوتا تو تیری خدمت کے لئے حاضر تھا۔ میرا تو حال یہ ہے کہ میں یہاں کسی کو بھی نہیں جانتی بیٹی میں پانی گرم کر کے تیرا سر پیس گھر کے حمام میں دھلائے دیتی ہوں۔ وہ بولی اے میری آقا! اگر تو کسی باندی سے بھی یہ بات کہتی تو وہ ہرگز تیرے پاس نہ ٹھہرتی بلکہ تجھے مجبور کر دیتی کہ تو اسے بازار لے جا کر بیچ ڈالے۔ اے میری آقا! مرد تو اپنی غیرت کی وجہ سے مجبور ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر عورت گھر سے باہر گئی تو وہ ضرور عصمت فروشی کرے گی لیکن اے میری آقا! تمام عورتیں ایک سی نہیں ہوتیں اور تجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اگر عورت کوئی کام کرنا چاہے تو کوئی اسے منع نہیں کر سکتا۔ نہ روک سکتا ہے، نہ بچا سکتا ہے، نہ وہ حمام جانے سے رک سکتی ہے نہ کسی اور کام سے بلکہ جو وہ چاہے کر گزرتی ہے۔ یہ کہہ کر وہ رونے اور اپنے آپ کو کونے اور اپنی غربت پر افسوس کرنے لگی۔ یہ حالت دیکھ کر ساس کو اس پر ترس آ گیا، سمجھ گئی کہ وہ ٹھیک کہتی ہے اور اس نے حمام کی ضروری چیزیں تیار کیں اور بہو کو لے کر حمام گئی۔ جب وہ حمام میں داخل ہوئی اور کپڑے اتارے تو تمام عورتیں اسے دیکھنے، خدا کی پاکی بیان کرنے اور سوچنے لگیں کہ خدا نے یہ کیسی حسین صورت بنائی ہے! جو عورت بھی حمام کے پاس سے گزرتی، اندر جا کر تماشا دیکھتی۔ اس طرح سارے شہر میں یہ خبر پھیل گئی عورتوں کے ٹھٹ لگ گئے راستہ رک گیا۔

اتفاق کی بات ہے کہ اس روز امیر المومنین ہارون الرشید کی ایک کنیز بھی ادھر سے گزری جس کا نام تحفۃ العواہہ تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ ہزاروں آدمی کھڑے ہیں، حمام آنے جانے کا راستہ بند ہے تو اس کا سبب پوچھا لوگوں نے لڑکی کا ذکر کیا۔ کنیز اس کے پاس گئی اور اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر ہوش اڑ گئے۔ خدا کی پاکی بیان کرنے لگی۔ اس نے کیسی کیسی صورتیں بنائی ہیں۔ اتنے میں لڑکی غسل میں مصروف

ہو گئی جب وہ نہا چکی اور باہر نکل کر کپڑے پہنے تو اس کا حسن اور دوبالا ہو گیا۔ تھوڑی دیر وہ مسند پر بیٹھی۔ عورتیں برابر اسے دیکھا کیں، پھر وہ ان کی طرف دیکھتی ہوئی چل دی۔ خلیفہ کی کنیز تحفۃ العوادہ اس کے ساتھ ساتھ چلی اور اس کا گھر دیکھ کر خلیفہ کے محل کو لوٹ گئی اور شہزادی زبیدہ کے پاس پہنچ کر اس کے آگے زمین چومی۔ شہزادی زبیدہ نے کہا اے تحفہ تجھے حمام میں اتنی دیر کیوں لگی؟ اس نے کہا اے میری آقا! میں نے ایک عجوبہ دیکھا ہے جس کی مثال نہ مردوں میں پائی جاتی ہے نہ عورتوں میں۔ اس میں، میں اتنی مشغول اور حیران رہی کہ میں نے سر تک نہیں دھویا۔ زبیدہ بولی اے تحفہ وہ کیا؟ کنیز نے جواب دیا اے میری آقا! میں نے حمام میں ایک لڑکی دیکھی جس کے ساتھ چاند جیسے دو چھوٹے چھوٹے بچے تھے جس کی نظیر نہ پہلے کسی نے دیکھی ہو گی اور نہ آئندہ کبھی کوئی دیکھے گا۔ اس کی شکل و صورت کی مثال تمام دنیا میں موجود نہیں۔ اے میری آقا! تیرے احسانوں کی قسم اگر امیر المومنین کو اس کی خبر ہو جائے تو وہ اس کے شوہر کو قتل کر کے اسے چھین لے کیونکہ اس جیسی دنیا میں کوئی عورت نہیں۔ میں نے اس کے شوہر کے متعلق بھی پوچھا ہے، وہ ایک تاجر ہے جس کا نام حسن بھری ہے۔ جب تک وہ حمام سے نکل کر اپنے گھر نہ پہنچ گئی میں اس کے پیچھے پیچھے لگی رہی اور میں نے دیکھا کہ وہ اس گھر میں رہتی ہے جو وزیر کا ہے اور جس کے دو دروازے ہیں۔ ایک سمندر کی طرف اور دوسرا خشکی کی طرف۔ اے میری آقا میں ڈرتی ہوں کہ اگر امیر المومنین کے کانوں تک یہ خبر پہنچ گئی تو کہیں وہ شرع کے خلاف اس کے شوہر کو قتل کر کے اس سے شادی نہ کر لے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو پچانوے ویں رات

سات سو پچانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- کنیز سے لڑکی کی تعریف سن کر شہزادی زبیدہ نے کہا کہ دور ہو، کیا وہ ایسی خوبصورت ہے کہ امیرالمومنین اپنے دین کو دنیا کے ساتھ بیچ ڈالے اور اس کے پیچھے شرع کی مخالفت کرے! خدا کی قسم میں اس لڑکی کو دیکھنا چاہتی ہوں اور اگر وہ ایسی نہ ہوئی جیسا تو کہتی ہے تو میں تیری گردن مار دوں گی۔ چھوکری سال میں تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں اور امیرالمومنین کے محل میں اتنی ہی کنیزیں ہیں کیا ان میں سے کسی میں وہ خوبیاں نہیں جو اس میں ہیں۔ کنیز بولی اے میری مالکہ! خدا کی قسم نہیں۔ نہ کل بغداد میں اس کی مثال ہے اور نہ عجم و عرب میں بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ خدا نے اس کی مثال پیدا ہی نہیں کی۔

یہ سن کر شہزادی زبیدہ نے مسرور کو بلایا۔ مسرور نے آ کر اس کے آگے نین چومی۔ زبیدہ نے کہا کہ اے مسرور! وزیر کے اس گھر کو جا جس کے دو دروازے ہیں۔ ایک سمندر کی طرف دوسرا خشکی پر اور فوراً اس لڑکی کو جو وہاں ہے مع اس کے دونوں بچوں اور بڑھیا کے، لے آ، دیر نہ کر۔ مسرور حکم پاتے ہی وہاں سے روانہ ہو کر مکان کے دروازے پر پہنچا اور دستک دی۔ حسن کی بڑھیا ماں نے پوچھا کہ دروازے پر کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ امیرالمومنین کا غلام مسرور۔ بڑھیا نے پوچھا کہ کیا چاہتا ہے؟ مسرور نے کہا کہ قاسم کی بیٹی اور نبی کے چچا عباس کی اولاد کے ساتویں خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی شہزادی زبیدہ نے تجھے تیری بہو اور اس کے بچوں کو بلایا ہے کیونکہ عورتوں نے اس کے آگے تیری بہو اور اس کے حسن کی تعریف کی ہے۔ حسن کی ماں بولی کہ اے مسرور! ہم پردہ کی ہیں اور لڑکی کا شوہر جو میرا بیٹا ہے، یہاں موجود نہیں

ہے اس کا حکم ہے کہ نہ میں اور نہ اس کی بیوی گھر سے نکل کر کسی شخص کے پاس جائے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر اس کے ساتھ کوئی بات پیش آئی تو میرا بیٹا اپنی جان دے دے گا۔ اے مسرور! تیری مہربانی ہو گی اگر تو ہم سے کوئی ایسی بات نہ کرے جس کی ہم میں طاقت نہیں۔ مسرور نے کہا اے میری آقا! اگر میں جانتا کہ اس میں تیرے لئے کوئی اندیشہ ہے تو تجھے ہرگز تکلیف نہ دیتا۔ شنزادی زبیدہ بس اتنا چاہتی ہے کہ اسے دیکھ لے، اس کے بعد وہ واپس چلی آئے۔ اس کی مخالفت نہ کر ورنہ پچھتائے گی میں تمہیں جس طرح لے جاؤں گا اگر خدا کو منظور ہے تو اسی طرح واپس پہنچا جاؤں گا۔

حسن کی ماں سے مسرور کی مخالفت بن نہ پڑی اور اس نے اندر جا کر لڑکی کو بنایا سنوارا اور پھر وہ سب مسرور کے پیچھے پیچھے خلیفہ کے محل کی طرف روانہ ہو گئے۔ مسرور نے انہیں اندر لے جا کر شنزادی زبیدہ کے آگے کھڑا کر دیا۔ انہوں نے زبیدہ کے آگے زمین چومی اور اسے دعا دی لیکن لڑکی نے اپنا منہ نہ کھولا۔ زبیدہ نے کہا ذرا اپنا منہ تو کھول کہ میں دیکھوں۔ لڑکی نے زمین چوم کر اپنا منہ کھول دیا جسے دیکھ کر آسمان پر چاند شرما جائے۔ زبیدہ کی نظر جب اس پر پڑی تو وہ دیکھتی کی دیکھتی ہی رہ گئی۔ اس کے نور اور چہرے کی روشنی سے محل چمک اٹھا۔ زبیدہ اس کا حسن دیکھ کر دنگ ہو گئی اور یہی حال سارے محل والوں کا ہوا۔ جو اسے دیکھتا، حواس باختہ ہو جاتا اور اس کے منہ سے بات تک نہ نکلتی۔ اب شنزادی زبیدہ اٹھ کھڑی ہوئی، لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر سینے سے لگا لیا، اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور حکم دیا کہ محل میں لے جایا جائے۔ اس کے بعد اس نے ایک نہایت شاندار جوڑا اور بہترین جواہرات کا ایک ہار منگوا کر اسے پہنایا اور کہا اے حسینوں کی سرتاج تو مجھے پسند ہے، تو نے میری آنکھیں ٹھنڈی کر دیں، تیرے پاس کون سی عمدہ چیز ہے؟ لڑکی بولی اے میری آقا، میرے پاس پروں کا ایک ایسا لباس ہے کہ اگر میں اسے تیرے سامنے پہنوں تو اس کی کاریگری پر تجھے تعجب ہو گا اور جو کوئی اسے دیکھے گا اس کا ذکر نسل در نسل کرتا رہے گا۔ زبیدہ

نے پوچھا، وہ تیرا لباس کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ میری ساس کے پاس ہے، اس سے مانگ لے۔

شہزادی زبیدہ نے کہا اے میری ماں! تجھے میری جان کی قسم! جا کر اس کا پروں کا لباس لے آتا کہ ہم اس کا تماشہ دیکھیں، پھر تو اسے لے جائیو۔ بڑھیا بولی اے میری آقا یہ جھوٹی ہے کبھی تو نے کسی عورت کے پاس پروں کا لباس بھی دیکھا ہے! وہ تو محض چڑیوں کی پوشاک ہے۔ لڑکی نے شہزادی زبیدہ سے کہا کہ اے میری آقا! تیری جان کی قسم میرا پروں کا لباس اس کے پاس ہے اور وہ گھر کی ایک کوٹھڑی میں دفن ہے۔

شہزادی زبیدہ نے اپنے گلے سے ہیروں کا ایک ہار اتارا جو کسریٰ اور قیصر کے خزانوں کے برابر ہو گا اور کہنے لگی اے میری والدہ یہ لے..... یہ کہہ کر اس نے اسے وہ ہار دیا اور کہا کہ میری جان کی قسم جا کر وہ لباس لے آ۔ جب ہم اسے دیکھ لیں تو پھر لے جائیو۔ بڑھیا نے قسم کھائی کہ میں نے وہ لباس کبھی نہیں دیکھا ہے اور نہ میں یہ جانتی ہوں کہ وہ کہاں ہے۔ شہزادی زبیدہ نے اسے ڈانٹا اور اس سے کنجیاں لے لیں اور سرور کو آواز دی۔ وہ حاضر ہوا تو زبیدہ نے کہا یہ کنجیاں لے اور اس کے گھر جا کر اسے کھول اور اس کوٹھڑی میں داخل ہو جس کا دروازہ اس طرح کا ہے۔ اس کے بیچ میں ایک صندوق ہے اسے توڑ کر اس میں جو پروں کا لباس ہے، اسے میرے پاس لے آ۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو چھیانوے ویں رات

سات سو چھیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- زبیدہ نے مسرور کو حکم دیا کہ جا کر اس کا لباس لے آ۔ اور وہ شنزادی زبیدہ کے ہاتھ سے کنجیاں لے کر چل دیا۔ حسن کی ماں بھی روتی پینتی اس کے ساتھ ہو لی۔ وہ پشیمان تھی کہ لڑکی کا کہنا مان کر اسے حمام کیوں لے گئی۔ لڑکی کا حمام جانے کا ارادہ محض ایک فریب تھا۔ اتنے میں گھر آ گیا بڑھیا اور مسرور اندر گئے، کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر اس میں داخل ہوئے۔ مسرور نے صندوق کھول کر اس میں سے پروں کا لباس نکالا اور اسے ایک رومال میں لپیٹ کر شنزادی زبیدہ کے پاس لے آیا۔ زبیدہ نے اسے ملاحظہ کیا اور اس کی کاریگری پر تعجب کرنے لگی۔ پھر اسے لڑکی کو دے کر کہا کہ کیا یہی تیرا پروں کا لباس ہے! وہ بولی ہاں میری آقا! ہاں۔ اور خوش خوش ہاتھ بڑھا کر اسے لے لیا اور الٹ پلٹ کر دیکھا کہ وہ پہلے کی طرح مکمل ہے اور اس کا ایک پر بھی ضائع نہیں ہوا۔ اپنا ہر طرح سے اطمینان کر کے وہ شنزادی زبیدہ کے پاس سے اٹھی اور لباس کو لے کر کھولا اور بچوں کو گود میں لے کر اسے پن لیا۔ خدا کی قدرت سے وہ چٹیا بن گئی۔ زبیدہ اور تمام حاضرین تعجب کرنے لگے۔ سب کو اچنبھا تھا اب لڑکی ممکنے، چلنے اور ناچنے کودنے لگی۔ لوگ اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے اور تعجب کرتے۔ لڑکی نے پوچھا اے میری آقا! کیوں یہ خوب صورت ہے نا؟ حاضرین نے کہا اے حسینوں کی سرتاج! بہت خوبصورت۔ لڑکی بولی اے میری آقا! جو کچھ میں کروں گی وہ اس سے بھی زیادہ نیا کرشمہ ہو گا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے پر کھولے اور اپنے بیٹوں کو لے کر اڑ گئی اور اڑ کر گنبد پر بیٹھ گئی۔ لوگ اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے اور کہتے کہ خدا کی قسم یہ عجیب و غریب کاریگری ہے۔ ایسی بات ہم نے آج تک

نہیں دیکھی۔

اب لڑکی چاہتی تھی کہ اڑ کر اپنے وطن چلی جائے لیکن اسے حسن کی یاد آ گئی وہ رونے لگی۔ شہزادی زبیدہ نے کہا اے حسینوں کی سر تاج اتر کر ہمارے پاس آتا کہ ہم تیرا حسن دیکھ کر خوش ہوں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے تجھے فصاحت اور حسن دونوں عطا کئے۔ لڑکی نے جواب دیا کہ کہیں کوئی جا کر بھی آیا ہے۔ اس کے بعد اس نے حسن کی ماں سے کہا جو بیچاری غمگین کھڑی تھی۔ کہ اے میری آقا! اے حسن کی ماں! واللہ تجھ پر مجھے ترس آتا ہے جب تیرا بیٹا لوٹ کر آئے جدائی کے دن اس پر کٹھن گزریں اسے مجھ سے ملنے کی تمنا ہو، محبت اور عشق کی ہوا کے جھونکے چلنے لگیں تو وہ میرے پاس جزائرِ واق میں آ جائے۔ یہ کہہ کر وہ مع اپنے بچوں کے اڑی اور اپنے وطن کی طرف چل دی۔ یہ دیکھ کر حسن کی ماں رونے اور اپنا منہ پیٹنے لگی اور اتنی آہ و بکا کی کہ اسے غش آ گیا۔ ہوش آیا تو شہزادی زبیدہ نے کہا، اے میری پردیسن، مجھے نہیں معلوم تھا کہ ایسا ہو گا۔ اگر تو مجھے پہلے سے بتا دیتی تو میں تجھ سے ضد نہ کرتی۔ میں یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اڑنے والے جنوں میں سے ہے۔ اگر مجھے یہ حال معلوم ہوتا تو میں اسے کبھی وہ لباس نہ پہننے دیتی اور نہ اسے بچوں کو لے جانے دیتی۔ بہر حال اے میری آقا! مجھے معاف کر دے۔ بڑھیا کے لئے اس کے سوا اور چارہ ہی کیا تھا اس نے کہا میں تجھے معاف کرتی ہوں اور یہ کہہ کر وہ محل سے نکلی، اپنے گھر پہنچی اور اپنے منہ پر اتنے طمانچے مارے کہ بے ہوش ہو گئی۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ اس لڑکی اور اس کے بچوں پر افسوس اور اپنے بیٹے کی تمنا کرنے لگی۔ اس نے گھر کے اندر تین قبریں کھودیں۔ ان پر بیٹھ کر دن رات رویا کرتی بیٹے کو گئے جتنا عرصہ گزرا جاتا، اتنا ہی اس کے دل میں فکر اور رنج بڑھتا جاتا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو ستانوے دیں رات

سات سو ستانوے دیں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- حسن کی ماں کا حال تو یہ رہا، اب اس کے بیٹے حسن کا ماجرا سنو، جب وہ لڑکیوں کے پاس پہنچا تو انہوں نے اسے قسم دی کہ تین مہینے گھبرے۔ تین مہینے کے بعد انہوں نے اس کے لئے مال کے دس گٹھڑ تیار کئے۔ پانچ سونے اور پانچ چاندی کے اور ایک اونٹ پر کھانے پینے کا سامان ساتھ کر دیا اور اس کے ساتھ چلنے لگیں لیکن اس نے انہیں قسم دی کہ لوٹ جائیں اور وہ اسے رخصت کرنے کی غرض سے گلے ملنے لگیں۔ چھوٹی لڑکی بڑھ کر اس کے گلے سے لپٹ گئی اور اتنا روئی کہ اسے غش آ گیا۔ پھر دوسری، پھر تیسری، پھر چوتھی، پھر پانچویں، پھر چھٹی، پھر ساتویں ایک ایک کر کے اس کے گلے ملیں اور حسن ان سے رخصت ہوتے وقت اتنا رویا کہ اس کی ہچکی بندھ گئی۔ بالآخر وہ چل دیا اور دن رات چلتے چلتے بغداد پہنچا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ اس کے جانے کے بعد کیا حادثہ پیش آیا ہے۔ جب وہ گھر کے اندر گیا اور چاہتا تھا کہ اپنی ماں کو سلام کرے تو اس نے دیکھا کہ رونے پٹنے اور جاگنے کی وجہ سے ماں کا جسم گھل گیا ہے اور اس کی ہڈیاں نکل آئی ہیں۔ وہ سوکھ کر تنکا سا ہو گئی ہے۔ اس کے منہ سے بات تک نہیں نکلتی۔ اونٹنیوں کو ایک جگہ کھڑا کر کے وہ ماں کی طرف بڑھا اور پوچھا کہ میرے بیوی بچے کہاں ہیں؟ یہ سن کر ماں اتنی روئی کہ بے ہوش ہو گئی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر حسن اٹھا اور بیوی بچوں کو ڈھونڈنے لگا لیکن ان کا کہیں پتا نہ چلا۔ اس کے بعد وہ کوٹھڑی میں جا کر تلاش کرنے لگا، دیکھا کہ کوٹھڑی بھی کھلی پڑی ہے اور صندوق بھی۔ لباس غائب ہے۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ بیوی اپنے پروں کے لباس کو لے کر اڑ گئی اور بچوں کو اپنے ساتھ لیتی گئی۔

کوٹھڑی سے نکل کر حسن اپنی ماں کے پاس آیا دیکھا کہ وہ ہوش میں آگئی ہے۔ اس نے پوچھا کہ میرے بیوی بچے کہاں ہیں؟ ماں نے رو کر کہا۔ بیٹا خدا ان کے بارے میں تجھے بڑا اجر دے! یہ ان تینوں کی قبریں ہیں۔ اپنی ماں کی زبان سے یہ سن کر حسن نے زور سے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر گیا۔ صبح سے ظہر تک اسی طرح پڑا رہا۔ ماں کو اور غم پر غم ہوا اور وہ اس کے جینے سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ جب حسن کو پھر ہوش آیا تو وہ منہ پر طمانچے مارنے اور کپڑے پھاڑنے اور گھر میں پاگلوں کی طرح پھرنے لگا۔ تلوار کھینچ کر ماں کے پاس آیا اور کہنے لگا اگر تو نے ٹھیک ٹھیک نہ بتایا تو میں تیری بھی گردن اڑا دوں گا اور اپنے آپ کو بھی مار ڈالوں گا۔ وہ بولی بیٹا! ایسا نہ کر میں ابھی بتائے دیتی ہوں، تلوار کو میان میں ڈال لے اور بیٹھ کر سارا ماجرا سن۔ جب اس نے تلوار میان میں کر لی اور ماں کے پاس بیٹھ گیا تو اس نے سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک سنا دیا اور کہا بیٹا اگر میں حمام کے بارے میں اسے روتا نہ دیکھتی اور مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تیرے آنے پر وہ شکایت کرے گی اور تو مجھ پر ناراض ہو گا تو میں کبھی اسے حمام نہ لے جاتی اور اگر شہزادی زبیدہ ناراض ہو کر مجھ سے زبردستی کنجی نہ لے لیتی تو میں ہرگز لباس نہ نکالتی خواہ مر ہی کیوں نہ جاتی۔ بیٹا تو جانتا ہے کہ کسی کا ہاتھ خلیفہ کے ہاتھ سے زیادہ لمبا نہیں۔ جب اسے لباس مل گیا تو اس نے اسے لے کر الٹا پلٹا اور یہ سوچنے لگی کہ اس میں سے کوئی چیز جاتی تو نہیں رہی لیکن جب اس نے دیکھا کہ وہ مکمل ہے تو وہ خوش ہو گئی، بچوں کو اپنی کمر سے باندھا اور پروں کا لباس پہن لیا کیونکہ اس سے پہلے شہزادی زبیدہ اس کی عزت احترام اور خوبصورتی دیکھنے کی خاطر اس کے سارے کپڑے اتروا چکی تھی۔ پروں کا لباس پہنتے ہی اسے جھرجھری سی آئی اور وہ چٹیا بن گئی اور محل کے اندر ادھر ادھر پھدکنے لگی۔ لوگ اسے دیکھنے اور اس کے حسن و جمال پر تعجب کرنے لگے۔ اس کے بعد وہ اڑ کر محل کے اوپر جا بیٹھی اور میری طرف دیکھ کر کہنے لگی، اگر تیرا بیٹا آئے اور

جدائی کی راتیں اس پر کٹھن گزریں، اسے مجھ سے ملنے کی خواہش ہو اور محبت اور
تمناؤں کی ہوائیں چلنے لگیں تو وہ اپنا وطن چھوڑ کر جزائرِ واق آ جائے۔ یہ ہیں وہ باتیں
جو اس نے تیرے پیچھے کیں۔

اور شہرِ زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔



• سات سو اٹھانوے ویں رات

سات سو اٹھانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- اپنی ماں کی باتیں سن کر حسن نے زور سے چیخ ماری اور بے ہوش ہو گیا اور شام تک بے ہوش پڑا رہا۔ ماں اس کے سرہانے بیٹھی آدھی رات تک روتی رہی۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ بلک بلک کر رونے لگی۔ پانچ دن تک یہی حالت رہی کہ وہ گھر میں سر ٹکراتا، روتا، پیٹتا اور ٹھنڈے سانس بھرتا، نہ کھاتا نہ پیتا، ماں اسے برابر قسمیں دیتی کہ رونا بند کر دے مگر وہ اس کی بات نہ سنتا اور برابر روتا، پیٹتا رہتا، ماں اسے تسلی دیتی مگر وہ نہ مانتا۔ اسی طرح ایک بار وہ رات بھر روتا رہا۔ جب صبح کو اس کی آنکھ جھپک گئی تو اس نے خواب میں اپنی بیوی کو دیکھا کہ وہ غمگین ہے اور رو رہی ہے، اس پر وہ چیخ مار کر اٹھ بیٹھا۔ دن نکلا تو اس کا رونا، پیٹنا اور زیادہ ہو گیا۔ پورے ایک مہینے تک وہ غمگین روتا رہا۔ رات بھر جاگتا رہتا اور بہت کم کھاتا پیتا۔ مہینہ ختم ہونے پر اسے خیال آیا کہ بہنوں کے پاس چلنا چاہئے تاکہ وہ اس کی مطلب براری میں مددگار ہوں۔ یہ ارادہ کر کے اس نے اونٹنیوں کو بلایا۔ پچاس کے اوپر عراق کے تحفے لادے اور ایک اپنی سواری کے لئے رکھ لی۔ پھر گھر کو ماں کے سپرد کر کے اپنی بہنوں کی طرف روانہ ہو گیا کہ شاید ان کی کوشش سے اس کی بیوی مل جائے اور چلتے چلتے لڑکیوں کے محل میں پہنچ گیا جو جبل السحاب میں تھا۔

بہنوں کے پاس پہنچ کر حسن نے انہیں تحفے دیئے وہ خوش ہو گئیں اور اس کی سلامتی پر مبارکباد دینے لگیں اور کہا کہ بھائی تو اتنی جلدی کیوں لوٹ آیا؟ ابھی تو تجھے گئے دو مہینے بھی نہیں ہوئے یہ سن کر اس نے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر گیا۔ لڑکیاں اس کے ارد گرد بیٹھ کر رونے لگیں۔ کئی بار اسے ہوش آیا اور پھر بے ہوش ہو گیا۔

اس کی بہن نکل کر اس کے پاس آئی اور یہ دیکھ کر کہ وہ بے ہوش پڑا ہے چیخنے اور منہ پٹینے لگی۔ یہ سن کر اس کی دوسری بہنیں بھی نکل آئیں۔ انہوں نے دیکھا کہ حسن پر غشی طاری ہے تو وہ بھی اس کے ارد گرد بیٹھ کر رونے لگیں۔ مگر اسے دیکھ کر ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ یہ ساری مصیبت محبت اور عشق، شوق اور تمنا کی لائی ہوئی ہے۔ جب انہوں نے ماجرا پوچھا تو اس نے رو کر بیان کیا کہ میری غیر موجودگی میں میری بیوی اپنے بچوں کو لے کر اڑ گئی ہے۔

انہیں اس پر بڑا افسوس ہوا اور انہوں نے پوچھا کہ جاتے وقت اس نے کیا کہا تھا؟ حسن نے کہا بہنو! اس نے میری ماں سے کہا تھا کہ اپنے بیٹے سے کہہ دیجیو کہ اگر جدائی کی راتیں اس کے لئے کٹھن ہو جائیں اور وہ میرے ملنے کا مشتاق ہو، محبت اور تمنا زور کرے تو وہ میرے پاس جزائرِ واق میں آ جائے۔ اس کی باتیں سن کر وہ سر ہلانے لگیں اور سوچ میں پڑ گئیں۔ حسن نے دیکھا کہ وہ ایک دوسری کی طرف دیکھ رہی ہیں۔ تھوڑی دیر سر جھکائے رہیں پھر سر اٹھا کر انہوں نے کہا کہ ”لا حول ولا قوہ الا باللہ العلیٰ العظیم۔“ اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا، اگر وہ آسمان تک پہنچ گیا تو تیری بیوی مل جائے گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو ننانوے ویں رات

سات سو ننانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب لڑکیوں نے حسن سے کہا کہ اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا اگر وہ آسمان تک پہنچ گیا تو تجھے بیوی بچے مل جائیں گے تو اس کے آنسو مینہ کی طرح اس کے رخساروں پر بننے لگے۔ یہاں تک کہ اس کے کپڑے بھیگ گئے۔ اسے روتا دیکھ کر لڑکیاں بھی رونے لگیں۔ انہیں اس پر ترس بھی آنے لگا اور رشک بھی۔ وہ اس کے ساتھ نرمی سے باتیں کرتیں، صبر دلاتیں اور دعا کرتیں کہ اس کے چیتے اسے مل جائیں۔ اب اس کی ایک بہن نے آگے بڑھ کر کہا بھائی! اگر تو اطمینان رکھے گا اور صبر سے کام لے گا تو تیری مراد بر آئے گی۔ جو صبر اور انتظار کرتا ہے اس کی تمنا بر آتی ہے کیونکہ صبر خوشی کی کنجی ہے۔ اپنا دل مضبوط اور ارادہ پکا رکھ۔ دس برس والا نویں برس میں نہیں مرتا ہے۔ غم اور رنج سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ہمارے ہاں ٹھہر کر آرام کر۔ میں کوئی نہ کوئی تدبیر نکال کر خدا نے چاہا تو تیرے بیوی بچوں سے ملا دوں گی۔ حسن بلک بلک کر رونے لگا اور اپنی بہن کے پاس بیٹھ گیا بہن اس سے باتیں کرتی، اسے تسلی دیتی اور پوچھتی کہ وہ کس وجہ سے اڑ گئی ہے۔ وہ اس کی وجہ بتاتا۔ اس نے کہا بھائی! میں تجھ سے کہنے والی تھی کہ پروں کو آگ لگا دے لیکن شیطان نے مجھے بھلا دیا۔ جب اس کی بہن نے دیکھا کہ وہ محبت اور عشق کا مارا ہے تو وہ روتی ہوئی دوسری بہنوں کے پاس گئی اور نڈھال ہو کر ان پر گر پڑی۔ ان کے قدم چومنے لگی اور ان سے کہا کہ میرے بھائی کی مدد کرو تا کہ اس کے بچے بیوی اسے مل جائیں اور انہیں قسم دی کہ کوئی نہ کوئی تدبیر نکال کر اسے جزائرِ واق پہنچا دو۔ یہ کہہ کر وہ اپنی بہنوں کے آگے اتنا روئی کہ وہ بھی رونے لگیں اور انہوں نے کہا کہ اطمینان رکھ، ہم کوشش کریں گے اور اگر خدا نے چاہا تو اسے اس کی بیوی سے ملا دیں گے حسن

ان کے ساتھ ایک سال تک رہا اور ایک روز بھی اس کے آنسو نہ تھے۔

اس کی بہنوں کا عبدالقدوس نامی ایک سگا چچا تھا۔ اسے اپنی بڑی بھتیجی سے بہت محبت تھی۔ وہ ہر سال ایک بار آتا اور جو اسے ضرورت ہوتی، پورا کر دیتا۔ لڑکیوں نے اس مرتبہ اس سے حسن کا قصہ بھی بیان کیا تھا اور یہ کہ اس مجوسی کے ساتھ کیا پیش آیا اور اس نے اسے کس طرح قتل کیا۔ چچا نے یہ کہانی سنی تو بہت خوش ہوا اور اس نے بڑی لڑکی کو ایک تھیلا دے کر جس میں خوشبوئیں تھیں کہا کہ بھتیجی، اگر تجھے کوئی مشکل پیش آئے یا تکلیف ہو یا کسی قسم کی ضرورت پڑے تو ان خوشبوؤں کو آگ میں ڈال کر میرا نام لیجیو، میں فوراً آ کر تیری حاجت پوری کر دوں گا۔ یہ باتیں سال کے پہلے روز ہوئی تھیں۔ اب لڑکی نے اپنی بہن سے کہا کہ سال پورا ہو گیا ہے اور چچا نہیں آیا جا کر خوشبوؤں کی تھیلی لے آ اور چقماتی سے آگ جلا۔

لڑکی خوش خوش اٹھی اور خوشبوؤں کی تھیلی لا کر اسے کھولا اور اس میں تھوڑی خوشبوئیں نکال کر اپنی بہن کو دے دیں۔ اس نے انہیں آگ میں ڈال دیا اور اپنے چچا کا نام لینے لگی۔ ابھی خوشبو جل بھی نہیں چکی تھیں کہ گھاٹی کی طرف سے ایک گرد اٹھی اور تھوڑی دیر کے بعد اس میں سے ایک ہاتھی چنگھاڑتا ہوا اور اس پر ایک بوڑھا سوار دکھائی دیا جو نہی لڑکیوں کی نظر اس پر پڑی انہوں نے دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں سے ان کی طرف اشارہ کر رہا ہے چند لمحے نہ گزرنے پائے تھے کہ وہ ان کے پاس پہنچ گیا انہوں نے اس کے ہاتھ چومے اور سلام کیا۔ پھر وہ بیٹھ گیا اور لڑکیاں اس سے باتیں کرنے اور اس کے نہ آنے کا سبب پوچھنے لگیں۔ اس نے کہا کہ ابھی میں اور تمہاری چچی بیٹھے ہی ہوئے تھے کہ مجھے خوشبو آئی اور میں اس ہاتھی پر سوار ہو کر آ پہنچا۔ اے میری بھتیجی! تم لوگوں کو کیا ضرورت پیش آئی؟ اس نے کہا چچا! تجھے دیکھنے کا ہمیں بہت زیادہ اشتیاق تھا۔ کیونکہ سال گزر چکا ہے اور تو کبھی ایک سال سے زیادہ غائب نہیں رہتا۔ اس نے کہا میں کام میں لگا ہوا تھا اور کل تمہارے پاس آنے

کا ارادہ کر رہا تھا۔ لڑکیوں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اسے دعا دی اور اس کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• آٹھ سو دس راتے

آٹھ سو دس رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب لڑکیاں بیٹھ کر اپنے چچا سے باتیں کرنے لگیں تو بڑی نے کہا چچا! ہم نے تجھے حسن بھری کا قصہ تو سنایا ہے جسے مجوسی لایا تھا اور جس نے اسے قتل کیا ہے اور ملک اکبر کی بیٹی کا ماجرا بھی بیان کیا ہے کہ کیسی کیسی مصیبتیں اور تکلیفیں جھیل کر اس نے اسے پکڑا، اس سے نکاح کیا اور پھر وہ اسے لے کر اپنے وطن گیا؟ چچا بولا ہاں، پھر کیا ہوا؟ لڑکی نے کہا کہ اس کی اس بیوی سے دو بچے ہوئے اور پھر اس کی غیر موجودگی میں لڑکی نے اس کے ساتھ بے وفائی کی بچوں کو لے کر اپنے وطن چلی گئی اور چلتے چلتے اس کی ماں سے یہ کہتی گئی کہ اگر اسے مجھ سے ملنے کی تمنا ہو تو وہ میرے پاس جزائرِ واق میں آ جائے۔ چچا اپنا سر ہلانے اور دانتوں سے انگلیاں کاٹنے لگا۔ پھر سر نیچا کر کے اپنی انگلی سے زمین پر لکیریں کھینچیں۔

اس کے بعد وہ پھر اپنا سر ہلانے لگا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا، حسن اس کی نظروں سے پوشیدہ اسے دیکھ رہا تھا۔ لڑکیوں نے چچا سے کہا ہمیں جواب دے کیونکہ ہمارا دل پھٹا جا رہا ہے۔ اس نے ان کی طرف سر ہلا کر کہا کہ اے میری بیٹیو! اس شخص نے بے کار ہی اپنی جان جوکھوں میں ڈال رکھی ہے اور مفت میں خطرناک چیزوں کا سامنا کر رہا ہے۔ کیونکہ جزائرِ واق تک اس کا پہنچنا ناممکن ہے۔ لڑکیوں نے حسن کو آواز دی۔ وہ نکل آیا اور شیخ عبدالقدوس کی طرف بڑھ کر اس کا ہاتھ چوما، اسے سلام کیا۔ شیخ نے خوش ہو کر اسے اپنے پاس بٹھا لیا لڑکیوں نے چچا سے کہا جو کچھ تو نے ہم سے کہا ہے ہمارے بھائی سے بھی تفصیل کے ساتھ بیان کر دے۔ شیخ، حسن سے مخاطب ہو کر بولا بیٹا! اس سخت تکلیف اور عذاب میں اپنی جان نہ ڈال۔ جزائرِ واق تک تیرا پہنچنا ناممکن ہے۔ خواہ تیرے قبضے میں اڑنے والے جن اور چلنے والے ستارے ہی کیوں

نہ ہوں۔ کیونکہ تیرے اور ان کے جزیروں کے درمیان سات گھاٹیاں، سات بڑے پہاڑ اور سات سمندر ہیں تو اس جگہ کیسے پہنچ سکتا ہے اور تجھے وہاں کون پہنچا سکتا ہے، خدا کے لئے فوراً لوٹ جا اور اس بکھیرے میں نہ پڑ۔

شیخ عبدالقدوس کی یہ باتیں سن کر حسن اتارویا کے بے ہوش ہو گیا۔ لڑکیاں بھی اس کے آس پاس بیٹھ کر رونے لگیں۔ چھوٹی لڑکی نے تو اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اتنا منہ پیٹا کہ غش کھا کر گر پڑی۔ ان کے رنج و غم کو دیکھ کر شیخ عبدالقدوس کو ترس آگیا۔ اس کا دل کڑھنے لگا اور اس نے کہا کہ چپ ہو جاؤ اور حسن کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ غم نہ کر خدا نے چاہا تو تیری مراد بر آئے گی۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا۔

بیٹا اٹھ اور دل مضبوط کر کے میرے ساتھ چل۔ حسن لڑکیوں سے رخصت ہوا اور دل مضبوط کر کے شیخ کے ہمراہ ہو گیا۔ وہ خوش تھا کہ اب میری مراد بر آئے گی۔ شیخ عبدالقدوس ہاتھی منگوا کر اس پر سوار ہو گیا۔ حسن کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور برابر تین دن اور تین رات بجلی کی طرح چلنے کے بعد ایک بہت بڑے پہاڑ کے پاس پہنچا جو نیلا تھا۔ اس پہاڑ کے بیچ میں ایک کھوہ تھی جس میں چینی لوہے کا دروانہ لگا ہوا تھا۔ شیخ نے حسن کا ہاتھ پکڑ کر اسے ہاتھی پر سے اتارا اور اس کے بعد خود اتر کر ہاتھی کو چلتا کیا اور کھوہ کے دروازے پر دستک دی۔ دروانہ کھلا اور اس میں سے دیو کی طرح ایک کالا بھجنگ ننگا غلام نکلا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں تلوار اور بائیں میں فولادی ڈھال تھی۔ شیخ عبدالقدوس کو دیکھتے ہی اس نے تلوار اور ڈھال ہاتھ سے پھینک دی اور شیخ کی طرف بڑھ کر اس کا ہاتھ چوما۔ شیخ، حسن کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا اور غلام نے ان کے پیچھے دروازے میں تالا ڈال دیا۔ حسن نے دیکھا کہ غار بڑا لمبا چوڑا ہے اور اس کی دہلیز ڈاٹ کی ہے۔ ایک میل تک برابر چلنے کے بعد وہ ایک بڑے میدان میں پہنچے جہاں ایک ستون میں پیتل کے ڈھلے ہوئے دو بڑے دروازے لگے ہوئے تھے۔ شیخ عبدالقدوس نے ان میں سے ایک دروانہ کھولا اور حسن سے یہ کہہ کر کہ یہیں دروانہ

پر بیٹھ رہیو خبردار اندر نہ آئیو میں ابھی لوٹ کر آتا ہوں۔ دروازے کے اندر گیا اسے پھر بھیڑ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد شیخ ایک گھوڑا لے کر نکلا جس پر زین اور لگام لگی ہوئی تھی۔ وہ گھوڑا ایسا تھا کہ اگر چلتا تو معلوم ہوتا کہ اڑ رہا ہے اور جب وہ اڑتا تو گرد بھی اس تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ شیخ نے اسے حسن کو دے کر کہا کہ سوار ہو جا اب شیخ نے دوسرے دروازہ کھولا اس میں ایک بڑا جنگل دکھائی دیا حسن گھوڑے پر سوار ہوا اور دونوں اس دروازے سے نکل کر جنگل میں داخل ہو گئے۔ شیخ نے حسن سے کہا بیٹا! یہ خط لے اور اس گھوڑے پر سوار ہو جا جہاں تک وہ جائے چلا جا جب تو دیکھے کہ وہ اسی غار کی طرح ایک غار کے دروازے پر ٹھہر گیا ہے تو اس کی پیٹھ پر سے اتر کر اور اس کی باگ اس کی زین پر ڈال کر اسے جانے دیجیو وہ اسی غار کے اندر چلا جائے گا لیکن تو اس کے ساتھ نہ جائیو بلکہ پانچ روز تک غار کے دروازے پر ٹھہر رہیو، گھبراؤ نہیں چھٹے دن ایک سیاہ فام بڑھا نکل کر تیرے پاس آئے گا جس کا سیاہ لباس اور سفید داڑھی ناف تک ہو گی اسے دیکھتے ہی اس کے ہاتھ چومیو، اس کا دامن اپنے سر پر رکھیو اور اس کے آگے اتنا رویو کہ اسے رحم آ جائے۔ وہ تجھ سے پوچھے گا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ جب وہ یہ سوال کرے تو اسے یہ خط دے دیجیو۔ وہ تجھ سے خط لے گا، مگر کوئی بات نہیں کرے گا اور تجھے اکیلا چھوڑ کر اندر چلا جائے گا اور پھر تو اور پانچ روز اطمینان سے رہیو، چھٹے دن اس کی راہ دیکھیو اگر وہ خود نکل کر تیرے پاس آئے تو جان جائیو کہ تیری مراد بر آئی اور اگر اس کا کوئی غلام نکل کر آئے تو سمجھ لیجیو کہ وہ شخص تجھے قتل کر دینا چاہتا ہے اور بس بیٹا تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ جو شخص اپنی جان پر کھیلتا ہے، اسی کا انجام موت ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو کے بعد پہلی رات

آٹھ سو کے بعد پہلی رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- شیخ عبدالقدوس نے کہا کہ جو شخص اپنی جان پر کھیلتا ہے اس کا انجام موت ہے۔ اگر تجھے اپنی جان پیاری ہے تو ہلاکت میں نہ پڑ اور اگر تو مرنے سے نہیں ڈرتا تو بسم اللہ! میں نے ہر بات صاف صاف بتا دی ہے۔ اگر تو اپنی بہنوں کے پاس جانا چاہتا ہے تو یہ ہاتھی حاضر ہے، وہ تجھے میری بھتیجیوں کے پاس پہنچا دے گا۔ پھر وہ تجھے تیرے وطن پہنچا دیں گی اور خدا تجھے اس لڑکی سے بہتر عطا کرے گا جس میں تیرا دل اٹکا ہوا ہے۔ حسن نے شیخ سے کہا جب تک میں اپنی مراد نہ پالوں زندگی میں کیا مزا آئیگا! خدا کی قسم میں لوٹوں گا تو اپنی محبوبہ کو لے کر لوٹوں گا ورنہ یہیں جان دے دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگا، شیخ کو یقین ہو گیا کہ جب تک اس کی مراد نہ بر آئے، وہ نہیں لوٹے گا، کسی کے کہنے سننے کا اس پر اثر نہ ہو گا اور وہ اپنی جان کو ضرور خطرے میں ڈالے گا۔ خواہ جان سے ہاتھ کیوں نہ دھونا پڑے۔ اب اس نے کہا کہ بیٹا سن، جزائرِ واقِ ساتِ جزیرے ہیں اور وہاں بہت بڑا لشکر ہے جس میں محض کنواری لڑکیاں ہیں۔ اندرونی جزائر میں صرف شیطان، جن جادوگر اور بھانت بھانت کے دیوتے ہیں اور جو کوئی بھی ان کے ملک میں جاتا ہے لوٹ کر نہیں آتا۔ کم از کم اب تک تو کوئی ایسا نہیں کہ جا کر لوٹ آیا ہو۔ خدا کے لئے تو اپنے عزیزوں کے پاس واپس چلا جا۔ تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ جس لڑکی کی تجھے تلاش ہے وہ ان تمام جزیروں کے بادشاہ کی بیٹی ہے، پھر بھلا اس تک تیری پہنچ کیونکہ ہو سکتی ہے! بیٹا، میری بات مان لے، خدا ضرور اس کے بدلے میں اس سے بہتر دے گا۔ حسن نے کہا اے میرے آقا! میں مرنے سے نہیں ڈرتا، اس کی محبت میری جان کے ساتھ ہے۔ میں جزائرِ واق میں جا کر اور اپنے بیوی بچوں کو دیکھ کر رہوں گا اور خدا نے چاہا تو بیوی بچوں کو لے کر لوٹوں گا۔

یہ سن کر شیخ عبدالقدوس نے کہا پھر تو بغیر گئے چاہہ نہیں۔ حسن بولا، ہاں اور تجھ سے میں محض دعا اور مدد چاہتا ہوں تاکہ خدا مجھے بیوی بچوں سے جلد ملا دے۔ یہ کہہ کر وہ اتنا رویا کہ اسے غش آگیا۔ جب اسے ہوش آیا تو شیخ عبدالقدوس نے کہا، بیٹا تیری ایک ماں ہے، اسے موت کا غم نہ دے۔ حسن نے شیخ عبدالقدوس سے کہا، اے میرے آقا! خدا کی قسم یا تو میں اپنی بیوی کو لے کر لوٹوں گا اور یا جان دے دوں گا۔ اس سے زیادہ نہ مجھ میں کچھ کہنے کی تاب ہے نہ سننے کی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ شیخ کو یقین ہو گیا کہ اس پر کسی نصیحت کا اثر نہیں ہو گا۔ اب اس نے وہ خط دے دیا اور اس کے لئے دعا کی، اسے سمجھا دیا کہ اسے ایسا کرنا چاہئے اور کہا کہ میں نے تیرے بارے میں ابوالرولیش بن بلقیس بنت معین کو تاکید کے ساتھ لکھ دیا ہے، وہ میرا پیر اور استاد ہے۔ تمام جن و انس اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں۔ اچھا روانہ ہو جا۔ خدا برکت دے! حسن رخصت ہوا اور اسنے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی اور وہ بجلی سے تیز اڑنے لگا۔ دس دن تک چلنے کے بعد ایک بہت بڑی کالی سی چیز دکھائی دی جو رات سے بھی زیادہ تاریک تھی اور جس نے پورب سے لے کر پچھم تک روک رکھا تھا۔ جب حسن اس کے پاس پہنچا تو اس کا گھوڑا ہنہانے لگا۔ اس کے ہنہاتے ہی لاکھوں گھوڑے آ پہنچے جن کا گننا ناممکن اور جن سے بچنا محال تھا۔ وہ اپنے جسموں کو اس گھوڑے سے رگڑنے لگے۔ انہیں دیکھ کر حسن ڈر اور سہم گیا۔ حسن چلا جاتا تھا اور گھوڑے اس کے آس پاس تھے۔ یہاں تک کہ وہ اس غار کے قریب جا پہنچا۔ جس کا ذکر شیخ عبدالقدوس نے کیا تھا۔ وہاں پہنچ کر گھوڑا غار کے دروازے پر ٹھہر گیا اور حسن نے اس پر سے اتر کر لگام زین پر ڈال دی۔ گھوڑا غار کے اندر چلا گیا اور حسن دروازے پر کھڑا رہا جس طرح کہ شیخ عبدالقدوس نے کہا تھا کہ سوچنے لگا کہ آخر اس کا انجام کیا ہونے والا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• آٹھ سو کے بعد دوسری رات

آٹھ سو کے بعد دوسری رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- حسن اسی طرح سے پانچ روز تک دروازے پر کھڑا رہا، نہ اسے نیند آئی نہ آنسو رکے اور نہ دل کی گھبراہٹ کم ہوئی۔ وہ حیران و پریشان تھا کہ اس کے گھر والے، وطن، ساتھی اور دوست سب چھوٹ گئے پھر اسے اپنی ماں یاد آئی۔ پھر وہ اپنی مصیبتوں، بیوی بچوں کی جدائی اور اپنی تکلیفوں کو سوچنے لگا۔ اسی حالت میں تھا کہ شیخ ابوالرولیش نکل کر اس کے پاس آیا۔ وہ کالا تھا اور اس کے کپڑے بھی کالے تھے۔ حسن اسے دیکھتے ہی پہچان گیا کیونکہ شیخ عبدالقدوس نے اس کا رنگ روپ بتا دیا تھا۔ حسن فوراً اس کے قدموں پر گر پڑا۔ اپنے رخسار اس کے قدموں سے ملنے لگا۔ اس کا پاؤں اٹھا کر اسے سر پر رکھ لیا، اس کی آنکھوں سے آنسو برابر جاری تھے۔ اس نے حسن سے کہا بیٹا تو کیا چاہتا ہے؟ حسن نے ہاتھ بڑھا کر خط اسے دے دیا اور وہ خط لے کر بے جواب دیئے غار کے اندر چلا گیا۔ شیخ عبدالقدوس کی ہدایت کے مطابق اپنی جگہ دروازے پر کھڑا برابر روتا رہا۔ اس کی گھبراہٹ بڑھتی جاتی تھی اور ڈر زیادہ ہوتا جا رہا تھا۔ نیند بالکل نہ آتی تھی۔ ایک رات جب اسی حالت میں اسے تڑکا ہو گیا تو شیخ ابوالرولیش نکل کر اس کے پاس آیا اس وقت وہ سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اس نے ہاتھ سے حسن کو اشارہ کیا کہ اندر آ، وہ آگے بڑھا، شیخ اس کا ہاتھ پکڑ کر غار کے اندر لے چلا، حسن کا دل اچھلنے لگا، اسے یقین آ گیا کہ اس کی مراد بر آئی۔ آدھے دن تک چلنے کے بعد وہ ایک محراب دار دروازے پر پہنچے جس میں فولاد کے کواڑ لگے ہوئے تھے۔ شیخ نے دروازہ کھولا اور حسن کو لے کر ایک دہلیز میں داخل ہوا جس پر سلیمانی پتھر کی ڈاٹ تھی اور سونے کی مینا کاری، چلتے چلتے وہ ایک بڑے مرمر کے صحن میں پہنچے جس کے بیچ میں ایک باغ تھا جہاں طرح طرح کے درخت، پھول، پھل تھے، چڑیاں درختوں پر بیٹھی چہچہا

رہی تھیں اور زبردست خدا کی پاکی بیان کر رہی تھیں۔

اس صحن میں آمنے سامنے چار چبوترے تھے اور ہر چبوترے پر ایک ایک بیٹھک، جن میں ایک ایک حوض تھا اور ہر حوض کے ستونوں پر سونے کے شیر بنے ہوئے تھے۔ ہر بیٹھک میں ایک ایک کرسی پڑی ہوئی تھی جن پر ایک ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ ہر ایک کے سامنے بہت سی کتابیں تھیں اور سونے کی انگیٹھیاں جن میں انگارے اور خوشبوئیں تھیں شاگرد کتابیں پڑھ رہے تھے جب یہ دونوں ان کے پاس پہنچے تو وہ کھڑے ہو گئے شیخ نے آگے بڑھ کر ان سے اشارے سے کہا کہ حاضرین کو چلتا کرو۔ شاگرد چلے گئے تو وہ چاروں استاد آ کر شیخ ابوالریش کے آگے بیٹھ گئے اور حسن کے متعلق دریافت کرنے لگے۔ شیخ نے حسن کی طرف اشارہ کر کے کہا، ان لوگوں کو اپنا سارا قصہ اور ماجرا شروع سے لے کر آخر تک سنا۔ حسن نے رو رو کر انہیں اپنا سارا قصہ سنا دیا۔ جب حسن سنا چکا تو سب بوڑھوں نے چلا کر کہا یہ تو وہی شخص ہے جسے مجوسی نے اونٹ کی کھال میں سی کر گدھوں کے ذریعے سے جبل السحاب بھیجا تھا۔ حسن بولا ہاں! ان سب نے شیخ ابوالریش سے مخاطب ہو کر کہا اے شیخ! بہرام نے تو اسے مار ڈالنے میں کوئی کسر نہیں رکھی تھی۔ پھر یہ پہاڑ سے کس طرح نیچے آیا۔ شیخ ابوالریش نے کہا اے حسن! ان لوگوں سے بیان کر کہ تو نے کیا کیا عجیب باتیں دیکھیں اور کیسے نیچے اتر آیا۔ حسن نے شروع سے لے کر آخر تک سارا حال انہیں سنایا اور یہ بھی بیان کیا کہ مجوسی پھر کس طرح اس کے ہتھے چڑھا اور کیسے اس نے اسے قتل کیا اور کس صورت سے اس دوسرے شخص کو اس نے بہرام کے نیچے سے چھڑایا اور وہ لڑکی اسے کہاں ملی اور پھر وہ اسکے ساتھ بے وفائی کر کے اور بچوں کو لے کر اڑ گئی اور اسے تکلیف اور مصیبت میں چھوڑ گئی۔ اس کی سرگزشت سن کر حاضرین کو تعجب ہوا اور انہوں نے شیخ کی طرف مخاطب ہو کر کہا، اے شیخ! خدا کی قسم یہ جوان مصیبت زدہ ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ تو اسکی مدد کر کے اس کے بیوی بچوں

کو اس سے ملا دے گا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

○ ○ ○

• آٹھ سو تیسری رات

آٹھ سو تیسری رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- انہوں نے شیخ ابوالرولیش سے کہا کہ جوان مصیبت زدہ ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ تو اس کی مدد کر کے اس کے بیوی بچوں کو اس سے ملا دے گا۔ شیخ بولا، اے میرے بھائیو! یہ بڑا خطرناک معاملہ ہے اور سوائے اس جوان کے میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو اپنی جان سے تنگ آ چکا ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ جزائر واق تک پہنچنا آسان کام نہیں اور بغیر اپنی جان پر کھیلے کوئی وہاں تک نہیں پہنچا۔ تم جانتے ہو کہ وہ لوگ بڑے قوی ہیں۔ ان کے پاس بہت بڑا لشکر ہے اور میں نے قسم کھائی ہے کہ نہ میں خود ان کی زمین پر قدم رکھوں گا نہ ان کی کسی بات میں مداخلت کروں گا۔ پھر یہ جوان ملک اکبر کی بیٹی تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟ کس کی مجال ہے کہ اس لڑکی تک اس کو پہنچائے یا اس معاملے میں اس کی کچھ بھی مدد کر سکے۔ وہ بولے، اے شیخ! یہ شخص محبت کا مارا ہے، جان پر کھیل کر آیا ہے اور تیرے بھائی عبدالقدوس کا خط لایا ہے، اس لئے اس کی مدد کرنا تجھ پر لازمی ہے۔ اب حسن نے اٹھ کر شیخ ابوالرولیش کے قدم پکڑ لئے، اس کا دامن لے کر اپنے سر پر رکھا اور رو رو کر کہنے لگا، خدا کے لئے میری بیوی بچوں کو مجھ سے ملا دے۔ خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ اسے روتا دیکھ کر سب حاضرین رونے لگے اور انہوں نے شیخ ابوالرولیش سے کہا اس بیچارے کا ثواب غنیمت جان اور اپنے بھائی عبدالقدوس کے طفیل میں اس کے ساتھ بھلائی کر۔ شیخ بولا یہ جوان واقعی بے یار و مددگار ہے اور اسے خبر نہیں کہ اس پر کیا کچھ گزرنے والی ہے لیکن خیر جہاں تک ہو سکے گا ہم اس کی مدد کریں گے۔ یہ سن کر حسن خوش ہو گیا، اس کے ہاٹھ چومے، دوسرے کے ہاتھوں پر بھی بوسے دیئے اور ان سے مدد کی درخواست کی۔ اب ابوالرولیش نے کانڈ اور قلم دوات لے کر ایک خط لکھا اور مہر لگا کر حسن کو دے

دیا۔ پھر اسے چڑے کی ایک تھیلی دے کر جس میں خوشبوئیں اور آگ جلانے کا سامان مثلاً چقماق وغیرہ تھا کہا کہ اس تھیلی کو حفاظت سے رکھو۔ جب تجھ پر کوئی مصیبت آئے تو تھوڑی سی خوشبو لے کر جلاؤ اور میرا نام لیجیو میں فوراً تیرے پاس آ کر مدد کروں گا۔ بعد ازاں اس نے حاضرین میں سے ایک شخص سے کہا کہ اڑنے والے جنوں میں سے ایک دیو لے آئے۔ دیو حاضر ہوا تو شیخ نے پوچھا، تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا تیرا غلام دہنش بن نقطش ہے، ابوالرولیش بولا کہ آ۔ وہ پاس آیا تو شیخ ابوالرولیش نے اپنا منہ اس کے کان کے پاس لے جا کر کچھ کہا اور دیو نے اپنا سر ہلایا۔ اب شیخ نے حسن سے کہا کہ بیٹا، اٹھ کر اس اڑنے والے دیو دہنش پر سوار ہو جا۔ جب وہ تجھے لے کر آسمان پر پہنچے اور تیرے کان میں فرشتوں کی تسبیح کی آواز پہنچے تو تو تسبیح نہ پڑھیو ورنہ تو بھی ہلاک ہو جائے گا اور وہ بھی۔ حسن نے کہا کہ میں ہرگز کچھ نہ کہوں گا۔ شیخ نے کہا اے شیخ! یہ دیو تجھے لے جا کر کل صبح ایک سفید ملک میں اتارے گا جو کافور کی طرح صاف ہو گا۔ جب وہ تجھے وہاں اتار دے تو تنہا روانہ ہو جائیو، دس دن کے بعد تو ایک شہر کے دروازے پر پہنچے گا وہاں پہنچ کر اندر داخل ہو جائیو، بادشاہ کا پتا پوچھیو اور اس سے مل کر اسے سلام کیجیو اور اس کا ہاتھ چومیو اور اسے یہ خط دیجیو۔ وہ جو کچھ اشارے سے کہے، اسے سمجھیو۔ حسن نے کہا کہ سر آنکھوں پر اور جا کر دیو کے پاس کھڑا ہو گیا اور سب بزرگوں نے اسے دعا دی اور دیو سے کہا کہ اس کی نگہبانی کیجیو۔

دیو اسے اپنے کندھے پر بٹھا کر آسمان کی طرف اڑ گیا۔ ایک دن ایک رات اڑتا رہا۔ یہاں تک کہ حسن کو آسمان میں فرشتوں کی تسبیح سنائی دینے لگی۔ دوسرے دن صبح کو دیو نے اسے ایک ملک میں جا اتارا جو کافور کی طرح سفید تھا اور اسے وہاں چھوڑ کر لوٹ گیا۔ جب حسن کو اس بات کا احساس ہوا کہ وہ زمین پر ہے اور اس کے ساتھ کوئی اور نہیں تو وہ برابر دس دن اور دس رات چلتا رہا۔ چلتے چلتے ایک شہر کے دروازے پر پہنچا۔ اندر جا کر اس نے بادشاہ کا پتا پوچھا۔ لوگوں نے اس کا پتا بتایا اور کہا کہ

اس کا نام ملک حسون ہے، وہ ارض کافور کا بادشاہ ہے اور اس کے پاس اتنا لشکر ہے کہ زمین کی لمبائی اور چوڑائی اس سے بھر جائے۔ حسن نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ بادشاہ نے اجازت دے دی۔ حسن نے دیکھا کہ وہ بہت بڑا بادشاہ ہے۔ اس کے آگے زمین چومی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کس ضرورت سے آیا ہے؟ حسن نے خط کو چوم کر اسے دے دیا۔ اس نے خط پڑھا اور تھوڑی دیر تک سر ہلاتا رہا۔ پھر اپنے ایک مصاحب غلام سے کہا کہ اس جوان کو لے جا کر دارالضیافت میں اتار۔ غلام اسے وہاں لے گیا۔ وہ تین دن تک کھانے میں مشغول رہا، سوائے اس ایک غلام کے اس کے ساتھ کوئی دوسرا نہ تھا۔ وہی اس سے بات چیت کرتا، اس کا دل بہلاتا، اس کا حال دریافت کرتا اور پوچھتا کہ تو اس ملک میں کس طرح پہنچا۔ اور حسن اس سے بیان کرتا کہ اس پر کیا کیا مصیبتیں گزر چکی ہیں اور اب وہ کن کن بلاؤں میں گرفتار ہے۔

چوتھے روز غلام، حسن کو لے کر بادشاہ کے پاس گیا۔ بادشاہ نے کہا اے حسن تو میرے پاس اس لئے آیا ہے کہ یہاں سے جزائر واق جائے۔ جیسا کہ شیخ الشیوخ نے ہمیں لکھا ہے۔ بیٹا! اگر تو چاہے تو میں تجھے آج ہی روانہ کر دوں مگر یہ جان لے کہ راہ میں بے حد مخدوش مقامات ہیں اور بڑے بڑے خطرناک بیابان۔ لیکن صبر کر تیرے لئے بھلائی ہو گی اور خدا نے چاہا تو میں کسی نہ کسی تدبیر سے تجھے تیرے مقصد تک پہنچا دوں گا۔ اور بیٹا سن، مدت سے ديلم کا ایک لشکر پڑا ہوا ہے جن کے پاس ہتھیار اور گھوڑے اور جنگی سامان ہے پھر بھی وہ جزائر واق میں داخل نہیں ہو سکتے مگر بیٹا! شیخ الشیوخ ابوالرولیش بن بلقیس بنت معین کی خاطر میں تجھے ناکام لوٹا نہیں سکتا۔ عنقریب یہاں جزائر واق سے کشتیاں آئیں گی، ان کے آنے میں اب زیادہ دیر نہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی آگئی تو میں تجھے اس میں بٹھا کر ملاحوں سے تاکید کر دوں گا کہ وہ تجھے حفاظت کے ساتھ جزائر واق پہنچا دیں۔ اگر کوئی پوچھے تو کہیو کہ میں ارض کافور کے بادشاہ ملک حسون کا داماد ہوں۔ جب کشتی جزائر واق میں لنگر ڈالے اور ناخدا کہے کہ خشکی پر اتر تو اتر پڑیو۔ خشکی پر ہر طرف تجھے چوکیاں ہی چوکیاں پڑی نظر آئیں گی

ان میں سے ایک کے نیچے جا کر بیٹھ جائیو اور ہلیو نہیں۔ جب رات ہو جائے اور تو دیکھے کہ عورتوں کا لشکر آ کر سامان کے ارد گرد جمع ہو گیا ہے تو اس چوکی والی کا دامن پکڑ کر جس کے نیچے تو ہو کہیو کہ مجھے پناہ دے اور بیٹا سن اگر اس نے تجھے پناہ دے دی تو جانیو کہ تیری مراد بر آئی اور تیری پہنچ تیرے بیوی بچوں تک ہو جائے گی اور اگر اس نے پناہ نہ دی تو اپنی جان کو رو بیٹھیو‘ زندگی سے ہاتھ دھو ڈالیو اور موت کا یقین کر لیجنو۔ بیٹا سن! تو اپنی جان کو خود خطرے میں ڈال رہا ہے اور میں اس سے زیادہ تیری مدد نہیں کر سکتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• آٹھ سو چوتھی رات

آٹھ سو چوتھی رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- ملک حسون نے حسن سے کہا کہ اس سے زیادہ میں تیری مدد نہیں کر سکتا اور بیٹا، یہ بھی سن رکھ کہ اگر تجھ پر آسمان کے خدا کی مہربانی نہ ہوئی تو یہاں بھی نہ پہنچ سکتا۔ ملک حسون کی یہ باتیں سن کر حسن رونے لگا اور اتنا رویا کہ اسے غش آ گیا۔ ہوش آیا تو اس نے بادشاہ کے آگے زمین چومی اور کہا اے زبردست بادشاہ! کشتیوں کے آنے میں ابھی کتنا زمانہ باقی ہے؟ اس نے جواب دیا، ایک مہینہ اور ان کا سامان بکنے میں دو مہینے اور لگیں گے، اس کے بعد وہ اپنے گھروں کو واپس جائیں گے لہذا کہیں چھ مہینے کے بعد تجھے سفر کی امید ہو سکتی ہے۔ اب بادشاہ نے حسن سے کہا کہ دارالضیافت جا اور حکم دیا کہ اس کے لئے شاہانہ انداز سے کھانے پینے اور پہننے کا سامان مہیا کیا جائے۔ اس طرح سے وہ ایک مہینے تک دارالضیافت میں رہا کیا۔ مہینے گزرنے کے بعد کشتیاں آئیں اور بادشاہ اور تاجر لوگ حسن کو لے کر کشتیوں کے پاس گئے۔ حسن کی نظر ایک کشتی پر پڑی۔ جس میں روٹوں کی طرح لوگ بھرے ہوئے تھے کہ ان کی گنتی محض اس ذات کو معلوم ہو سکتی تھی جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ یہ کشتی بیچ سمندر میں کھڑی تھی اور اس کے ساتھ چھوٹی چھوٹی کشتیاں سامان لے کر خشکی پر اترتی جاتی تھیں۔ حسن ان کے پاس کھڑا رہا، یہاں تک کہ کشتی والوں نے سارا سامان اتار کر خرید و فروخت شروع کر دی اور سفر میں محض تین روز باقی رہ گئے۔ اب بادشاہ نے حسن کو اپنے پاس بلایا اور تمام ضروری چیزیں اس کے لئے مہیا کیں۔ اسے بہت کچھ انعام دیا اور اس کشتی کے ناخدا کو بلا کر کہا کہ اس جوان کو اپنے ساتھ کشتی میں لیتا جا مگر کسی سے اس کا ذکر نہ کیجیو اور اسے جزائرِ واق پہنچا کر

چھوڑ دیجیو، واپس نہ لائیو۔ ناخدا نے کہا کہ سر آنکھوں پر۔ اس کے بعد اس نے حسن کو یہ مشورہ دیا کہ اپنا حال کشتی والوں سے بالکل نہ کہیو۔ نہ انہیں اپنا قصہ سنائیو ورنہ تو مارا جائے گا۔ حسن نے بادشاہ کو دعا دی کہ اس کی عمر میں برکت ہو اور اسے حاسدوں اور دشمنوں پر کامیابی ملے۔ بادشاہ نے بھی اسے دعا دی کہ وہ صحیح و سلامت رہے اور اس کی مراد بر آئے۔ یہ کہہ کر اس نے حسن کو ناخدا کے سپرد کر دیا اور ناخدا نے اسے ایک صندوق میں بند کر کے ناؤ پر رکھ دیا اور صندوق کو اس وقت کشتی میں اتارا جب لوگ اپنا سامان چڑھانے میں مشغول تھے۔ اس کے بعد کشتیاں چل دیں اور برابر دس دن تک چلتی رہیں۔ گیارہویں دن جب کہ وہ خشکی پر پہنچے تو ناخدا نے اسے کشتی سے نکالا۔ کشتی سے اتر کر اس نے اتنی چوکیاں خشکی پر پڑی دیکھیں جن کا شمار سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جان سکتا۔ چلتے چلتے حسن ایک چوکی کے پاس پہنچا جو لاجواب تھی اور اس کے نیچے جا کر چھپ گیا۔ جب رات ہوئی تو ٹڈیوں کی طرح بے حساب عورتیں آئیں، وہ سب پیدل تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں اور وہ زہ بکتر میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ تجارت کا سامان دیکھ کر عورتیں اس میں مشغول ہو گئیں اور پھر ستانے کے لئے چوکیوں پر آ بیٹھیں۔ ان میں سے ایک عورت اسی چوکی پر آ بیٹھی۔ جس کے نیچے حسن چھپا ہوا تھا۔ حسن نے اس کا دامن لے کر اپنے سر پر رکھ لیا اور اس کے آگے گر پڑا اور رو رو کر اس کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا۔ عورت بولی۔ اے شخص نکل کر کھڑا ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی تجھے دیکھ لے اور مار ڈالے۔ یہ سن کر حسن چوکی کے نیچے سے نکل آیا اور گھٹنوں کے بل کھڑا ہو کر اس کے ہاتھ چومنے اور کہنے لگا کہ میری آقا! میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اس کے بعد وہ رو رو کر کہنے لگا کہ رحم کر اس شخص پر جو اپنے گھر والوں اور بیوی بچوں سے جدا ہو گیا ہے اور انہی سے ملنے کے لئے نکلا ہے اور اپنی جان پر کھیل رہا ہے۔ رحم کر میرے حال پر اور یقین کر کہ تجھے اس کے بدلے جنت ملے گی اور اگر تو مجھے اپنی پناہ میں

قبول نہیں کرتی تو پردہ پوش خدا کا تجھے واسطہ دیتا ہوں کہ میری پردہ پوشی کر۔ جب حسن اس سے یہ باتیں کر رہا تھا تو تاجر اسے گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔ جب اس عورت نے حسن کی باتیں سنیں اور اس کی عاجزی دیکھی تو اسے ترس آ گیا۔ اس کا دل پلج گیا اور وہ سمجھی کہ وہ ضرور کسی دشوار کام کے لئے اس جگہ آیا ہے اور اپنی جان کو خطرے میں ڈالا ہے۔ یہ سوچ کر اس نے حسن سے کہا، بیٹا پریشان نہ ہو، اطمینان رکھ پہلے کی طرح چوکی کے نیچے چھپ جا اور کل رات تک چھپا رہ، جو خدا کو منظور ہے ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر اس نے حسن کو رخصت کیا اور وہ پہلے کی طرح چوکی کے نیچے چل گیا۔ لشکر والوں نے عود اور عنبر کی شمعیں جلا کر رات گزاری۔ جب سویرا ہوا تو پھر کشتیاں خشکی پر آ گئیں اور تاجر سامان اتارنے لگے۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ حسن پریشان خاطر اور روتا چوکی کے نیچے چھپا بیٹھا رہا۔ اسے کچھ معلوم نہ ہوتا تھا کہ غیب میں اس کے لئے کیا پوشیدہ ہے۔ وہ اسی حالت میں تھا کہ وہی تاجر عورت جس کی پناہ میں حسن تھا، آئی اور ایک زہ، تلوار، سونے کی پٹی اور نیزہ دے کر لشکر کے ڈر سے چل دی۔ ان چیزوں کو دیکھ کر حسن سمجھ گیا کہ تاجر عورت نے اسے یہ چیزیں پہننے ہی کے لئے دی ہوں گی۔ اس نے اٹھ کر زہ پہنی، اور کمر سے پٹی باندھی، بغل کے نیچے تلوار لگائی اور ہاتھ میں نیزہ لے کر چوکی پر آ بیٹھا۔ زبان سے خدا کی یاد کرنے لگا اور اس سے پردہ پوشی کی درخواست کی۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو پانچویں رات

آٹھ سو پانچویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- حسن نے خدا سے پردہ پوشی کی درخواست کی۔ وہ اسی حالت میں تھا کہ عورتوں کا لشکر مشعلیں اور فانوس اور شمعیں لئے آ پہنچا۔ حسن اٹھ کر لشکر میں مل گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا انہی میں کا ایک ہے۔ جب سویرا ہونے لگا تو حسن ان کے ساتھ ان کے خیموں میں پہنچا۔ وہ سب ایک ایک خیمے میں داخل ہو گئیں۔ حسن بھی ایک خیمے کے اندر چلا گیا اس نے دیکھا کہ وہ اسی عورت کا خیمہ ہے جس سے اس نے پناہ کی درخواست کی تھی۔ جب وہ عورت اندر آئی تو اس نے اپنے ہتھیار کھول دیئے۔ زہ اور نقاب اتار ڈالی۔ حسن نے بھی اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دیئے اور دیکھا کہ اس کی ساتھن بڑھیا ہے۔ اس کے بال سفید، آنکھیں نیلی اور ناک بڑی ہے۔ شکل چڑیل کی سی ہے جس سے زیادہ بد صورت ہونا ممکن نہیں۔ چچک داغ منہ ہے، بھنوں پر بال نہیں، دانت ٹوٹے ہوئے، رخسار ڈھلے ہوئے، بال سفید ہیں، ناک سے پانی بہہ رہا ہے اور منہ سے رال ٹپک رہی ہے۔ اس کی شکل گنجی قتبہ اور چتکبرے سانپ کی سی ہے۔ حسن کی طرف دیکھ کر بڑھیا کو تعجب ہوا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ آخر یہ شخص یہاں پہنچا کس طرح، کس کشتی میں بیٹھ کر آیا اور کیسے صحیح و سلامت پہنچ گیا؟ اس کے بعد بڑھیا نے اس کا حال پوچھا اور اس کے آنے پر تعجب کیا۔ حسن اٹھ کر اس کے پاؤں سے اپنا چہرہ ملنے لگا اور اتنا رویا کہ بے ہوش ہو گیا۔

جب اسے ہوش آیا تو اس نے بڑھیا کا دامن اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ کبھی روتا اور کبھی دہائی دیتا۔ اس کی دل سوزی، تمنا، تکلیف اور مصیبت دیکھ کر بڑھیا کا دل کڑھنے لگا۔ اس نے کہا تو میری پناہ میں ہے، ڈر نہیں، پھر اس نے حسن کا ماجرا پوچھا۔ حسن

نے شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنایا۔ بڑھیا کو بڑا چنبھا ہوا۔ وہ کہنے لگی تو غم نہ کر، خدا نے چاہا تو تیری مراد بر آئے گی۔ یہ سن کر حسن کی باچھیں کھل گئیں۔ اس کے بعد بڑھیا نے لشکر کے سرداروں کو بلا بھیجا۔ یہ مہینے کا آخری دن تھا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو بڑھیا نے ان سے کہا کہ جا کر لشکر کو حکم دو کہ وہ کل صبح سویرے نکلیں۔ ان میں سے کوئی پیچھے نہ رہے ورنہ جان سے مارا جائے گا۔

انہوں نے کہا سر آنکھوں پر اور باہر جا کر منادی کرا دی کہ سارا لشکر کل سویرے نکلے اور لوٹ کر بڑھیا کو خبر دی۔ حسن جان گیا کہ بڑھیا لشکر کی سردار ہے اور اسی کا حکم چلتا ہے وہ ان کی حاکم ہے حسن نے تمام دن اپنے ہتھیار نہ کھولے۔ اس بڑھیا کا نام شواہی تھا اور کنیت ام الدواہی، احکام صادر کرتے کرتے صبح ہو گئی اور تمام لشکر باہر نکل آیا مگر بڑھیا اندر ہی رہی۔ جب سارا لشکر باہر آ چکا اور بڑھیا اکیلی رہ گئی تو اس نے حسن سے کہا، بیٹا میرے پاس آ، حسن قریب جا کر سامنے کھڑا ہو گیا۔ بڑھیا اس کی طرف مخاطب ہو کر بولی۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ تو اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر یہاں آیا ہے؟ تو مرنے پر کیوں تلا ہوا ہے؟ اپنا سارا قصہ سچ سچ بتا دے۔ کوئی بات چھپا نہیں، خوف نہ کر، تو میری پناہ میں ہے۔ میں نے تجھے پناہ دی اور تیرے اوپر ترس کھایا ہے۔ اگر تو مجھ سے سچ سچ کہہ دے گا تو میں تیری مطلب بر آری میں تیری مدد کروں گی خواہ اس کے ساتھ جسم و جان کی تباہی کیوں نہ وابستہ ہو۔ اب چونکہ تو میرے پاس پہنچ گیا ہے، تیرا بال بیکا نہ ہو گا اور جزائرِ واق میں کسی کی یہ مجال نہیں ہو سکتی کہ تیرے اوپر نظر اٹھا سکے۔

یہ سن کر حسن نے اپنی تمام سرگزشت شروع سے لے کر آخر تک سنا دی بیوی اور چڑیوں کا قصہ بھی بیان کیا کہ اس نے اسے کس طرح دس چڑیوں میں سے شکار کر کے اس سے شادی کی پھر اس نے اس کے ساتھ بہت سے دن گزارے۔ دو لڑکے پیدا ہوئے بالآخر اس نے اپنے پروں کے لباس کا پتا لگا لیا اور اپنے بچوں کو لے کر اڑ گئی۔ غرض کہ اس نے پہلے روز سے لے کر اس وقت تک کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس

کی باتیں سن کر بڑھیا نے اپنا سر ہلایا اور کہنے لگی کہ پاک ہے وہ ذات جس نے تجھے صحیح و سلامت رکھا اور یہاں لا کر میرے پاس پہنچا دیا۔ اگر تو کسی اور کے ہتھے چڑھتا تو نہ تیری جان بچتی، نہ تیرا مقصد حاصل ہوتا لیکن تیری نیت کی سچائی، محبت اور بیوی بچوں کی تمنا تجھے تیرے مقصد تک پہنچا دے گی۔ اگر تو اس پر عاشق اور اس کی تمنا میں بے تاب نہ ہوتا تو اپنی جان پر یہ مصیبتیں نہ جھیلتا۔ خدا کا شکر ہے کہ تو صحیح و سلامت بچ گیا اور اب ہمارا فرض ہے کہ تیری حاجت پوری ہونے میں تیری مدد کریں اور خدا نے چاہا تو تیری مراد بر آئے گی۔ لیکن بیٹا! سن تیری بیوی جزائرِ واق کے ساتویں جزیرے میں ہے اور یہاں سے وہاں تک دن رات چلنے پر سات مہینے کی راہ ہے۔ یہاں سے چل کر ہم پہلے ایک ملک میں پہنچیں گے جس کا نام ارضِ طیور ہے، وہاں چڑیوں کی آواز اور ان کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ اتنی زیادہ ہے کہ کوئی ایک دوسرے کی بات نہیں سمجھ سکتا۔ اور شہرِ زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو چھٹی رات

آٹھ سو چھٹی رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- اس ملک میں چڑیوں کی آواز اور ان کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ اتنی زیادہ ہے کہ ایک دوسرے کی بات نہیں سمجھ سکتا۔ اس ملک سے گیارہ دن اور گیارہ رات چلنے کے بعد ہم دوسرے ملک میں پہنچیں گے۔ جس کا نام ارض الوحوش ہے۔ وہاں درندوں، بجوؤں اور وحشی جانوروں کی چیخ دہاڑ، بھیڑیوں کا شور اور شیروں کی ڈکاریں ایسی ہوں گی کہ ہمیں کچھ سنائی نہ دے گا۔ وہاں سے بیس روز چلنے کے بعد ہم ایک اور ملک میں پہنچیں گے جس کا نام ارض الجن ہے۔ اس میں جنات کا شور و غل اور آگ کی لپٹ کی انتہا نہ ہوگی۔ ان کے منہ سے اس قدر انگارے اور دھواں نکلتا ہو گا کہ ہمارا راستہ رک جائے گا اور کان اتنے بہرے ہو جائیں گے اور آنکھیں اس قدر چندھیا جائیں گی کہ نہ ہم سن سکیں گے، نہ دیکھ سکیں گے۔ اگر وہاں کسی نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ہلاک ہو جائے گا اور سوار وہاں اپنا منہ تین دن تک زین پر اوندھا کئے چلتا رہے گا۔ اس کے بعد ہمیں ایک بڑا پہاڑ اور ایک بہتا ہوا دیا ملے گا۔ جو جزائرِ واق سے ملے ہوئے ہیں۔ اور بیٹا سن! یہ سارا لشکر باکرہ عورتوں کا ہے اور ہماری حکمران ایک عورت ہے جو جزائرِ واق ہی کے ساتوں جزیروں میں سے ہے اور اگر کوئی سوار بہت تیز چلے تو پورے ایک سال میں ان جزیروں کو طے کر سکتا ہے۔ اس دیا کے کنارے ایک اور پہاڑ ہے جس کا نام جبلِ واق ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں ایک درخت پیدا ہوتا ہے جس کی شاخیں آدمیوں کے سروں کی سی ہوتی ہیں اور جب ان پر دھوپ پڑتی ہے تو تمام سر چلانے لگتے ہیں اور ان میں سے واق واق سبحان الملک الخلاق کی آوازیں نکلتی ہیں ہم ان کی آوازیں سنتے ہیں تو سمجھ جاتے ہیں کہ دھوپ نکل آئی۔ اسی طرح جب سورج ڈوبنے لگتا ہے تو پھر ان سروں میں سے وہی آواز نکلتی ہے کہ واق واق سبحان الملک

الخلق اور ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ سورج ڈوب رہا ہے۔ اس وقت کسی مرد کی مجال نہیں ہمارے ہاں ٹھہر سکے یا باہر سے آ کر ہمارے ملک میں داخل ہو۔

اس جگہ سے ملکہ تک جو ہم پر حکومت کرتی ہے، ایک مہینے کی راہ ہے۔ اس ملک کے تمام باشندے اس ملکہ کی رعیت ہیں۔ علاوہ ان کے اس کی رعیت میں جنوں، دیوؤں، شیطانوں کے قبیلے بھی ہیں اور اتنے جادوگر ہیں جن کی تعداد سوائے اس ذات کے جس نے انہیں پیدا کیا ہے، کوئی نہیں جان سکتا۔ اگر تجھے اپنی جان کا ڈر لگتا ہو تو میں تجھے کسی کے ساتھ سمندر کے کنارے بھیجے دیتی ہوں اور وہاں ایک شخص کو اپنے ساتھ لاؤں گی جو تجھے کشتی پر بٹھا کر تیرے وطن پہنچا دے گا اور اگر تیرا دل چاہتا ہے کہ ہمارے ساتھ رہے تو میں تجھے منع نہ کروں گی بلکہ تجھے اپنی آنکھوں میں جگہ دوں گی اور خدا نے چاہا تو تیری مراد بر آئے گی۔ اس نے جواب دیا کہ اے میری آقا! جب تک میری بیوی نہ مل جائے یا میری جان نہ چلی جائے میں تیرا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ بڑھیا بولی کہ یہ آسان کام ہے، اطمینان رکھ اور خدا کو منظور ہے تو عنقریب تیرا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ میں ضرور ملکہ کو تیرے حال سے مطلع کروں گی تاکہ وہ تیری مطلب بر آری میں مدد کر سکے۔ حسن نے اسے دعا دی، اس کے ہاتھوں اور سر کو بوسہ دیا اور اس کے سلوک اور انتہائی مروت کا شکر گزار ہوا اور اپنا انجام سوچتا ہوا اس کے ساتھ ہو لیا اب بڑھیا کے حکم سے کوچ کا نفاذ بجایا گیا۔ لشکر چل کھڑا ہوا اور حسن اپنی فکروں میں غرق بڑھیا کے ساتھ ہو لیا۔ بڑھیا اسے صبر اور تسلی دلانے کی کوشش کرتی مگر نہ اسے افاقہ ہوتا اور نہ وہ بڑھیا کی باتوں کی طرف دھیان دیتا۔

چلتے چلتے ساتوں جزیروں میں سے پہلے جزیرے میں پہنچے جو جزیرہ الطیور تھا۔ اس میں داخل ہوتے ہی حسن کو ایسا معلوم ہوا کہ شور و غل کی وجہ سے دنیا الٹ پلٹ ہوئی جا رہی ہے۔ اس کے سر میں درد ہونے لگا۔ ہوش جاتے رہے اور کان بہرے ہو گئے اور وہ بے حد ڈرنے لگا۔ موت کا یقین آ گیا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر ارض الطیور کا یہ رنگ ہے تو ارض الوحوش کا کیا حال ہو گا! بڑھیا شواہی اس کی یہ کیفیت دیکھ

کر ہنسنے لگی اور کہا بیٹا! اگر پہلے ہی جزیرے میں تیرا یہ حال ہے تو باقی جزیروں میں پہنچ کر تیرے اوپر کیا گزرے گی۔ حسن گڑگڑا کر خدا کے آگے دعا مانگنے لگا کہ خداوند جس مصیبت میں تو نے مجھے مبتلا کیا ہے، اس میں میری مدد کر اور میری مراد برلا۔ غرض کہ ارض الطیور کو طے کر کے وہ ارض الوحوش میں پہنچے اور پھر اس سے گزر کر ارض الجان میں۔ اسے دیکھ کر حسن ڈر گیا اور اس کے ساتھ وہاں جانے پر پشیمان ہوا لیکن خدا کی مدد مانگ کر ان کے ساتھ چل کھڑا ہوا اور ارض الجان کو طے کر کے دیا پر پہنچ گیا اور لوگوں نے اس اونچے پہاڑ کے نیچے دیا کے کنارے خیمے ڈال دیئے۔ بڑھیا نے حسن کے لئے ایک مرمر کی چوکی بچھوا دی جس میں موتی اور جواہرات جڑے ہوئے تھے اور دیا کے کنارے سرخ سونے کی اینٹیں بچھا دیں۔ حسن ان پر بیٹھ گیا اور بڑھیا نے لشکر کو اس کے سامنے سے گزارا پھر لوگوں نے اس کے ارد گرد خیمے لگائے اور ذرا سستا کر کھایا پیا اور آرام سے سو گئے، کیونکہ اب وہ اپنے وطن میں پہنچ گئے تھے۔ حسن نے اپنے چہرے پر نقاب ڈال لی تھی۔ سوائے آنکھوں کے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اتنے میں لڑکیاں حسن کے خیمے کے پاس سے ہو کر گزریں اور اپنے کپڑے اتار کر دیا میں اتر گئیں۔ نہانے اور کھیلنے کودنے لگیں۔ انہیں یہ گمان نہ ہوا کہ کوئی مرد انہیں دیکھ رہا ہے کیونکہ انکے خیال میں وہ کوئی شہزادی تھی۔ حسن نے دیکھا کہ ان کے چہرے چاند کی طرح ہیں اور بال جیسے دن پر رات، وہ سب شہزادیاں تھیں۔ نہر سے نکل کر وہ ایسی معلوم ہوتی تھیں جیسے چودھویں رات کا چاند، لشکر کا لشکر آ کر حسن کے آگے جمع ہو گیا کیونکہ بڑھیا نے منادی کرا دی تھی کہ سب اس کے خیمے کے آگے آ کر جمع ہوں اور کپڑے اتار کر دیا میں اتریں اور نہائیں تاکہ ان میں اس کی بیوی ہو تو وہ پہچان لے۔ بڑھیا ایک ایک جماعت کو اس کے سامنے لاتی اور اس سے پوچھتی لیکن وہ کہتا کہ اے میری آقا! وہ ان میں نہیں ہے۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو ساتویں رات

آٹھ سو ساتویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب بڑھیا حسن سے پوچھتی تو وہ یہی کہتا کہ اے میری آقا! وہ ان میں نہیں ہے۔ اب سب کے بعد ایک لڑکی آئی جس کے ساتھ دس خواصیں اور تیس لونٹیاں تھیں۔ سب باکرہ اور سب کے سینے ابھرے ہوئے تھے۔ وہ سب اپنے کپڑے اتار کر لڑکی کے ساتھ دیا کے اندر چلی گئیں اور لڑکی ان کے ساتھ اٹھیلیاں کرنے اور انہیں پانی میں دھکیلنے اور غوطے دینے لگی۔ تھوڑی دیر وہ یہی کرتی رہی، پھر اس دیا میں سے نکل کر وہ سب بیٹھ گئیں۔ لونٹیاں اس کے لئے ریٹھی رومال لائیں جن پر سونے کا کام تھا۔ اس نے اپنا بدن پونچھا۔ پھر وہ اس کے لئے جنوں کی کاریگری کے کپڑے اور گنے لائیں۔ اس نے انہیں پہنا اور اپنی کنیزوں کو لے کر لشکر کے درمیان ناز و انداز سے پھرنے لگیں۔

اسے دیکھ کر حسن کے ہوش اڑ گئے اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ اس چڑیا سے بے حد مشابہ ہے جسے میں نے اپنی بہن لڑکیوں کے محل میں حوض میں دیکھا تھا اور اسی کی طرح یہ بھی اپنی ساتھیوں سے اٹھیلیاں کرتی تھی۔ بوڑھی بولی، اے حسن! کیا یہ تیری بیوی ہے؟ حسن نے کہا اے میری آقا، تیری جان کی قسم! یہ میری بیوی نہیں بلکہ اسے تو میں نے آج تک دیکھا بھی نہیں، جتنی عورتوں کو میں نے اس جزیرے میں دیکھا ہے ان میں سے ایک میں بھی وہ قد و اعتدال اور حسن و جمال نہیں پایا جاتا۔ بڑھیا نے کہا اس کی تعریف تو کر اور اس کا سارا حلیہ بتا تا کہ میں دیکھوں کہ وہ کون ہے۔ میں جزائر واق کی ہر لڑکی کو جانتی ہوں کیونکہ میں لڑکیوں کے لشکر کی سردار ہوں اور ان کی حکمران ہوں۔ اگر تو مجھ سے تفصیل کے ساتھ بیان کرے گا تو میں اسے پہچان جاؤں گی اور کسی نہ کسی طرح اسے لا موجود کروں گی۔ حسن نے کہا کہ میری بیوی کا چہرہ خوبصورت، قد سڈول اور رخسار چکنے چکنے اور سینہ ابھرا ہوا، آنکھیں

آبی سیال، پنڈلیاں موٹی موٹی، دانت سفید سفید، زبان میٹھی اور انداز دل فریب ہے۔ گویا وہ جھکی ہوئی شہنی ہے، اس کے ہونٹ گلابی اور پتلے پتلے، آنکھیں سرگیں ہیں۔ اس کے داہنے رخسار پر ایک تل ہے، اس کا چہرہ گول چاند کی طرح چمکتا ہوا ہے، اس کی کمر پتلی اور کولہے بھاری ہیں۔ اس کا لعاب بیمار کے لئے شفا ہے گویا وہ کوثر اور سلسبیل ہے۔

بڑھیا بولی کہ کچھ اور تعریف کر، خدا تجھے اس کا عشق زیادہ دے۔ حسن بولا، اس کی گردن لمبی، رخسار لعل کی طرح اور منہ عقیق کی انگوٹھی کا سا، اس کے دانت ایسے چمک دار ہیں کہ جام اور صراحی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ بڑھیا نے تھوڑی دیر کے لئے اپنا سر جھکا لیا اور پھر حسن کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔ سبحان اللہ! میں بھی تیرے ساتھ مصیبت میں پھنس گئی۔ اے حسن! کاش میں تجھ سے نہ ملی ہوتی! جس عورت کی تو نے تعریف کی ہے، جسے تو اپنی بیوی بتاتا ہے وہ تو ملک اکبر کی بڑی بیٹی ہے جو کل جزائر واق کی حکمران ہے۔ آنکھیں کھول اور اپنے معاملے پر غور کر، اگر تو سو رہا ہے تو جاگ جا کیونکہ اس تک ہرگز تیری پہنچ نہیں ہو سکتی اور اگر تو وہاں پہنچ بھی جائے تو تو اسے نہیں پا سکتا کیونکہ تجھ میں اور اس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ بیٹا تو جلدی سے واپس چلا جا ورنہ ہلاک ہو جائے گا اور اپنے ساتھ مجھے بھی لے ڈوبے گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ تیری قسمت میں نہیں۔ بڑھیا کو اپنی اور حسن کی جان کے لالے پڑ گئے۔ اس کی باتیں سن کر حسن اتنا رویا کہ اسے غش آ گیا۔ بڑھیا اس کے منہ پر برابر پانی چھڑکتی رہی۔ یہاں تک کہ اسے ہوش آیا، مگر بڑھیا کی باتوں سے اسے اتنا رنج و الم ہوا کہ روتے روتے اس کے کپڑے آنسوؤں سے بھیگ گئے اور وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ پھر اس نے بڑھیا سے کہا، اے میری آقا! اب یہاں تک پہنچنے کے بعد میں کیسے واپس جا سکتا ہوں! پھر میرا دل بھی گواہی نہیں دیتا کہ تو میرے مطلب برآری میں ناکام رہے گی خاص کر جب کہ تو لڑکیوں کے لشکر کی سردار ہے اور ان کی حاکم۔ بڑھیا بولی، بیٹا! خدا کے واسطے تو ان لڑکیوں میں سے ایک لڑکی چن

لے اور میں تیری بیوی کے بدلے اسے تیرے حوالے کر دوں گی، ورنہ اگر تو بادشاہوں کے بچے میں پڑ گیا تو پھر میں کسی تدبیر سے بھی تجھے چھڑا نہیں سکتی۔ خدا کے واسطے تو میرا کہنا مان جا اور کسی دوسری اچھی سے اچھی لڑکی کو اپنی بیوی بنا کر فوراً اپنے وطن کو چل دے۔ ایسا نہ ہو کہ تیرا غم مجھے اٹھانا پڑے۔ تو نے اپنے آپ کو ایسی بڑی بلا اور ہولناک خطرے میں ڈال رکھا ہے کہ کوئی تجھے اس سے چھٹکارا نہیں دے سکتا۔ یہ سن کر حسن نے سر نیچا کر لیا اور بلک بلک کر رونے لگا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• آٹھ سو آٹھویں رات

آٹھ سو آٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- حسن نے سر نیچا کر لیا اور بلک بلک کر رونے لگا یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو گیا، بڑھیا برابر اس کے منہ پر پانی چھڑکتی رہی۔ جب اسے ہوش آیا تو بڑھیا نے اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے میرے آقا! اپنے وطن لوٹ جا، اگر میں تجھے شہر میں لے گئی تو تیری بھی جان جائے گی اور میری بھی کیونکہ اگر ملکہ کو اس کی خبر ہو گئی تو وہ مجھے برا بھلا کہے گی کہ میں تجھے اس کے ملک میں کیوں لائی؟ آج تک کوئی آدم زاد اس کے جزیروں میں نہیں پہنچا ہے۔ وہ مجھے اس جرم میں قتل کر ڈالے گی کہ میں تجھے اپنے ساتھ لائی اور تجھے ان باکہ لڑکیوں پر نظر ڈالنے دی جنہیں تو نے دیا میں دیکھا ہے کیونکہ ابھی تک نہ کسی غیر مرد نے انہیں چھوا ہے، نہ کوئی شوہر ان کے پاس پھٹکا ہے۔ حسن نے قسم کھائی کہ میں نے انہیں بری نظر سے ہرگز نہیں دیکھا۔ بڑھیا بولی بیٹا! بہتر ہے کہ تو اپنے وطن لوٹ جا اور میں تجھے اتنا مال و دولت اور تحفے تحائف دوں گی کہ تجھے کسی عورت کی پروا نہ رہے گی۔ میرا کہنا مان لے اور جانے میں دیر نہ کر اپنی جان پر نہ کھیل بس یہی میری آخری نصیحت ہے۔ بڑھیا کی باتیں سن کر حسن رو پڑا اور اپنا منہ اس کے قدموں سے رگڑنے لگا اور کہا اے میری آقا! مولیٰ اور آنکھ کی روشنی، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں یہاں تک پہنچ کر بے اسے دیکھے چلا جاؤں، جس کی تمنا میں میں آیا ہوں، اس وقت میں اپنے محبوب کے گھر کے قریب ہوں اور امید ہے کہ اس کا دیدار جلد نصیب ہو اور ممکن ہے کہ وہ مجھے مل بھی جائے۔ بڑھیا کو اس پر رحم آ گیا اور وہ اس کی طرف مخاطب ہو کر اسے دلاسا دینے لگی اور اس سے کہنے لگی کہ خوش ہو جا اور غم کو اپنے دل سے نکال ڈال۔ خدا کی قسم میں تیری خاطر اپنی جان لڑا دوں گی، تیری مراد بر آئے گی یا میری جان جاتی رہے

گی۔ یہ سن کر حسن کی باچھیں کھل گئیں اور وہ شام تک بیٹھا بڑھیا سے باتیں کرتا رہا۔ جب دن چھپ گیا تو سب لڑکیاں چلی گئیں۔ بعض اپنے محل میں جو شہر میں تھا اور بعض نے خیموں میں رات بسر کی۔

اب بڑھیا حسن کو ساتھ لے کر شہر میں گئی اور اسے اکیلا ایک مکان میں اتارا کیونکہ وہ ڈرتی تھی کہ اگر ملکہ کو اس کی خبر ہو گئی تو وہ اسے بھی قتل کر ڈالے گی اور اس کے لانے والے کو بھی۔ بڑھیا خود اس کی خدمت کرتی اور اسے ملک اکبر کے دبدبے سے ڈراتی رہتی جو اس کی بیوی کا باپ تھا اور وہ بڑھیا کے آگے رو رو کر کہتا کہ اے میری آقا! میں نے تو موت پسند کر لی ہے اور دنیا سے بیزار ہو گیا ہوں، اگر میں اپنے بیوی بچوں سے نہ مل سکا تو اپنی جان پر کھیل جاؤں گا، یا تو میں اپنی مراد پوری کر کے رہوں گا، یا جان دے دوں گا، بڑھیا سوچ میں پڑ گئی کہ اس کے وصال کی کیا تدبیر نکلے اور اسے اس کی بیوی سے کیونکر ملایا جائے اور ایسے ضدی کا کیا علاج ہو جس نے اپنی جان تباہی میں ڈال رکھی ہے۔ کسی ڈرانے دھمکانے پر بھی اپنے مقصد سے باز نہیں آتا اور اپنی جان کی پروا نہیں کرتا۔ مثل ہے کہ عاشق اس شخص کی بات نہیں سنتا جسے عشق نہ ہو۔ وہ لڑکی اسی جزیرے کی ملکہ تھی جہاں یہ سب آ کر اترے تھے اور اس کا نام نور الہدیٰ تھا۔ اس ملکہ کی سات بہنیں تھیں اور سب کنواری اور اپنے باپ ملک اکبر کے ساتھ رہا کرتیں جو واق کے جزیروں اور ملکوں کا بادشاہ تھا۔ اس بادشاہ کا پایہ تخت اس ملک کا سب سے بڑا شہر تھا جس شہر میں اس وقت حسن تھا۔ اس پر اور اس کے گرد و نواح پر بادشاہ کی بڑی بیٹی نور الہدیٰ کی حکومت تھی۔ جب بڑھیا نے دیکھا کہ حسن اپنے بیوی بچوں سے ملنے کے لئے تڑپ رہا ہے تو وہ نور الہدیٰ کے محل میں جا کر اس سے ملی اور اس کے آگے زمین چومی۔ بڑھیا کا اس پر حق تھا کیونکہ اسی نے بادشاہ کی سب بیٹیوں کی پرورش کی تھی اور سب پر حکم چلاتی تھی۔ اس کی عزت لڑکیاں بھی کرتی تھیں اور بادشاہ بھی۔ جب بڑھیا نور الہدیٰ کے پاس پہنچی تو اس نے اٹھ کر اسے گلے لگایا اور اسے اپنے پاس بٹھا کر سفر کا حال پوچھا۔

بڑھیا نے کہا اے میری آقا! سفر بڑا مبارک رہا اور میں اپنے ساتھ تیرے لئے ایک
 ہدیہ لائی ہوں جسے ابھی پیش کروں گی۔ یہ کہہ کر بڑھیا بولی اے میری بیٹی! اور دنیا
 جہان کی ملکہ، میں اپنے ساتھ ایک عجیب و غریب چیز لائی ہوں اور چاہتی ہوں کہ اس
 سے تجھے مطلع کر دوں تاکہ اس کی حاجت روائی میں مدد کر سکے۔ ملکہ نے پوچھا وہ
 کیا؟ بڑھیا نے حسن کی کہانی شروع سے لے کر آخر تک سنا دی اور ایسا کانپی جیسے
 آندھی میں بید، یہاں تک کہ وہ شنزادی کے آگے گر پڑی اور کہنے لگی اے میری آقا!
 وہ شخص ایک چوکی کے نیچے چھپا بیٹھا تھا۔ اس نے مجھ سے پناہ کی درخواست کی میں
 نے اسے پناہ دی اور اس کے ہتھیار لگا کر اس طرح اپنے ساتھ لڑکیوں کے لشکر کے
 ہمراہ لے کر شہر میں لائی کہ کسی نے اسے پہچانا تک نہیں۔ میں نے اسے تیرے دبدبے
 سے بہت ڈرایا، تیری قوت اور طاقت اسے جتلائی لیکن جب میں اسے ڈراتی تو وہ روتا
 اور کہتا کہ بغیر میری بیوی بچوں کے میرے لئے اور کوئی چاہہ نہیں، مر جاؤں گا لیکن
 خالی ہاتھ لوٹوں گا نہیں۔ وہ اپنی جان پر کھیل کر جزائرِ واق آیا ہے۔ عمر بھر میں نے
 اس سے زیادہ مضبوط اور قوی دل آدمی نہیں دیکھا۔ اس کے دل میں بے حد عشق سلایا
 ہوا ہے۔
 اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
 ملی تھی۔

• آٹھ سو نوویں رات

آٹھ سو نوویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- بڑھیا نے ملکہ نور الہدیٰ سے حسن کا قصہ سنا کر کہا، میں نے اس سے زیادہ مضبوط اور قوی دل کسی کو نہیں دیکھا۔ اس کے سوا اس کے دل میں بے حد عشق سلایا ہوا ہے۔ ملکہ نے بڑھیا کی باتیں سنیں اور حسن کا ماجرا سنا تو وہ طیش میں آگئی اور سر نیچا کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے نظر اٹھائی اور بڑھیا کی طرف دیکھ کر کہا، اے منحوس بڑھیا! کیا تیری بد ذاتی اس حد تک بڑھ گئی کہ تو مردوں کو جزائرِ واق میں میرے پاس لاتی ہے اور میرے بدبے سے بالکل نہیں ڈرتی۔ بادشاہ کے سر کی قسم! اگر میرے اوپر تیری تربیت کا حق نہ ہوتا اور تیری عزت مجھ پر واجب نہ ہوتی تو میں تجھے اور اسے ابھی بری طرح قتل کر دیتی تاکہ اے ملعونہ! آنے جانے والے لوگ عبرت پکڑتے اور کوئی ایسا کام نہ کرتا جیسا کہ تو نے کیا ہے اور جس کی جرات آج تک کسی کو نہیں ہوئی۔ جا اور اسے فوراً لے آ تاکہ میں اسے دیکھوں۔ بڑھیا اس کے پاس سے فوراً روانہ ہو گئی لیکن حیران تھی، اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں جائے اور دل میں کہہ رہی تھی کہ یہ ساری بلا جو خدا اس ملکہ کے ہاتھ سے میرے اوپر لا رہا ہے، حسن کی وجہ سے ہے۔ جب وہ حسن کے پاس پہنچی تو اس نے کہا کہ چل ملکہ بلاتی ہیں، تیری زندگی کا آخری دن آ پہنچا ہے۔ حسن اٹھ کر اس کے ساتھ چل کھڑا ہوا لیکن اس کی زبان پر برابر خدا کے نام کی تسبیح تھی اور وہ کہہ رہا تھا کہ خداوند میرے اوپر رحم اور مصیبت میں میری مدد کر۔ بڑھیا حسن کو لئے ہوئے ملکہ نور الہدیٰ کے پاس پہنچ گئی لیکن راہ میں اسے سمجھا دیا تھا کہ وہ ملکہ کے ساتھ کس طرح سے باتیں کرے۔ جب حسن نور الہدیٰ کے سامنے حاضر ہوا تو دیکھا کہ وہ نقاب ڈالے ہوئے ہے۔ حسن نے اس کے آگے جا کر زمین چومی اور سلام کیا۔

ملکہ نے بڑھیا کی طرف اشارہ کیا کہ حسن سے سوال و جواب کرے۔ بڑھیا نے حسن سے کہا کہ ملکہ تیرے سلام کا جواب دیتی ہے اور پوچھتی ہے کہ تیرا کیا نام ہے، وطن کہاں ہے اور جن بیوی بچوں کی خاطر تو آیا ہے، ان کا کیا نام ہے؟ یہ سن کر اس کا دل مضبوط ہو گیا اور تقدیر نے اس کی مدد کی۔ اس نے جواب دیا اے دنیا جہاں کی ملکہ اور سارے زمانے کی یکتا، میرا نام غمگین حسن ہے، میرا وطن بصرہ ہے۔ اپنی بیوی کا نام تو مجھے معلوم نہیں لیکن ایک بیٹے کا نام ناصر اور دوسرے کا منصور ہے۔ اس کا جواب سن کر ملکہ نے کہا کہ وہ کون سی جگہ تھی جہاں سے وہ اپنے بیٹوں کو لے کر اڑ گئی؟ حسن نے کہا اے ملکہ! بغداد میں خلیفہ کے محل سے۔ ملکہ نے پوچھا کہ اس نے اڑتے وقت تم میں سے کسی سے کچھ کہا بھی تھا؟ حسن نے جواب دیا کہ وہ میری ماں سے کہہ گئی تھی کہ جب تیرا بیٹا آئے اور جدائی کی وجہ سے اس کے دن کٹھن ہونے لگیں اور اسے میری ملاقات کی تمنا ہو اور اشتیاق حد سے بڑھ جائے تو وہ میرے پاس جزائر واق آجائے۔ ملکہ نور الہدیٰ نے اپنا سر ہلایا اور کہا کہ اگر وہ تجھے نہ چاہتی ہوتی اور تیرے ملنے کی تمنا اسے نہ ہوتی تو وہ اپنے مکان کا پتا تجھے نہ بتاتی اور تجھے اپنے وطن نہ بلاتی۔ حسن نے کہا کہ اے بادشاہوں کی سرتاج اور ہر امیر و غریب کی حاکم! ساری باتیں میں نے تجھ سے بیان کر دی ہیں اور کوئی راز باقی نہیں رکھا۔ اب میں خدا اور تجھ سے پناہ کی درخواست کرتا ہوں کہ مجھ پر ظلم نہ کر بلکہ رحم کر اور میری وجہ سے اجر اور ثواب حاصل کر، بیوی بچوں سے ملنے میں میری مدد کر اور ان کا دیدار مجھے دکھا دے۔ یہ کہہ کر وہ رونے پینے اور فریاد کرنے لگا۔ ملکہ نور الہدیٰ دیر تک آنکھیں نیچے کئے اپنا سر ہلاتی رہی اور پھر سر اٹھا کر کہنے لگی کہ میں تیرے حال پر رحم کھاتی اور تجھ پر افسوس کرتی ہوں اور میں نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ اس شر اور باقی تمام جزیرے کی لڑکیاں تیرے سامنے پیش کروں اور اگر تو نے اپنی بیوی کو پہچان لیا تو اسے تیرے سپرد کر دوں گی اور اگر نہ پہچانا تو تجھے

قتل کر کے اسی بڑھیا کے دروازے پر لٹکا دوں گی۔ حسن نے کہا کہ اے ساری دنیا کی ملکہ! تیری یہ شرط مجھے منظور ہے اور سوائے خدا کے اور کسی میں نہ طاقت ہے نہ

URDU4U.COM

نور۔ اب ملکہ نور الہدیٰ نے حکم صادر کر دیا کہ شہر کی ہر لڑکی محل آ کر اس کے سامنے سے گزرے۔ اور بڑھیا شواہی سے کہا کہ تو خود شہر میں جا کر ہر لڑکی کو میرے پاس محل میں لا، ملکہ لڑکیوں کو سو سو کر کے حسن کے آگے پیش کرتی یہاں تک کہ شہر کی کوئی لڑکی نہ بچی جو حسن کے سامنے پیش نہ کی گئی ہو لیکن ان میں کوئی بھی اس کی بیوی نہ نکلی۔ ملکہ نے پوچھا، ان لڑکیوں میں تو نے اپنی بیوی کو دیکھا؟ حسن بولا اے ملکہ! تیری جان کی قسم ان میں سے کوئی بھی نہیں۔ اس پر ملکہ کا غصہ اور تیز ہو گیا! اس نے بڑھیا سے کہا کہ محل کے اندر جا کر سب کو نکال لا اور اس کے آگے پیش کر۔ بڑھیا نے سب لڑکیوں کو اس کے سامنے پیش کیا جو محل کے اندر تھیں لیکن حسن کو اپنی بیوی ان میں بھی دکھائی نہ دی اور اس نے ملکہ سے کہا اے ملکہ! تیرے سر کی قسم وہ ان میں بھی نہیں ہے۔ ملکہ غصے میں بھر گئی اور آس پاس کے لوگوں کو پکار کر کہا کہ اسے پکڑ کر زمین پر گھیٹو اور اس کی گردن مار دو تاکہ پھر کوئی اپنی جان پر کھیل کر یہاں نہ آئے۔ ہمارے حال سے آگاہی نہ پائے، ہمارے ملک میں داخل نہ ہو اور ہمارے جزیروں میں قدم نہ رکھے۔

لوگوں نے اسے منہ کے بل گھیٹا، اس کا دامن اس کے اوپر ڈال کر اس کی آنکھیں باندھ دیں اور تلواریں لے لے کر اس کے سر پر کھڑے ہونے لگے اور حکم کا انتظار کرنے لگے۔ اتنے میں شواہی نے ملکہ کی طرف بڑھ کر زمین چومی، اس کا دامن اپنے سر پر لیا اور کہنے لگی اے ملکہ! تجھے میری تربیت کی قسم اتنی جلدی نہ کر خاص کر

جب کہ تو جانتی ہے کہ یہ بیچاہہ پردیسی ہے اور جان پر کھیل کر آیا ہے، اس نے ایسی ایسی مصیبتیں جھیلی ہیں جو کسی نے بھی نہ بھگتی ہوں گی، مگر خدا نے اسے موت

سے بچا لیا ہے اور اس کی عمر بڑھائی ہے۔ تیری انصاف پسندی سن کر وہ تیرے ملک اور وطن میں آیا ہے۔ اگر تو نے اسے قتل کر دیا تو مسافر اس خبر کو لے کر دور دور پہنچا دیں گے کہ تو پردیسیوں سے بغض رکھتی اور انہیں قتل کر ڈالتی ہے۔ اگر اس کی بیوی تیرے شہر میں نہ نکلی تو وہ یوں بھی تیری تلوار کا شکار ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ اول تو جب کبھی اسے بلانا چاہے، تو میں اسے لا سکتی ہوں۔ دوسرے یہ بھی سمجھ لے کہ محض تیرے احسان کی امید میں، میں نے اسے پناہ دی ہے کیونکہ میری تربیت کا حق تیرے اوپر ہے۔ تیرے انصاف اور مہربانی کا مجھے یقین ہے۔ اگر مجھے تیری طرف سے ان باتوں کا یقین نہ ہوتا تو میں اسے کبھی تیرے شہر میں نہ لاتی۔ پھر مجھے تو گمان تھا کہ تو اسے دیکھ کر خوش ہو گی۔ اس کے اشعار اور باتوں کو پسند کرے گی جو ایسے ہیں جیسے پروئے ہوئے موتی۔ اور اب تو وہ ہمارے ملک میں آ گیا ہے۔ اس نے ہمارا کھانا کھایا ہے، ہم پر اس کا حق ہو گیا ہے۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو دسویں رات

آٹھ سو دسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- بڑھیا نے ملکہ نور الہدیٰ سے کہا کہ ہم پر اس کا حق ہو گیا ہے اور میں اس سے وعدہ کر چکی ہوں کہ اسے تجھ سے ملاؤں گی۔ تو جانتی ہے کہ جدائی کتنی کٹھن چیز ہے اور تجھے معلوم ہے کہ جدائی قاتل ہے۔ خاص کر اولاد کی جدائی۔ اب عورتوں میں سے سوائے تیرے کوئی باقی نہیں رہا، تو بھی اپنا چہرہ اسے دکھا دے۔ ملکہ نے مسکرا کر کہا کہ وہ کہاں سے میرا شوہر ہو سکتا ہے اور مجھ سے اولاد پیدا کر سکتا ہے کہ میں اسے اپنا چہرہ دکھاؤں۔ یہ کہہ کر اس نے حسن کو بلوایا اور جب لوگ اسے لے آئے تو اس نے اپنا چہرہ کھول دیا۔ اسے دیکھتے ہی حسن نے زور سے چیخ ماری اور غش کھا کر گر پڑا۔ بڑھیا اسے برابر پیار کرتی رہی۔ یہاں تک کہ اسے ہوش آ گیا اور وہ اٹھ کھڑا ہوا لیکن ملکہ کو دیکھ کر اس نے پھر اس زور سے چیخ ماری کہ قریب تھا کہ محل گر پڑے اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ بڑھیا پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی اور جب اسے ہوش آیا تو بڑھیا نے اس کا سبب پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ یا تو یہ ملکہ خود میری بیوی ہے یا تمام لوگوں سے زیادہ میری بیوی سے مشابہت رکھتی ہے۔ اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو گیارہویں رات

آٹھ سو گیارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- حسن نے بڑھیا سے کہا کہ یہ ملکہ یا تو میری بیوی ہے یا تمام لوگوں کی نسبت میری بیوی سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے ملکہ نے بڑھیا سے کہا اے ماما! افسوس ہے کہ یہ پردہسی یا تو پاگل ہے یا کوئی فیلیا، کیونکہ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر میری طرف دیکھتا ہے۔ بڑھیا بولی! اے ملکہ وہ معذور ہے اس لئے اس کے کسی فعل کا برا نہ مان۔ مثل ہے کہ محبت کا بیمار لادوا ہوتا ہے۔ اس میں اور دیوانے میں بالکل فرق نہیں ہوتا۔ اب حسن بلک بلک کر رونے لگا اور ملکہ سے کہا کہ خدا کی قسم تو میری بیوی تو نہیں لیکن میری بیوی سے بے حد مشابہت رکھتی ہے۔ اس پر ملکہ نور الہدیٰ ہنستے ہنستے لوٹ گئی اور کہنے لگی میرے پیارے تو مجھے خوب دیکھ بھال لے اور میرے سوال کا جواب دے، دیوانے پن اور بھولے پن کو جانے دے، تجھے جلد خوشی حاصل ہو گی۔ حسن نے کہا، اے بادشاہوں کی سرتاج اور امیر و غریب کی پناہ! جب میری نظر تجھ پر پڑی تو میں دیوانہ ہو گیا کیونکہ یا تو تو میری بیوی معلوم ہتی تھی یا میری بیوی سے بے حد مشابہ۔ اب جو تو چاہتی ہے پوچھ۔ ملکہ بولی کہ تیری بیوی کس بات میں میرے مشابہ ہے؟ وہ بولا، اے میری آقا! تیری تمام چیزیں اس سے مشابہت رکھتی ہیں۔ مثلاً حسن و جمال اور خوب روئی، شان و شوکت، سدول بدن، شیریں کلامی، رخساروں کی سرخی اور سینے کا ابھار وغیرہ وغیرہ، اب ملکہ نے شواہی ام الدواہی کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ اسے پھر تو اپنے گھر لے جا اور خود اس کی خدمت کر۔ میں اس کے معاملے کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہوں اور اگر وہ مروت والا نکلا جو دوستی، صحبت اور محبت کی پاسداری کرتا ہے تو ہم پر واجب ہے کہ اس کی حاجت روائی میں مدد کریں۔ خاص کر اس وجہ سے کہ وہ ہمارے ملک میں آیا ہے اور ہمارا کھانا کھایا ہے۔ علاوہ بریں اس نے سفر کی مصیبتیں اٹھائی ہیں اور خطرے جھیلے ہیں

لیکن اسے اپنے گھر پہنچا کر نوکروں کے حوالے کر دیجیو اور جلدی سے میرے پاس لوٹ آؤ۔ خدا نے چاہا تو اس کے لئے بھلائی ہی بھلائی ہے۔

یہ سن کر بڑھیا نے حسن کو ساتھ لیا اور گھر پہنچ کر اپنی کنیزوں، غلاموں اور نوکروں چاکروں کو حکم دیا کہ اس کی خدمت کریں اور جس چیز کی اسے ضرورت ہو، مہیا کریں اور اس کی خدمت کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ اس کے بعد وہ فوراً ملکہ کے پاس پہنچی ملکہ نے حکم دیا کہ وہ فوراً ہتھیار لگائے اور بہادروں میں سے ایک ہزار سوار چن لے۔ بڑھیا شواہی نے حکم کی تعمیل کی اور زہ بکتر پن کر ایک ہزار سوار لے آئی۔

جب اس نے ملکہ کے پاس آ کر خبر دی کہ میں ایک ہزار سوار لے کر آئی ہوں تو ملکہ نے حکم دیا کہ میرے باپ ملک اکبر کے شہر میں جا اور وہاں پہنچ کر اس کی بیٹی منار النساء کے ہاں اتر جو میری سب سے چھوٹی بہن ہے اور اس سے کہیو کہ وہ اپنے دونوں بیٹوں کو وہ زرہیں پہنا کر جو اس نے ان کے لئے بنائی ہیں، اپنی خالہ کے پاس بھیج دے کیونکہ اس کا جی انہیں دیکھنے کو چاہتا ہے، اور اے بڑھیا میں تجھے مشورہ دیتی ہوں کہ حسن کا نام ہرگز نہ لیجیو بلکہ تو انہیں لے چکے تو میری بہن سے کہیو کہ وہ بھی آ کر مجھ سے مل جائے۔ جب وہ اپنے دونوں بیٹے تجھے دے دے اور تو انہیں لے کر میری طرف روانہ ہو تو انہیں بہت جلد لے کر یہاں آ جاؤ اور ان کی ماں کو اطمینان سے تیاری کرنے دیجیو اور جس راہ سے تو گئی ہو اس سے نہ لوٹو۔ دن رات سفر کیجیو اور اس راز کو کسی نے نہ کہیو۔ اس کے بعد میں ہر طرح سے قسم کھانے کو تیار ہوں کہ اگر میری بہن اس کی بیوی نکلی اور یہ ثابت ہو گیا کہ اس کے دونوں بیٹے حسن کے بیٹے ہیں تو میں ہرگز اسے اس بات سے نہ روکوں گی کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو لے کر چلا جائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو بارہویں رات

آٹھ سو بارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- ملکہ نے کہ اگر وہ اس کی بیوی نکلی تو میں اسے ہرگز اس بات سے نہ روکوں گی کہ وہ اسے مل جائے بلکہ اس کی مدد کروں گی کہ وہ اسے لے کر اپنے وطن چلا جائے۔ بڑھیا سمجھی کہ وہ سچ کہتی ہے اور اس کی اسے خبر نہ تھی کہ اس کے دل میں کیا کھوٹ ہے۔ اس چاٹر نے اپنے دل میں یہ بات چھپا رکھی تھی کہ اگر وہ اس کی بیوی نہ ہو گی اور بچے اس کے مشابہ نہ ہوں گے تو وہ اسے قتل کر دے گی۔ اس کے بعد ملکہ نے بڑھیا سے کہا اگر میرا دل سچ کہتا ہے تو اس کی بیوی میری بہن منار النساء ہے لیکن اللہ بہتر جانتا ہے جو کچھ وہ کہتا ہے وہ میری بہن کی تعریف ہے اور جو جو خوبصورتی اور خوبوئی اس نے بیان کی ہے وہ سوائے میری بہنوں کے اور کسی میں پائی نہیں جاتی خاص کر سب سے چھوٹی بہن میں۔ بڑھیا نے اس کا ہاتھ چوما اور حسن کے پاس جا کر جو کچھ ملکہ نے کہا تھا، بیان کر دیا۔ مارے خوشی کے حسن دیوانہ سا ہو گیا اور اٹھ کر بڑھیا کا سر چومنے لگا۔ بڑھیا بولی بیٹا! میرے سر کو نہ چوم بلکہ میرے منہ کو اور اس بوسے کو اپنی سلامتی کا صدقہ سمجھ خوش ہو اور غم کو اپنے دل میں نہ آنے دے اور میرا منہ چومنے سے کراہیت نہ کر کیونکہ تیرے ملاپ کا سبب میں ہی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اس سے رخصت ہوئی اور ہتھیار لگا کر ایک ہزار مسلح سواروں کو لے کر اس جزیرے کو روانہ ہو گئی جہاں ملکہ کی بہن تھی۔ نور الہدیٰ اور اس کی بہن کے شہر میں تین دن کی راہ تھی۔

شہر میں پہنچ کر شواہی ملکہ کی بہن منار النساء کے پاس گئی۔ اسے سلام کر کے اس کی بہن نور الہدیٰ کا سلام پہنچایا اور اس سے کہا کہ تیری بہن تجھے اور تیرے بچوں کے دیکھنے کی مشتاق ہے اور تیری ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے سخت پریشان ہے۔ شہزادی

منار النساء نے کہا میری بہن کا مجھ پر حق ہے اور میں اس سے نہ ملنے کی قصوروار ہوں۔ اب ضرور جا کر اس سے ملوں گی۔ یہ کہہ کر اس نے حکم دیا کہ خیمے شہر کے باہر نکلے جائیں اور اپنے ساتھ اپنی بہن کے لئے تحفے اور ہدیئے لے۔ جب اس کے باپ بادشاہ نے محل کی کھڑکیوں میں سے دیکھا کہ خیمے لگے ہوئے ہیں تو اس نے اس کا سبب دریافت کیا۔ لوگوں نے کہا کہ شہزادی منار النساء اپنی بہن نور الہدیٰ کی ملاقات کے لئے جانا چاہتی ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے اس کے لئے ایک لشکر تیار کرا دیا جو اسے اس کی بہن کے پاس پہنچا آئے اور اپنے خزانوں میں سے اتنا مال کھانے پینے کی چیزیں ایسے ایسے تحائف اور جواہرات نکال کر دیئے کہ زبان اس کی تعریف نہیں کر سکتی۔ سوائے چھوٹی کے بادشاہ کی چھپوں بیٹیاں سگی بہنیں تھیں، بڑی بہن کا نام نور الہدیٰ تھا، دوسری کا نجم الصباح، تیسری کا شمس الضحیٰ، چوتھی کا تجرۃ الدر، پانچویں کا قوت القلوب، چھٹی کا شرف البنات اور ساتویں کا منار النساء۔ یہ سب سے چھوٹی، یہی حسن کی بیوی اور محض باپ کی طرف سے ان کی بہن تھی۔ بڑھیا نے بڑھ کر منار النساء کے آگے زمین چومی، منار النساء نے پوچھا، کیا تجھے کوئی ضرورت پیش آئی ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا، تیری بہن نور الہدیٰ نے تجھے یہ پیغام دیا ہے کہ اپنے دونوں بیٹوں کے کپڑے بدل کر انہیں وہ زریں پہنا دے جو تو نے ان کے لئے بنائی ہیں اور انہیں میرے ساتھ روانہ کر دے میں انہیں لے کر آگے آگے چلوں گی اور جا کر نور الہدیٰ کو تیرے آنے کی خوشخبری دوں گی۔ یہ سن کر منار النساء نے سر جھکا لیا، اس کا رنگ بدل گیا اور بڑی دیر تک سر جھکائے بیٹھی رہی۔ پھر اس نے سر کو ہلایا اور بڑھیا کو دیکھ کر کہا، بڑی بی! اپنے بیٹوں کا نام سن کر میرا دل کانپ رہا ہے اور گھبرا رہا ہے کیونکہ جب سے وہ پیدا ہوئے ہیں نہ کسی جن نے انہیں دیکھا ہے نہ کسی بشر نے، نہ عورت نے نہ مرد نے بلکہ انہیں ہوا بھی نہیں لگنے دیتی۔ بڑھیا نے کہا، اے میری آقا! یہ تو کیسی باتیں کرتی ہے؟ کیا تو ان کے بارے میں اپنی

بہن سے بھی ڈرتی ہے؟

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• آٹھ سو تیرہویں رات

آٹھ سو تیرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- بڑھیا بولی اے میری آقا، خدا تیری عقل ٹھکانے رکھے! کیا تو ان کے بارے میں اپنی بہن سے بھی ڈرتی ہے؟ اس بات میں تیری مخالفت نہیں چل سکتی کیونکہ وہ تجھ سے ناراض ہو جائے گی لیکن اے میری آقا! تیرے بچے چھوٹے ہیں اور ان کے بارے میں تیرا ڈرنا بجا ہے، محبت کرنے والا ہمیشہ بدگمان ہوتا ہے، مگر بیٹی تو جانتی ہے کہ میں تجھے اور تیرے بچوں کو کتنا چاہتی ہوں، میں نے تجھے پالا ہے اور ان کو بھی، میں خود اپنے ساتھ انہیں لے کر جاؤں گی، اپنی آنکھیں ان کے لئے بچھاؤں گی اور اپنا دل کھول کر اس کے اندر انہیں جگہ دوں گی، ان باتوں میں تیری تاکید کی ضرورت نہیں۔ تو ڈر نہیں، اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھ اور انہیں ان کی خالہ کے پاس جانے دے۔ زیادہ سے زیادہ ہمارا ایک یا دو دن کا آگا پیچھا ہو گا۔ غرض کہ اس نے اتنی خوشامد کی کہ لڑکی کا دل نرم ہو گیا۔ وہ اپنی بہن کے غصے سے ڈرتی بھی تھی لیکن اسے یہ خبر نہ تھی کہ غیب میں اس کے لئے کیا پوشیدہ ہے۔ اس لئے وہ بچوں کو بڑھیا کے ساتھ بھیجنے پر راضی ہو گئی اور بچوں کو بلوا کر انہیں گرم پانی سے نہلایا، ان کا بناؤ سنگار کیا، کپڑے بدلے اور زرہیں پہنا کر بڑھیا کے حوالے کر دیا۔ بڑھیا انہیں لے کر اڑی اور جیسا کہ ملکہ نور الہدیٰ نے اس سے کہا تھا، اس راستے سے نہ آئی جس سے ان کی ماں آنے والی تھی۔ وہ بہت تیز روانہ ہوئی کیونکہ وہ ان کے بارے میں ڈرتی تھی۔ یہاں تک کہ نور الہدیٰ کے شہر میں پہنچی اور دیر پا کر کے اس کے پاس جا اتری اور بچوں کو اس کے سامنے پیش کر دیا۔ ملکہ انہیں دیکھ کر خوش ہو گئی۔ انہیں لپٹایا، چپٹایا، گلے لگایا اور ایک کو دائیں ران پر اور دوسرے کو بائیں پر بٹھایا۔ اس کے بعد اس نے بڑھیا سے کہا، اب حسن کو بلا میں اس سے وعدہ کر چکی اور اپنی تلوار سے اسے پناہ دے

چکی ہوں۔ بڑی بڑی مصیبتیں جھیلنے کے بعد اس نے ہمارے گھر میں آ کر پناہ لی ہے،
اگرچہ ابھی تک یہ یقین نہیں کہ وہ موت کا جام پینے سے بچ گیا ہے۔
اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو چودھویں رات

آٹھ سو چودھویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- ملکہ نور الہدیٰ نے بڑھیا سے کہا کہ ابھی تک اس بات کا یقین نہیں ہے کہ حسن کی جان بچ گئی تو بڑھیا بولی کہ جب میں حسن کو تیرے پاس لاؤں گی تو کیا تو اسے ان سے ملا دے گی؟ اور اگر یہ معلوم ہوا کہ وہ اس کی اولاد نہیں ہے تو اسے اس کے وطن واپس بھیج دے گی؟ یہ سن کہ ملکہ کو طیش آگیا۔ وہ کہنے لگی اے منحوس بڑھیا! کب تک اس پردیسی کے بارے میں تو چال بانیاں کرتی رہے گی جو ہمارے ملک میں زبردستی گھس آیا ہے، ہماری پردہ دری کرتا ہے اور ہمارے حالات سے واقف ہو گیا ہے۔ کیا تیرا خیال ہے کہ وہ ہمارے ملک میں آئے، ہمارے چہرے دیکھے، ہماری عزت پر دھبہ لگائے اور پھر اپنے ملک کو صحیح و سالم چلائے جائے، وہاں جا کر اپنے لوگوں میں ہماری فضیحت کرے، ساری دنیا کے بادشاہوں میں ہمارا ڈھنڈورا پٹ جائے اور تاجر ہماری خبریں ہر جگہ پہنچائیں اور کہیں کہ ایک انسان جادوگروں اور کاہنوں کے ملک سے گزر کر ارض جان اور ارض و حوش و طیور سے ہو کر جزائر واق گیا اور صحیح و سالم لوٹ آیا، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا! قسم ہے آسمان کے پیدا کرنے اور اس کے بنانے والے کی اور زمین کے بچھانے اور برابر کرنے والے کی، مخلوق کے پیدا کرنے اور گننے والے کی کہ اگر وہ اس کے بچے نہ ہوئے تو میں اسے قتل کر دوں گی اور خود اپنے ہاتھ سے اس کی گردن اڑا دوں گی۔ یہ کہہ کر اس نے بڑھیا کو اس زور سے ڈانٹا کہ وہ مارے ڈر کے گر پڑی۔ ملکہ نے حاجب اور بیس غلاموں کو اس پر مسلط کر دیا اور ان سے کہا کہ اس بڑھیا کے ساتھ جا کر فوراً اس جوان کو لے آؤ جو اس کے گھر میں ہے۔ وہ لوگ گھنٹے ہوئے اسے لے گئے، اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور اس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔

جب وہ گھر پہنچ کر حسن کے پاس گئی تو حسن نے اٹھ کر اس کے ہاتھ چومے، اسے سلام کیا لیکن بڑھیا نے سلام کا جواب دینے کے بدلے اس سے کہا کہ ملکہ کے پاس چل۔ میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ اپنے وطن لوٹ جا اور ان تمام باتوں سے روکا تھا! لیکن تو نے میرا کہنا نہ مانا۔ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تجھے اس قدر مال و دولت دوں گی جتنی کسی کے پاس نہ ہو۔ مگر تو نے نہ مانا بلکہ سنا تک نہیں، میری مخالفت کی، مجھے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا۔ اب جیسی کرنی، ویسی بھرنی۔ موت قریب آچکی ہے، چل کر اس ظالم اور بدذات عورت سے باتیں کر۔ حسن رنجیدہ اور شکستہ دل ہو کر مارے ڈر کے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے بچانے والے خدا! مجھ کو بچا، خداوند! جو امتحان تو میرا لے رہا ہے اس میں مہربانی سے پیش آؤ اور اے سب سے بڑے رحم کرنے والے! مجھے بچاؤ۔ وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ آخر غلاموں، حاجب اور بڑھیا کے ساتھ چل کھڑا ہوا۔ جب لوگ اسے لے کر ملکہ کے پاس پہنچے تو اس نے دیکھا کہ اس کے دونوں بیٹے ناصر اور منصور اس کی گود میں بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ ان کے ساتھ کھیل رہی ہے اور انہیں پیار کر رہی ہے۔ انہیں دیکھتے ہی حسن پہچان گیا اور اسے اتنی خوشی ہوئی کہ زور سے چیخ مار کر زمین پر گر پڑا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو پندرہویں رات

آٹھ سو پندرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- حسن چیخ مار کر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے دونوں بیٹوں کو پہچان لیا اور وہ بھی اپنے باپ کو پہچان گئے تو ان کی فطری محبت جوش میں آئی۔ وہ ملکہ کی گود سے نکل کر حسن کے پاس آکھڑے ہوئے اور خدا نے ان کی زبان سے یہ لفظ نکلا دیئے کہ ”اے ہمارے باپ!“ بڑھیا اور تمام حاضرین کو ان پر اتنا ترس آیا کہ سب رونے لگے اور کہا شکر ہے خدا کا کہ اس نے انہیں باپ سے ملا دیا۔ غشی دور ہونے کے بعد حسن نے اپنے بیٹوں کو گلے سے لگالیا اور اتنا رویا کہ بے ہوش ہو گیا۔ جب ملکہ کو یقین ہو گیا کہ بچے حسن کی اولاد ہیں اور اس کی بہن منار النساء اس کی بیوی ہے جس کی تلاش میں وہ آیا ہے تو اسے اپنی بہن پر اتنا غصہ آیا کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو سولہویں رات

آٹھ سو سولہویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- ملکہ اپنی بہن پر اتنی ناراض ہوئی کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں اور حسن کو اس زور سے ڈانٹا کہ وہ تھرا اٹھا اور اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ آٹھ کھولی تو دیکھا کہ لوگ اسے منہ کے بل گھیٹ کر باہر ڈال آئے ہیں۔ وہ اٹھا اور لڑکھڑاتا ہوا چلنے لگا، مگر اسے یقین نہ آتا تھا کہ میں ملکہ کی ایذا رسانی سے بچ جاؤں گا۔ اس پر بڑھیا شواہی کو بھی بڑا افسوس ہوا لیکن ملکہ کے غصے کے ڈر سے وہ حسن ے بارے میں اس سے کچھ نہ کہہ سکتی تھی۔ جب حسن محل سے نکلا تو وہ حیران پریشان تھا۔ اسکی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے اور کہاں جائے؟ زمین باوجود اتنی وسعت کے اسے تنگ معلوم ہوتی تھی۔ نہ کوئی باتیں کرنیوالا اسے ملتا تھا، نہ دل بہلانے والا، نہ تسلی دینے والا، نہ رائے بتانے والا اور نہ کوئی ایسا شخص جس کے پاس جا کر وہ پناہ لے۔ اسے موت سامنے کھڑی دکھائی دیتی تھی کیونکہ اس میں چلنے کی طاقت نہ تھی، نہ کوئی اس کا ہم سفر تھا، نہ اسے راستہ معلوم تھا، نہ وادی جنات، ارض و حوش اور جزائرِ طیور سے گزر سکتا تھا۔ وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اور اتنا رویا کہ غش آ گیا۔ ہوش آیا تو وہ اپنے بیٹوں اور اپنی بیوی کی فکر میں پڑ گیا اور یہ سوچنے لگا کہ اب وہ اپنی بہن کے پاس آئے گی اور نہ معلوم بہن اس کی کیا گت بنائے گی؟ یہ سوچ کر وہ پشیمان ہوا کہ کیوں اس ملک میں آیا۔ سمجھانے سے بھی کچھ نہ سمجھا۔ تاہم وہ برابر چلا کیا یہاں تک کہ شہر سے باہر دیا کے کنارے پہنچ گیا۔ حیران و پریشان ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ادھر اس کی بیوی منار النساء کے ساتھ یہ پیش آیا کہ بڑھیا کے چلے آنے کے دوسرے روز جب کہ وہ سفر کرنے والی تھی، اس کے باپ بادشاہ کا حجب اس کے پاس آیا اور اس کے آگے زمین چوی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• آٹھ سو سترہویں رات

آٹھ سو سترہویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- منار النساء روانہ ہونے ہی والی تھی کہ اس کے باپ بادشاہ کا حاجب اس کے پاس آیا اور زمین چوم کر کہنے لگا، اے شہزادی! تیرے باپ ملک اکبر نے سلام بھیجا اور تجھے بلایا ہے۔ شہزادی فوراً اٹھ کر حاجب کے ساتھ چل کھڑی ہوئی تاکہ دیکھے اس کا باپ اس سے کیا چاہتا ہے۔ جب اس کے باپ کی نظر اس پر پڑی تو اس نے اسے اپنے پاس تخت پر بٹھا لیا اور کہا بیٹی! سن، میں نے رات ایک خواب دیکھا ہے جس کی وجہ سے مجھے تیرے بارے میں ڈر لگتا ہے کہ کہیں اس سفر میں تجھے کسی بڑی مصیبت کا سامنا نہ پڑے۔ بیٹی بولی کہ ابا! تو نے کیا خواب دیکھا؟ بادشاہ نے جواب دیا کہ خواب میں، میں ایک خزانے کے اندر داخل ہوا، اس میں بہت مال و دولت اور بے شمار ہیرے جواہرات ہیں، مگر ان تمام مال و دولت اور ہیروں میں سے مجھے محض سات ہیرے پسند آئے جو سب سے زیادہ خوبصورت تھے، میں نے ان میں سے ایک کو چھانٹ کر لے لیا جو سب سے چھوٹا اور خوبصورت اور چمکدار تھا، اس کی خوبصورتی مجھے اتنی بھلی معلوم ہوئی کہ میں اسے اپنی ہتھیلی پر رکھ کر خزانے سے نکل آیا۔ دروازے کے باہر آ کر میں نے اپنا ہاتھ کھولا اور ہیرے کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا، اتنے میں ایک اجنبی چڑیا جو ہمارے ملک کی چڑیوں میں سے نہ تھی، بلکہ کسی دور کے ملک سے آئی تھی، آسمان سے میرے اوپر گری اور میرے ہاتھ سے وہ ہیرا جھپٹ لیا اور جہاں سے آئی تھی، چلی گئی۔ مجھے بہت رنج و افسوس ہوا اور اتنا ڈر لگا کہ میری نیند اچٹ گئی اور میں اس ہیرے پر افسوس کرتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

نیند سے اٹھ کر میں نے تعبیر دینے والوں کو بلوایا اور ان کے سامنے اپنا خواب بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ تیری سات بیٹیوں میں سے سب سے چھوٹی کھو جائے گی اور

کوئی شخص اسے جبراً تیری مرضی کے بغیر لے جائے گا۔ بیٹی تو میری سب سے چھوٹی بیٹی ہے۔ سب سے زیادہ پیاری اور عزیز۔ تو اپنی بہن کے پاس جا رہی ہے، معلوم نہیں وہاں تجھ پر کیا گزرے، بہتر ہے کہ سفر سے باز آ اور اپنے محل میں لوٹ جا۔ باپ کی باتیں سن کر منار النساء کا دل دھڑکنے لگا اور اپنے بیٹوں کے خیال میں ڈوب گئی۔ سر نیچا کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر باپ کی طرف دیکھا اور کہنے لگی، اے بادشاہ! ملکہ نور الہدیٰ نے میری دعوت کی تیاری کی ہے اور وہ میرا انتظار کر رہی ہے۔ چار سال سے اس نے مجھے نہیں دیکھا، اگر اب میں اس لے ملنے نہ گئی تو وہ مجھ سے ناراض ہو جائے گی۔ زیادہ سے زیادہ میں اس کے پاس ایک مہینہ ٹھہر کر لوٹ آؤں گی۔ ایسا کون ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے ملک میں آ کر جزائرِ واق تک پہنچ سکے اور یہ کس کی مجال ہے کہ ارض بیضا، جبل اسود، جزیرہ کافور اور قلعہ طیور تک پہنچ جائے۔ وادی طیور پھر وادی حوش پھر وادی جنات طے کر کے ہمارے جزیروں میں قدم رکھے، اور اگر کوئی پردیسی ملک میں داخل ہو بھی جائے تو وہ خوفناک سمندروں میں ڈوب جائے گا، لہذا میرے سفر کے متعلق بالکل پریشان نہ ہو، کسی کی مجال نہیں کہ ہمارے ملک میں قدم رکھ سکے۔ غرض کہ وہ برابر باپ کو مناتی رہی یہاں تک کہ اس نے سفر کی اجازت دے دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو اٹھارہویں رات

آٹھ سو اٹھارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- وہ برابر باپ کو مناتی رہی یہاں تک کہ اس نے سفر کی اجازت دے دی اور ایک ہزار سواروں کو حکم دیا کہ اس کے ساتھ جائیں اور اسے دیا تک پہنچا کر وہاں ٹھہرے رہیں۔ جب وہ اپنی بہن سے مل کر لوٹے تو پھر اسے اپنے ساتھ لے آئیں۔ بیٹی سے اس نے یہ بھی کہا کہ اپنی بہن کے پاس دو دن ٹھہر کر لوٹ آؤ۔ اس نے جواب دیا کہ سر آنکھوں سے۔ اب وہ اٹھ کر باہر آئی اور باپ اس کے ساتھ باہر آ کر اس سے رخصت ہوا۔ باپ کی باتوں کا اس پر یہ اثر ہوا کہ وہ اپنے بیٹوں کے متعلق ڈرنے لگی، مگر تقدیر کے آگے کوئی خبرداری نہیں چلتی تین دن رات تیز تیز چلنے کے بعد وہ دیا کے پاس پہنچی اور اس کے کنارے ڈیرے ڈال دیئے۔ وہاں سے وہ چند غلاموں، نوکروں اور وزیروں کو لے کر دیا کے پار اتری اور ملکہ نور الہدیٰ کے شہر میں پہنچ کر محل کے اندر گئی۔ دیکھا کہ اس کے بیٹے خالہ کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں اور ابا! ابا! چلا رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس کے آنسو نکل پڑے اور وہ رونے لگی، اپنے بیٹوں کو چھاتی سے لگا لیا اور ان سے پوچھا کہ کیا تم نے اپنے باپ کو دیکھا ہے؟ خدا اس گھڑی کا ستیاناس کرے جب میں اس سے جدا ہوئی! اگر مجھے معلوم ہو کہ وہ ابھی تک دنیا میں ہے تو میں تمہیں اس کے پاس پہنچا دوں گی۔ بچوں کو روتا دیکھ کر اور اپنا اور اپنے شوہر کا خیال کر کے وہ آہ زاری کرنے لگی۔ جب اس کی بہن نے دیکھا کہ اس نے اپنے بچوں کو لپٹا لیا ہے اور کہہ رہی ہے کہ میں نے اپنے اور اپنے بیٹوں کے ساتھ یہ ظلم کیا ہے اور اپنا گھر برباد کیا ہے تو وہ بے اسے سلام کئے کہنے لگی تیری یہ اولاد کہاں سے آئی؟ کیا تو نے بغیر باپ کو خبر کئے نکاح کیا؟ اگر تو نے زنا کیا ہے تو تجھے اس کی سزا ملنی چاہئے اور اگر تو نے ہم سے چھپا کر نکاح کیا ہے تو پھر تو

اپنے شوہر کو کیوں چھوڑ کر اپنے بچوں کو لے آئی اور ان میں اور ان کے باپ میں جدائی
ڈال کر ہمارے ملک میں چلی آئی!
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو انیسویں رات

آٹھ سو انیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- ملکہ نور الہدیٰ نے اپنی بہن منار النساء سے کہا کہ اگر تو نے ہم سے چھپا کر نکاح کیا ہے تو پھر تو کیوں اپنے شوہر کو چھوڑ کر اپنے بچوں کو لے آئی اور ان میں اور ان کے باپ میں جدائی ڈالی اور اپنے بچوں کو ہم سے چھپائے رکھا؟ کیا تیرا گمان تھا کہ ہمیں اس کی خبر نہ ہو گی؟ غیب داں خدا نے ہمارے اوپر تیری باتیں ظاہر کر دیں، تیرا حال کھول دیا اور تیرے راز فاش کر دیئے۔ یہ کہہ کر اس نے نوکروں کو حکم دیا کہ اسے پکڑ کر میرے پاس لاؤ، جب وہ پکڑ کر لائے تو ملکہ نے اس کی مشکلیں باندھ کر اس کے پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں ڈال دیں، اتنا مارا کہ اس کا بدن پھٹ گیا اور اس کے بال پکڑ کر کھینچا اور قید خانے میں بند کر دیا اور اپنے باپ ملک اکبر کو خط لکھا، جس میں منار النساء کا سارا حال بیان کیا کہ ہمارے ملک میں ایک انسان آیا ہے، میری بہن منار النساء کہتی ہے کہ وہ اس کا شوہر ہے جس سے اس کے دو بیٹے پیدا ہوئے ہیں۔ انہیں اس نے ہم سب سے اور خاص کر تجھ سے چھپا کر رکھا تھا۔ جب تک وہ شخص یہاں نہ آیا، بہن کے منہ سے بات تک نہ نکلی۔ وہ شخص انسانوں میں سے ہے، اس کا نام حسن ہے، وہ کہتا ہے کہ اس نے اس سے شادی کی ہے اور وہ بہت دنوں تک اس کے ساتھ رہی ہے، پھر اپنے بیٹوں کو لے کر بے کسے چل دی اور چلتے وقت اس کی ماں سے کہتی آئی کہ اپنے بیٹے سے کہہ دیجیو کہ اگر اسے میری تمنا ہو تو جزائرِ واقع آجائے۔ اس شخص کو ہم نے پکڑ کر رکھ لیا اور بہن کے پاس بڑھیا شواہی کو بھیجا کہ وہ جا کر اسے اور اس کے بیٹوں کو لے آئے۔ اب وہ یہاں آگئی ہے میں نے بڑھیا کو حکم دیا تھا کہ وہ بچوں کو لے کر آگے چلی آئے تاکہ وہ اس سے پہلے یہاں پہنچ جائیں۔ بڑھیا بچوں کو لے کر یہاں آئی تو میں نے اس شخص کو بلوایا جو

اس کا شوہر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے جب وہ میرے پاس پہنچا اور اس نے بچوں کو دیکھا تو انہیں پہچان لیا، بچے بھی اسے پہچان گئے جس سے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ بچے اس کے بیٹے ہیں اور وہ اس کی بیوی ہے اور مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ سچ کہتا ہے اور اس کی طرف سے کوئی بری بات نہیں ہوئی، بلکہ ساری برائی اور عیب میری بہن کا ہے۔ میں ڈری کہ کہیں جزیرے والوں کے آگے ہماری بے عزتی نہ ہو جائے اس لئے جب یہ دغاباز لڑکی میرے پاس پہنچی تو میں اس پر سخت ناراض ہوئی، اسے خوب مارا اور اس کے بال باندھ کر اسے لٹکا دیا۔ تجھے میں نے اس کا سارا کچا چٹھا لکھ دیا، حکم تیرا حکم ہے، جو تو ہمیں حکم دے گا، وہ ہم کریں گے۔ تجھے خوب معلوم ہے کہ اس میں ہماری بے عزتی ہے اور اس سے ہماری اور خاص کر تیری عزت پر دھبہ لگتا ہے اگر جزیرے والوں کو اس کی خبر ہو گئی تو ہم سب ان کے لئے ضرب المثل بن جائیں گے، اس لئے ضروری ہے کہ جواب جلد بھیج۔

یہ خط لکھ کر اس نے قاصد کو دے دیا اور وہ اسے لے کر بادشاہ کے پاس پہنچا۔ خط پڑھ کر ملک اکبر طیش میں آ گیا اور اس نے اپنی بیٹی نور الہدیٰ کو یہ جواب بھیجا کہ میں اسے بالکل تیرے سپرد کرتا ہوں اور اس کے خون کا تجھے حکم بنانا ہوں۔ اگر جیسا کہ تو نے لکھا ہے سچ ہے تو بے میری رائے اسے قتل کر دے۔ جب یہ خط اس کے پاس پہنچا اور اس نے پڑھا تو منار النساء کو اپنے پاس بلایا۔ وہ لوہ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کے بالوں سے اس کی مشکیں بندھی ہوئی تھیں اور پاؤں میں لوہے کی بھاری بھاری بیڑیاں، وہ بالوں کے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ جب لوگوں نے اسے لا کر ملکہ کے آگے کھڑا کیا تو وہ ذلت سے کھڑی ہو گئی اور اپنے آپ کو اس ذلت اور توہین کی حالت میں دیکھ کر اسے وہ زمانہ یاد آ گیا جب اس کے دن عزت سے گزرتے تھے اور وہ رونے لگی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• آٹھ سو بیسویں رات

آٹھ سو بیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب شہزادی منار النساء اپنی بہن نور الہدیٰ کے سامنے لائی گئی تو اس کی مشکلیں بندھی ہوئی تھیں بہن نے ایک لکڑی کی ٹنگلی منگوا کر اسے لٹایا اور نوکروں کو حکم دیا کہ اسے پیٹھ کے بل ٹنگلی سے باندھ دیا جائے اور اس کی کلائیوں کھینچ کر رسیوں سے باندھ دی جائیں۔

اس کے بعد اس نے اس کا سر کھول کر بال ٹنگلی سے باندھ دیئے۔ غرض کہ اس کے دل میں مہربانی کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ اپنے آپ کو اس ذلت اور توہین میں دیکھ کر منار النساء رونے پٹنے لگی لیکن کوئی اس کی مدد کو نہ آیا، وہ کہنے لگی بہن! تیرا دل کیونکر اتنا سخت ہو گیا کہ نہ تجھے مجھ پر رحم آتا ہے نہ ان چھوٹے چھوٹے بچوں پر۔ یہ باتیں سن کر اس کا دل اور سخت ہو گیا، وہ گالیاں دینے اور کہنے لگی

اے عاشقہ! اے رنڈی! جو تیرے اوپر رحم کھائے، خدا اس پر رحم نہ کھائے! اے دغا باز! تجھ پر کیونکر ترس کھا سکتی ہوں! منار النساء جو ٹنگلی سے بندھی پڑی تھی، کہنے لگی میں

آسمانوں کے خدا سے تیری خلاف دہائی مانگتی ہوں، میں اس گناہ سے بری ہوں جو تو مجھ پر لگا رہی ہے۔ خدا کی قسم میں نے زنا نہیں کیا بلکہ حلال طریقے سے اس کے ساتھ

شادی کی۔ خدا ہی جانتا ہے کہ میں سچ کہتی ہوں یا جھوٹ، تیری سخت دلی سے مجھے تجھ پر سخت غصہ آتا ہے کہ بے جانے بوجھے تو مجھ پر زنا کا الزام لگاتی ہے۔ میرا پروردگار مجھے تجھ سے چھٹکارا دے گا اور اگر تیرا زنا کا الزام صحیح ہے تو مجھے اس کی سزا دے گا۔

اپنی بہن کی باتیں سن کر ملکہ سوچ میں پڑ گئی اور کہنے لگی تو اور مجھ سے ایسی باتیں کرے! ساتھ ہی اس نے اٹھ کر بہن کو مارنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو گئی۔ لوگوں نے اس کے چہرے پر پانی چھڑکا اور اسے ہوش آیا لیکن مار کی وجہ

سے اس کی ساری خوبصورتی ڈھل گئی تھی۔ نور الہدیٰ اس پر ناراض ہو رہی اور اس سے کہہ رہی تھی کہ اے فاحشہ! تو میرے سامنے اپنے گناہوں کا عذر پیش کر رہی ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ تجھے تیرے شوہر کے پاس بھیج دوں تاکہ تیری بدکاری کا مشاہدہ کروں، کیونکہ تو اس پر فخر کرتی ہے کہ تجھ سے بدکاری، بد فعلی اور گناہ سرزد نہیں ہوئے۔ اب اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ تاڑ کی چھڑی لائیں۔ چھڑی آگئی تو اس نے اٹھ کر اپنی آستینیں چڑھائیں اور سر سے لے کر پاؤں تک اسے مارنا شروع کیا۔

اس کے بعد اس نے ایک گندھا ہوا کوڑا منگوا یا کہ اگر اسے ہاتھی پر بھی لگا دیا جاتا تو وہ بھاگ نکلتا اور اس کی پیٹھ، پیٹ اور تمام اعضا پر اتنے کوڑے لگائے کہ اسے غش آگیا۔ یہ دیکھ کر بڑھیا ملکہ کے پاس سے روتی اور کوستی بھاگی، ملکہ نے اپنے نوکروں کو پکار کر کہا کہ اسے پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔ وہ اس کے پیچھے دوڑے اور اسے پکڑ کر ملکہ کے سامنے لے آئے۔ ملکہ نے حکم دیا کہ اسے زمین پر پٹک دو اور اپنی کنیزوں سے کہا کہ اسے منہ کے بل گھیٹو اور میرے سامنے سے لے جا کر باہر پھینک آؤ۔

یہ تو ان لوگوں کا حال ہوا، اب حسن کا قصہ سنو، وہ دل مضبوط کر کے اٹھا اور دیا کے کنارے کنارے جنگل کی طرف روانہ ہو گیا، لیکن پریشان و غمگین تھا اور جینے سے ناامیدی اور اس قدر حواس باختہ کہ دن اور رات میں فرق نہ کر سکتا تھا چلتے چلتے وہ ایک درخت کے پاس پہنچا جس پر ایک کافند کا پر نہ لٹکا ہوا تھا حسن اسے ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگا، دیکھا کہ اس میں یہ لکھا ہے: ”جب تو اپنی ماں کے پیٹ میں تھا اس وقت میں نے تیرا زائچہ دیکھا تھا اور ہم تیرے رنج و الم میں تیری دست گیری کریں گے“ اسے پڑھ کر اسے یقین آ گیا کہ اب مجھے تکلیف سے نجات مل جائے گی اور پھڑے ہوؤں سے مل جاؤں گا۔ دو چار قدم چلنے کے بعد اس نے دیکھا کہ وہ اکیلا

ایک سنان جگہ میں ہے جہاں کوئی مونس و غم خوار نہیں۔ اس تنہائی و خوف کا خیال کر کے اس کے ہوش جاتے رہے اور اس ڈراؤنی جگہ کو دیکھ کر وہ کانپنے لگا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو اکیسویں رات

آٹھ سو اکیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- کانڈ کا پرچہ پڑھ کر حسن کو یقین آ گیا کہ اب اسے تکلیف سے نجات مل جائے گی۔ دریا کے کنارے دو چار قدم چلنے کے بعد اسے جادوگروں کے دو چھوٹے لڑکے ملے جن کے پاس پیتل کا ایک ڈنڈا تھا جس پر طلسمات کندہ تھے اور اس کے قریب چمڑے کی ایک تکیونی ٹوپی جس پر فولاد اور اسما طلسمات بنے ہوئے تھے۔ ڈنڈا اور ٹوپی دونوں زمین پر پڑے تھے دونوں آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے اور ایک دوسرے کو اتنا مار رہے تھے کہ دونوں کے جسموں سے خون جاری ہو گیا۔ ایک کہتا تھا کہ یہ ڈنڈا اور ٹوپی میں لو گا۔ دوسرا کہتا تھا کہ میں۔ حسن نے قریب جا کر ان دونوں کو چھڑایا اور ان سے پوچھا کہ آخر تم کس بات پر لڑ جھگڑ رہے ہو؟ دونوں بولے چچا! ہم میں فیصلہ کر دے کیونکہ اس وقت خدا نے تجھے یہاں بھیجا ہے کہ ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے۔ حسن نے کہا مجھ سے اپنا قصہ بیان کرو؟ میں تم دونوں میں فیصلہ کر دوں گا۔ وہ بولے کہ ہم دونوں گئے بھائی ہیں۔ ہمارا باپ بہت بڑا جادوگر تھا اور اس پہاڑ کی ایک کھوہ میں رہتا تھا۔ مرنے کے بعد اس نے یہ ڈنڈا اور یہ ٹوپی ترکے میں چھوڑی، میرا بھائی کہتا ہے کہ انہیں میں لوں گا اور میں کہتا ہوں کہ میں۔ ہمارا فیصلہ کر کے ہمیں اس سے نجات دے۔ ان کی باتیں سن کر حسن نے کہا کہ ڈنڈے اور ٹوپی میں کیا فرق ہے۔ ظاہراً تو ڈنڈا چھ پیسے کا ہو گا اور ٹوپی تین پیسے کی۔ لڑکوں نے کہا کہ تجھے ان کی خاصیت معلوم نہیں۔ حسن نے پوچھا کہ کیا خاصیت ہے۔ انہوں نے کہا کہ دونوں میں عجیب و غریب خاصیت ہے، ڈنڈے کی قیمت جزائر واق اور اس کے مقبوضات کا خراج ہے اور اسی طرح ٹوپی کی بھی۔

حسن نے کہا بیٹو! خدا کے لئے بتاؤ تو سہی کہ ان میں کیا بھید ہے۔ وہ بولے کہ چچا

ان میں بڑی خاصیت ہے، ہمارا باپ اک سو پینتیس سال تک زندہ رہا اور برابر انہیں کو بناتا رہا یہاں تک کہ انہیں خوب اچھی طرح سے بنایا اور ان میں بڑے بھید رکھے، ان کے ماتحت عجیب و غریب موکل رکھے، گھومنے والے آسمان کے سے اس میں نقش و نگار بنائے اور تمام طلسمات کوٹ کوٹ کر بھر دیئے۔ جب وہ انہیں مکمل بنا چکا تو اسے موت آگئی۔ جس سے کسی کو مفر نہیں۔ ٹوپی کی تو یہ خاصیت ہے کہ اگر کوئی اسے پہن لے تو لوگوں کی نظروں سے چھپ جائے گا۔ رہا ڈنڈا اس کی یہ خاصیت ہے کہ وہ جس کے پاس ہو اس کے قبضے میں سات قبیلے جنوں کے آ جائیں گے۔ ساتوں اسی ڈنڈے کے ماتحت ہیں اس لئے وہ سب کا حکم مانیں گے۔ اگر ڈنڈے کا مالک اسے ہاتھ میں لے کر زمین پر مارے تو جنوں کے بادشاہ اس کی اطاعت کریں گے اور تمام جن اس کی خدمت میں آ موجود ہوں گے۔ یہ سن کر حسن تھوڑی دیر تک سر جھکائے رہا اور دل میں کہنے لگا کہ خدا کی قسم اگر خدا نے چاہا تو مجھے یہ ڈنڈا اور یہ ٹوپی مل جائے گی کیونکہ لڑکوں سے زیادہ میں مستحق ہوں۔ میں ابھی کسی نہ کسی چال سے لڑکوں سے دونوں چیزوں کو لے لیتا ہوں تاکہ ان کی مدد سے میں اپنے بیوی بچوں کو اس ظالم ملکہ کے پنجے سے چھڑا سکوں اور اس اندھیر نگری سے چلتا بنوں جہاں سے آج تک کسی انسان کو چھٹکارا نہیں ملا ہے۔ شاید مجھے ان دونوں لڑکوں کے پاس اسی وجہ سے لایا گیا ہے کہ میں ان سے ڈنڈا اور ٹوپی لے اڑوں۔ اب اس نے سر اٹھا کر لڑکوں سے کہا کہ اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو میں تمہارا امتحان کرتا ہوں اور جو غالب آ جائے اس کا ڈنڈا اور جو مغلوب ہو اس کی ٹوپی، امتحان لے کر میں یہ فیصلہ کروں گا کہ تم میں سے کون کس چیز کا مستحق ہے؟ دونوں بولے کہ چچا! ہم تجھے امتحان لینے کا اختیار دیتے ہیں۔ جس طرح تیرا جی چاہے فیصلہ کر۔ حسن نے کہا کیا تم میری بات ماننے کے لئے تیار ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ حسن نے کہا کہ میں ایک پتھر پھینکتا ہوں، جو آگے دوڑ کر اسے اٹھا لے گا، اسے ڈنڈا ملے گا اور جو پیچھے رہ جائے گا، ٹوپی

پائے گا۔ دونوں بولے کہ ہم اس بات کو منظور کرتے ہیں اور اس پر راضی ہیں۔

اب حسن نے ایک پتھر لے کر اپنی پوری قوت سے اسے پھینکا اور وہ نظروں سے غائب ہو گیا اور دونوں لڑکے اس کے پیچھے دوڑے۔ جب وہ دور پہنچ گئے تو حسن نے ٹوپی لے کر پہن لی اور ڈنڈے کو ہاتھ میں لے کر اپنی جگہ بدل دی تاکہ وہ دیکھے کہ انہوں نے اپنے باپ کا بھید سچ بتایا ہے کہ نہیں۔ چھوٹے لڑکے نے آگے بڑھ کر پتھر اٹھا لیا اور اسے لے کر وہاں لوٹا جہاں حسن تھا لیکن اس کا پتا بالکل نہ پایا اور اپنے بھائی کو پکار کر کہا کہ وہ شخص کہاں ہے جو ہمارا حکم تھا؟ بھائی بولا کہ وہ مجھے بھی دکھائی نہیں دیتا۔ معلوم نہیں کہ آسمان پر چڑھ گیا یا زمین میں دھنس گیا۔ دونوں نے حسن کو بہتیرا ڈھونڈا لیکن وہ دکھائی نہ دیا۔ اگرچہ حسن اپنی جگہ کھڑا تھا۔ لڑکے ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے اور بولا کہ ڈنڈا بھی جاتا رہا اور ٹوپی بھی، لڑکے ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے اور بولا کہ ڈنڈا بھی ٹوپی بھی نہ تجھے کچھ ملا نہ مجھے۔ ہمارے باپ نے یہی کہا تھا لیکن ہم اس کی بات بھول گئے۔ یہ کہہ کر دونوں لڑکے لوٹ گئے اور حسن ٹوپی پہنے اور ڈنڈا ہاتھ میں لئے شر کے اندر گیا۔ کوئی اسے دیکھ نہ سکا اور محل میں داخل ہو کر اس جگہ پہنچا جہاں شواہی ذات الدواہی تھی۔ اسی طرح اس کے پاس پہنچ گیا وہ اسے دیکھ نہ سکی۔ چلتے چلتے وہ اس الماری کے پاس پہنچا جس کے نیچے بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی اور جس میں کانچ اور چینی کے برتن رکھے ہوئے تھے۔ حسن نے الماری کو اپنے ہاتھ سے ہلایا اور جو کچھ اس کے اندر تھا، زمین پر گر پڑا۔ شواہی ذات الدواہی شور مچانے اور اپنا منہ پیٹنے لگی۔ اس نے اٹھ کر وہ چیزیں پھر ان کی جگہ پر رکھ دیں اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ ضرور ملکہ نور الہدیٰ نے کوئی شیطان بھیجا ہے جو میرے ساتھ یہ حرکت کر رہا ہے میں خدا سے دعا مانگتی ہوں کہ وہ مجھے ملکہ کے پنچے سے چھڑائے اور اس کے غصے سے مجھے بچائے۔ خداوند جس نے اپنی بہن کو جو باپ کی چیتی ہے اتنا مارا اور لٹکایا اگر وہ مجھ غریب سے ناراض ہو گئی تو نہ معلوم میری کیا گت

بنائے گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• آٹھ سو بائیسویں رات

آٹھ سو بائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- بڑھیا ذات الدوائی نے کہا کہ جب ملکہ نور الہدیٰ نے اپنی بہن کے ساتھ یہ حرکت کی تو اگر وہ کسی غریب پر ناراض ہو گئی تو نہ معلوم اس کی کیا گت بنا ڈالے گی۔ اس کے بعد اس نے کہا اے شیطان! میں تجھے قسم دیتی ہوں اس ذات کی جو حنان منان عظیم الشان قوی السلطان اور انسانوں اور جنات کا پیدا کرنے والا ہے اور اس نقش کی جو سلیمان بن داؤد کی انگوٹھی پر ہے، بول اور مجھے جواب دے۔ اس کا جواب حسن نے دیا کہ میں شیطان نہیں بلکہ محبت کا مارا حیران و پریشان حسن ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے سر سے ٹوپی اتار لی۔ بڑھیا نے اسے پہچان لیا اور کہنے لگی کہ کیا تیری عقل ماری گئی ہے کہ یہاں آیا؟ جا کر کہیں چھپ جا، اس حرامزادی نے تیری بیوی کو سخت سے سخت تکلیف پہنچائی ہے حالانکہ وہ اس کی بہن ہے، پھر اگر تو اس کے ہتھے چڑھ گیا تو تیری کیا گت بنے گی! یہ کہہ کر اسے اس کی بیوی کا سارا قصہ سنا دیا کہ وہ کس تکلیف اور مصیبت اور بلا میں گرفتار ہے۔ اس کے بعد وہ بولی کہ ملکہ تجھے چھوڑ کر سخت پشیمان ہے اور اس نے تیرے پکڑنے کے لئے ایک شخص کو بھیجا ہے جسے وہ ڈھیروں سونا دے گی اور میرے عمدے پر مقرر کرے گی۔ اس نے قسم کھائی ہے کہ اگر وہ شخص تجھے پکڑ لائے تو وہ تجھے بھی قتل کر دے گی اور تیرے بیوی بچوں کو بھی۔

بڑھیا نے یہ باتیں جو سنائیں تو حسن رونے لگا اور اس نے کہا اے میری آقا! اس ملک اور اس ظالم ملکہ سے کیونکہ چھٹکارا مل سکتا ہے اور تو مجھے کیا تدبیر بتا سکتی ہے جس سے میں بیوی بچوں کو چھڑا سکوں اور انہیں لے کر صحیح و سالم اپنے وطن پہنچ جاؤں۔

بڑھیا بولی کم بخت! اپنی جان لے کر بھاگ، حسن نے کہا، میں تو اپنی بیوی اور اپنے بچوں

کو زبردستی چھڑا کر رہوں گا۔ بڑھیا بولی کہ تو انہیں کس طرح ان سے زبردستی چھڑائے گا؟ بیٹا جا کر کہیں چھپ نہ اور دیکھ کہ خدا کا کیا حکم ہوتا ہے۔ اب حسن نے اسے پیتل کا ڈنڈا اور ٹوپی دکھائی۔ بڑھیا انہیں دیکھ کر باغ باغ ہو گئی اور کہنے لگی کہ پاک ہے وہ خدا جو گلی سڑی ہڈیوں کو زندہ کر دیتا ہے۔ بیٹا! تیرے اور تیری بیوی کے لئے سوائے مرنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا لیکن بیٹا! اب تو بھی بچ گیا اور تیرے بیوی بچے بھی کیونکہ میں اس ڈنڈے کو بھی جانتی ہوں اور اس کے مالک کو بھی، وہ میرا استاد تھا جس نے مجھے جادو سکھایا ہے۔ وہ بہت بڑا جادوگر تھا اور ایک سو پینتیس سال زندہ رہا اور اس ڈنڈے اور ٹوپی کو مکمل کر کے چھوڑا۔ جب وہ انہیں تکمیل تک پہنچا چکا تو اسے موت آگئی جس سے کسی کو مفر نہیں۔ میں نے خود سنا ہے کہ وہ اپنے بیٹوں سے کہتا تھا کہ یہ دونوں چیزیں تمہاری قسمت میں نہیں ہیں بلکہ انہیں تم سے ایک پردیسی لے جائے گا اور تمہیں پتا بھی نہ چلے گا کہ وہ کس طرح لے گیا۔ لڑکوں نے کہا ابا! بتا تو کہ وہ کس طرح انہیں لے جائے گا؟ باپ نے کہا کہ بیٹو! یہ مجھے بھی معلوم نہیں۔ بیٹا! بتا تو سہی کہ یہ چیزیں کیسے تیرے ہاتھ لگیں؟ حسن نے اپنا ماجرا سنا دیا کہ وہ انہیں کس طرح دونوں لڑکوں سے اڑا کر لے اڑا۔ یہ سن کر بڑھیا خوش ہو گئی اور کہنے لگی کہ بیٹا! اب چونکہ تیرے بیوی بچے تجھے مل جائیں گے، لہذا میری بات سن۔ اس تکلیف کے بعد جو اس حرامزادی نے مجھے پہنچائی ہے میں تو اس کے پاس نہ ٹھہروں گی بلکہ جادوگروں کے غار میں جا کر مرتے دم تک ان کے ساتھ رہوں گی۔ لیکن بیٹا! تو ٹوپی پہن کر اور ہاتھ میں ڈنڈا لے کر اس جگہ جا، جہاں تیرے بیوی بچے ہیں اور ڈنڈے کو زمین پر مار کر کہیو کہ اے طلسمات کے موکلو! تیرے یہ کہتے ہی موکل تیرے سامنے حاضر ہوں گے۔ اگر قبیلے کے سرداروں میں سے کوئی حاضر ہو تو جو تیری ضرورت ہو اس سے بیان کر دیجیو، اب وہ بڑھیا سے رخصت ہو کر باہر نکلا اور ٹوپی پہن کر اور ڈنڈا ہاتھ میں لے کر اس جگہ پہنچا۔ جہاں اس کی بیوی تھی اور دیکھا کہ اس پر مرونی چھائی ہوئی ہے اور وہ نکلتی سے بندھی ہوئی لٹک رہی ہے۔ اس

کے بال لٹکے ہوئے ہیں۔ وہ غمگین ہے اور رو رہی ہے، برا حال ہے۔ اس کے بچے سیڑھی کے نیچے کھیل رہے ہیں اور وہ ان پر اور اپنے آپ پر واویلا کر رہی ہے اور سخت مصیبت میں مبتلا ہے۔ اسے اس تکلیف اور ذلت میں دیکھ کر حسن کو غش آ گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ بچے کھیل کود رہے ہیں اور ان کی ماں مارے تکلیف کے بے ہوش پڑی ہے تو اس نے ٹوپی اتار لی اور بچوں کے شور سے ماں کو ہوش آ گیا۔ اسے کوئی نظر نہ آیا۔ اس نے صرف یہ دیکھا کہ بچے رو رہے ہیں اور ابا ابا پکار رہے ہیں۔ بچوں کو باپ کا نام لیتے اور روتے دیکھ کر وہ بھی رو پڑی۔ اس کا سینہ پھٹنے لگا اور وہ زخم خوردہ دل سے کہنے لگی تم کہاں اور تمہارا باپ کہاں! اس کے بعد اسے وہ زمانہ یاد آ گیا جب کہ وہ ساتھ تھے۔ نیز وہ باتیں جو اس کی جدائی کے بعد اس پر گزری تھیں اور وہ اتنا روئی کہ آنسوؤں سے اس کے رخسار گھائل ہو گئے مگر اس کا کوئی ہاتھ کھلا ہوا نہ تھا کہ وہ آنسو پونچھ سکے، ہاں کھیاں اس کی جلد پر بیٹھی خون چوس رہی تھیں اور اس کے لئے سوائے رونے کے کوئی چارہ نہ تھا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو تیسویں رات

آٹھ سو تیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- رونے دھونے کے بعد حسن کی بیوی نے ادھر ادھر دیکھا کہ آخر اس کے لڑکے کیوں رو رہے ہیں اور کسے اپنا باپ کہہ کر پکار رہے ہیں لیکن اسے کوئی شخص دکھائی نہ دیا جب اسے کوئی نظر نہ آیا تو اسے تعجب ہوا کہ اس وقت بچوں نے اپنے باپ کو کیوں یاد کیا۔ یہ تو اس کی داستان ہوئی، اب حسن کا ماجرا سنو، وہ اسے روتا دیکھ کر خود بھی رونے لگا اور اتنا رویا کے بے ہوش ہونے کے قریب ہو گیا۔ پھر روتے روتے بچوں کے پاس جا کر اس نے ٹوپی اتار لی۔ بچوں نے اسے دیکھ کر پھر پہچان لیا اور پھر ابا ابا کہہ کر چلانے لگے۔ بچوں کے منہ سے باپ کا نام سن کر ان کی ماں رونے لگی، اس نے کہا خدا کے لکھے کے خلاف کسی کی نہیں چلتی۔ وہ حیران تھی کہ یا اللہ! اس وقت بچے کیوں اپنے باپ کو یاد کر رہے ہیں اور پکار رہے ہیں۔ حسن سے اب زیادہ صبر نہ ہو سکا اور اس نے ٹوپی اتار لی۔ جونہی اس کی بیوی نے اسے دیکھا، اس زور سے چیخ ماری کہ سارے محل والے سم گئے۔ پھر اس نے پوچھا کہ تو یہاں تک کیسے پہنچ گیا؟ کیا تو آسمان پر سے اترتا ہے یا زمین توڑ کر نکل آیا ہے؟ اس کے بعد اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور حسن بھی رو پڑا۔ بیوی نے کہا کہ اے شخص! یہ نہ رونے کا وقت ہے نہ شکوے شکایت کا۔ جو قسمت میں لکھا تھا پورا ہو گیا اور آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ جو خدا نے ازل میں حکم دے دیا تھا، قلم نے لکھ دیا، میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ جہاں سے آیا ہے، وہاں لوٹ جا، کہیں کوئی تجھے دیکھ نہ لے۔ اگر میری بہن کو خبر ہو گئی تو وہ مجھے بھی ذبح کر ڈالے گی اور تجھے بھی۔ حسن بولا اے میری اور تمام شہزادیوں کی آقا! میں جان پر کھیل کر یہاں آیا ہوں، اب یا تو مر جاؤں گا یا اس مصیبت سے چھڑا کر تجھے اور اپنے بچوں کو وطن لے جاؤں گا، خواہ تیری بہن

..... کتنی ہی مخالفت کیوں نہ کرے۔

اس کی باتیں سن کر وہ مسکرانے اور ہنسنے لگی اور دیر تک اپنا سر ہلاتی رہی۔ پھر بولی اے میری جان! ممکن نہیں کہ سوائے خدا کے اور کوئی مجھے اس مصیبت سے چھڑا سکے، لہذا یہاں سے بھاگ جا اور اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈال۔ اس کے پاس اتنا زبردست لشکر ہے کہ کسی کو اس کے مقابلے کی تاب نہیں ہو سکتی اور مان لیا کہ تو مجھے لے کر یہاں سے چل دیا لیکن یہ تو بتا کہ آخر ان جزیروں سے نکل کر جہاں بے حد دشواریاں اور خطرے ہیں، اپنے وطن کس طرح پہنچے گا؟ راہ میں تو نے خود عجیب و غریب چیزیں، خطرے اور ایسی ایسی بلائیں دیکھی ہوں گی جن سے بڑے بڑے زبردست جنوں کا چھٹکارا بھی ممکن نہیں لہذا فوراً چل دے اور مجھے غم پر غم اور رنج پر رنج نہ دے اور یہ دعویٰ نہ کر کہ تو مجھے اس حالت سے نجات دے کر اپنے وطن لے جائے گا۔ حسن بولا! اے میری آنکھ کی روشنی، قسم ہے مجھے تیری جان کی میں بے تیرے نہ اس جگہ سے نکلوں گا، نہ سفر کروں گا۔ اس نے جواب دیا اے شخص تو یہ کام کیسے کر سکتا ہے! آخر تجھ میں کیا کمال ہے؟ تو سوچ سمجھ کر بات نہیں کرتا۔ اگر تیرے قبضے میں جن اور دیو اور جادوگر بھی ہوں تو بھی تو اس جگہ سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ بہتر ہے کہ تو اپنی جان لے کر بھاگ اور مجھے چھوڑ دے، ممکن ہے کہ خدا ان باتوں کے بعد دوسری باتیں پیدا کر دے۔

حسن بولا اے حسینوں کی سرتاج میں تو آیا ہی اس لئے ہوں کہ اس ڈنڈے اور ٹوپی کے زور سے تجھے چھڑاؤں۔ یہ کہہ کر وہ دونوں لڑکوں کا قصہ اس سے بیان ہی کر رہا تھا کہ ملکہ آ پہنچی اور ان کی گفتگو سننے لگی ملکہ کو دیکھ کر حسن نے ٹوپی پہن لی اور وہ اپنی بہن سے کہنے لگی، اے کم ذات! تو کس سے باتیں کر رہی تھی؟ اس نے جواب دیا سوائے ان بچوں کے یہاں کون ہے جو مجھ سے باتیں کرے۔ اب ملکہ نے کوڑا لے کر اسے مارنا شروع کر دیا اور حسن کھڑا دیکھتا رہا، اس نے اتنا مارا

کہ وہ بے ہوش ہو گئی اور حکم دیا کہ اسے اس جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے۔
لوگ اسے کھول کر دوسری جگہ لے گئے جہاں اسے لے گئے حسن بھی ساتھ ساتھ گیا۔
وہاں پہنچ کر انہوں نے اسی بے ہوشی کی حالت میں اسے زمین پر ڈال دیا اور کھڑے
دیکھتے رہے۔ جب اسے ہوش آیا تو کنیزیں اس کے پاس سے چلی گئیں۔ حسن نے
پھر ٹوپی اتار لی۔ اس کی بیوی نے کہا، اے شخص! دیکھ یہ میری گت اس لئے بنی ہے
کہ میں نے تیری نافرمانی کی اور تیرا حکم نہ مانا اور بغیر تیری اجازت کے چلی آئی۔
اے شخص! خدا کے لئے اس کی سزا مجھے نہ دیجیو۔ یقین جان کہ جب تک میاں بیوی
میں جدائی نہیں ہوتی، اس وقت تک بیوی میاں کی قدر نہیں جانتی۔ سچ ہے کہ میں
گنہگار اور خطاوار ہوں لیکن خدا کے آگے اپنے کئے کی معافی مانگتی ہوں۔ اگر خدا نے
ہمیں پھر ملا دیا تو میں کبھی تیرے حکم کی نافرمانی نہ کروں گی۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

• آٹھ سو چوبیسویں رات

آٹھ سو چوبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب حسن کی بیوی نے اس کے آگے معذرت کی تو حسن کا دل دکھنے لگا۔ اس نے کہا کہ خطا تیری نہیں ہے بلکہ میں خطاوار ہوں کیونکہ میں تجھے ایسے شخص کے پاس چھوڑ کر چلا گیا جسے تیری قدر و قیمت بالکل معلوم نہ تھی اور اے میرے دل کی ٹھنڈک اور آنکھ کی روشنی! خدا نے مجھے یہ قدرت دی ہے کہ میں تجھے چھڑا لوں لیکن یہ بتا اس کے بعد تو یہ چاہتی ہے کہ جب تک خدا کا حکم پورا نہ ہو لے اپنے باپ کے پاس رہے۔ یا یہ چاہتی ہے کہ فوراً ہمارے وطن چلی چلے جہاں تیرے لئے خوشی ہی خوشی ہے؟ اس نے جواب دیا سوائے آسمان کے پروردگار کے مجھے کون چھڑا سکتا ہے، لہذا اپنے ملک کو چلا جا اور لالچ اپنے دل سے نکال ڈال کیونکہ ان ملکوں کے خطروں کی تجھے خبر نہیں۔ اگر تو نے میرا کہنا نہ مانا تو عنقریب اس کا مزہ چکھ لے گا۔ اس کے بعد وہ اور اس کے بچے اتنا روئے کہ کنیزیں ان کی آواز سن کر اندر آگئیں اور انہوں نے دیکھا کہ شہزادی منار النساء اور اس کے بچے رو رہے ہیں۔ حسن ان کی نظروں سے غائب تھا کنیزوں کا دل ان پر اتنا کڑھا کہ وہ رونے اور ملکہ نور الہدیٰ کو کونسنے لگیں۔ حسن نے رات تک انتظار کیا۔ جب پہرے دار چلے گئے تو وہ اٹھا کمر کس کر اپنی بیوی کے پاس آیا اسے کھول کر اس کا سر چوما، سینے سے لگایا اور کہا کہ میں اس بات کا کتنا مشتاق ہوں کہ اپنے وطن جا کر سب سے ملوں۔ معلوم نہیں کہ ہمارا اس وقت کا ملنا خواب میں ہے یا بیداری میں؟ یہ کہہ کر اس نے بڑے لڑکے کو گود میں اٹھایا اور اس کی بیوی نے چھوٹے لڑکے کو اور محل سے نکل کر چل دیئے۔ خدا نے ان کی پردہ پوشی کی۔ محل سے نکل کر وہ اس دروازے پر پہنچے جو ملکہ کی حرم سرا میں کھلتا تھا۔ یہ دیکھ کر کہ اس میں قفل پڑا ہوا ہے، حسن لاجول.... پڑھنے لگا اور انہیں یقین ہو گیا

کہ یہاں سے نکلنا ناممکن ہے حسن ”یا مشکل کشا“ کہہ کر ہاتھ ملنے لگا کہ سوائے اس کے ہر بات کا میں نے انتظام کر لیا اور نتیجہ سوچ لیا تھا۔ دن نکلتے ہی لوگ ہمیں گرفتار کر لیں گے، اب کیا کرنا چاہیے! حسن کے آنسو نکل پڑے۔ اس کی بیوی بھی رونے لگی۔ اپنی توہین اور رنج و الم کا خیال کر کے افسوس کرتی اور کہتی کہ خدا کی قسم! ہمیں بے اس کے چین نہیں ملے گا کہ ہم خودکشی کر کے اس مصیبت سے نجات پائیں ورنہ کل صبح ہمیں پھر تکلیفوں کا سامنا ہے۔

وہ بیس باتیں کر رہے تھے کہ کسی نے باہر سے آواز دی اور کہا اے میری آقا منار النساء اور اس کے شوہر حسن! جب تک تم میری بات نہ مان لو میں دروانہ نہ کھولوں گی۔ وہ چپ ہو گئے۔ اور چاہتے ہی تھے کہ جہاں سے آئے ہیں وہیں لوٹ جائیں کہ اتنے میں پھر کسی کی آواز آئی کہ تم چپ کیوں ہو، جواب کیوں نہیں دیتے۔ اب دونوں نے پہچان لیا کہ بڑھیا شواہی ذات الدواہی کی آواز ہے اور جواب دیا کہ جو کچھ تیرا حکم ہو، ہم ماننے کے لئے تیار ہیں لیکن پہلے دروانہ تو کھول دے، یہ زیادہ باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے۔ بڑھیا بولی کہ خدا کی قسم! میں اس وقت تک دروانہ نہ کھولوں گی جب تک تم قسم نہ کھاؤ کہ تم مجھے اپنے ساتھ لے چلو گے، میں اس ظالم کے پاس رہنا نہیں چاہتی جو تمہاری حالت ہو گی وہی میری بھی ہو گی اور اگر تم صحیح و سلامت رہے تو میں بھی رہوں گی اور اگر تم پر مصیبت آئے گی تو میں بھی اسے جھیلوں گی کیونکہ یہ حرامزادی ہر وقت میری ذلت کرتی ہے اور تمہاری وجہ سے میرے پیچھے پڑ گئی ہے اور اے بیٹی! تو میری قدر و قیمت جانتی ہے۔ جب انہوں نے بڑھیا کو پہچان لیا تو انہیں اطمینان ہوا اور انہوں نے اتنی قسمیں کھائیں کہ اسے یقین آ گیا اور اس نے درانہ کھول دیا، دونوں باہر نکل آئے، دیکھا کہ بڑھیا ایک رومی سرخ مٹی کے مٹکے پر سوار ہے، مٹکے کے گلے میں تار کے ریشوں کی ایک رسی پڑی ہوئی ہے، مٹکا اس کے نیچے گھوم رہا اور نجدی پچھیرے سے بھی تیز چل رہا ہے۔ بڑھیا نے آگے بڑھ

کر کہا کہ میرے پیچھے پیچھے آؤ اور کسی بات سے نہ ڈرو۔ جادو کے چالیس باب مجھے بر زبان یاد ہیں جن میں سے سب سے چھوٹا یہ ہے کہ ”میں اس شہر کو ایک متلاطم سمندر بنا سکتی ہوں جس میں تمام لڑکیاں جادو کے زور سے مچھلیاں بن جائیں اور سویرا ہونے سے پہلے پہلے یہ تمام باتیں پیش آ جائیں“ لیکن میں محض اس کے باپ کے ڈر سے اور اس کی بہنوں کی خاطر یہ نہیں کر سکتی کیونکہ ان کے پاس دیووں اور جنوں کا بہت بڑا لشکر ہے۔ تم عنقریب میرے جادو کی نیرنگیاں دیکھ لو گے۔ خدا سے برکت اور مدد کی دعا مانگ کر چل کھڑے ہو۔ یہ سن کر حسن اور اس کی بیوی خوش ہو گئے اور ان کو اپنی نجات کا یقین آ گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو پچیسویں رات

آٹھ سو پچیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب حسن، اس کی بیوی اور بڑھیا شواہی محل سے نکلے اور انہیں اپنے بچ جانے کا یقین ہو گیا تو وہ شہر کے باہر پہنچے، حسن نے ڈنڈا لے کر زمین پر مارا اور دل کو کڑا کر کے کہا، اے اس طلسمات کے موکلو، تم اپنے حال سے آ کر مجھے مطلع کرو! زمین پھٹی اور اس میں سے دس دیو نکلے جن کے پاؤں زمین کے اندر دھنسے ہوئے اور سر بادلوں سے ٹکر کھا رہے تھے۔ انہوں نے حسن کے آگے تین بار زمین چومی اور یک زبان ہو کر کہا اے ہمارے آقا اور حاکم! ہم حاضر ہیں، تیرا ہر حکم ماننے اور بجا لانے کے لئے تیار ہیں، اگر تو چاہے تو ہم سمندروں کو سکھا دیں اور پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹا دیں۔ حسن نے دیکھا کہ کتنی جلد انہوں نے جواب دیا تو وہ خوش ہو گیا اور اپنا دل مضبوط کر کے کہنے لگا تم لوگ کون ہو، تمہارے نام کیا ہیں، کس قبیلے کی طرف تم منسوب ہو، کس گروہ، کس جماعت اور کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟ یہ سن کر انہوں نے دوبارہ زمین چومی اور بولے کہ ہم میں سات بادشاہ ہیں، ہر ایک جنوں، شیطانوں اور دیوؤں کے سات سات قبیلوں پر حکومت کرتا ہے، لہذا ہم سات بادشاہوں کے ماتحت جنات، شیطاں اور دیوؤں کے انچارج قبیلے ہیں جن میں اڑنے والے، زمین کے اندر گھسنے والے، پہاڑوں، جنگلوں، بیابانوں اور سمندروں کے اندر رہنے والے ہیں، تو جو حکم دینا چاہے دے، ہم تیرے نوکر اور غلام ہیں جس کے قبضے میں یہ ڈنڈا ہے وہی ہماری گردنوں کا بھی مالک ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

ان کی باتیں سن کر حسن، اس کی بیوی اور بڑھیا سب کے سب خوش ہو گئے اور حسن نے ان جنوں سے کہا، میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنے قبیلوں اور لشکروں سے ملاؤ۔ انہوں نے جواب دیا اے ہمارے آقا! ہم تجھے اور تیرے ساتھیوں کو اپنے لوگوں سے ملاتے

ہوئے ڈرتے ہیں کیونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ صورتیں، شکلیں، رنگ، چہرے اور بدن طرح طرح کے ہیں۔ بعض ہم میں سے سر ہیں بے جسمکے اور بعض جسم ہیں بے سر کے، بعضوں کی شکل وحشی جانوروں کی ہے اور بعضوں کی درندوں کی سی۔ لیکن اگر تو یہی چاہتا ہے تو ہم ضرور دکھائیں گے اور سب سے پہلے تو ان کو دیکھے گا جو وحشی جانوروں کی شکل کے ہیں۔ مگر اے ہمارے آقا! اس وقت تو ہم سے کیا چاہتا ہے؟ حسن نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے، میری بیوی اور اس نیک عورت کو ابھی بغداد لے چلو۔ یہ سن کر جنوں نے سر نیچا کر لیا، حسن نے پوچھا کہ تم جواب کیوں نہیں دیتے؟ وہ یک زبان ہو کر بولے، اے ہمارے آقا اور حاکم! ہم حضرت سلیمان بن داؤد کے زمانے کے ہیں۔ انہوں نے ہمیں قسم دی تھی کہ ہم کسی آدم زاد کو اپنے اوپر سوار نہ کریں۔ اس وقت سے لے کر آج تک نہ کسی آدم زاد کو ہم نے اپنے اپنے کندھوں پر بیٹھایا ہے نہ پیٹھوں پر، لیکن ہم فوراً جنات کے گھوڑوں کو کس کر لاتے ہیں، وہ تجھے اور تیرے ساتھیوں کو تیرے وطن پہنچا آئیں گے۔ حسن نے پوچھا یہاں سے بغداد کتنی دور ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تیز رفتار سوار کے لئے سات برس کی راہ۔ حسن نے تعجب سے کہا پھر میں کیسے ایک سال سے کم میں پہنچ گیا؟ انہوں نے جواب دیا، خدا نے اپنے نیک بندوں کا دل تجھ پر مہربان کر دیا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس ملک تک تیری پہنچ نہ ہوتی بلکہ تو اس کی صورت بھی نہ دیکھ سکتا۔

شیخ عبدالقدوس نے تجھے ہاتھی اور میمون گھوڑے پر بٹھا کر تین دن میں اتنی دور پہنچایا ہے جتنا کہ ایک تیز رفتار سوار تین برس کی راہ چلتا ہے اور شیخ ابوالرولیش نے جو تجھے دہنیش کے سپرد کیا تھا اس نے ایک رات اور ایک دن میں تیرے ساتھ تین برس کی مسافت طے کی۔ یہ خدا کی مہربانی تھی کیونکہ شیخ ابوالرولیش، آصف بن برخیا کی اولاد میں سے ہے اور اسے اسم اعظم آتا ہے۔ بغداد سے لڑکیوں کے محل تک ایک برس کی راہ ہے یہ پورے سات سال ہو گئے۔ یہ سن کر حسن کو بڑا تعجب ہوا اور وہ کہنے

لگا کہ پاک ہے وہ ذات جو مشکلیں آسان کرتی ہے، ٹوٹے ہوئے دل جوڑتی ہے، دور کو نزدیک کرتی ہے اور ہر ظالم سرکش کو نیچا دکھاتی ہے، اس نے ہماری مشکلیں آسان کیں اور مجھے اس ملک میں پہنچا کر ان تمام مخلوق کو میرا فرمانبردار بنایا اور مجھے میرے بیوی بچوں سے ملایا۔ نہ معلوم میں سو رہا ہوں یا جاگ رہا ہوں، نشے میں ہوں یا ہوش میں۔ اس کے بعد حسن نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا اگر تم ہمیں اپنے گھوڑوں پر سوار کرا دو گے تو وہ ہمیں کتنے دن میں بغداد پہنچا دیں گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ پہنچا تو وہ تمہیں ایک سال سے کم میں دیں گے لیکن اس مدت میں بے شمار تکلیفوں، سختیوں اور خطروں کا سامنا ہو گا، خشک گھاٹیوں، دہشت ناک بیابانوں، جنگلوں اور مملکت مقامات میں سے ہو کر گزرنا ہو گا کیونکہ اے میرے آقا! ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ان جزیروں والوں سے تجھے نقصان نہ پہنچ جائے۔

اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو چھپیس ویں رات

آٹھ سو چھپیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جنوں نے حسن سے کہا اے ہمارے آقا! ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ان جزیرے والوں سے تجھے نقصان نہ پہنچ جائے یا ملک اکبر سے، یا ان جادوگروں اور کاہنوں سے، ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں شکست دے کر تمہیں ہم سے چھین لیں اور ہماری بری درگت بنائیں اور جو کوئی یہ خبر سنے، ہم سے کہے کہ تم نے بڑی زیادتی کی ہے، تم نے یہ کیا کیا کہ ملک اکبر کے ملک میں جا کر اس لڑکی کو بھی اٹھالے گئے اور ایک انسان کو بھی! اگر تو اکیلا ہمارے ساتھ ہوتا تو ہمارے لئے آسانی تھی لیکن پروا نہیں، جس ذات نے تجھے ان جزیروں تک پہنچایا ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ تجھے تیرے وطن پہنچا دے اور تو عنقریب اپنی ماں سے مل جائے۔ ہمت کر کے خدا پر بھروسہ کر اور ڈر نہیں، جب تک اپنے وطن نہ پہنچ جائے گا ہم تیرے ساتھ رہیں گے۔ حسن نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ خدا تمہیں نیک بدلہ دے! اچھا گھوڑے جلد لاؤ، انہوں نے پاؤں زمین پر مارے، زمین پھٹ گئی اور وہ اس کے اندر غائب ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد تین گھوڑے لے کر نکلے جن پر زمینیں کسی ہوئی، لگائیں لگی ہوئی تھیں او ہر زین کے اگلے حصے میں دو دو خربجیاں لٹکی ہوئی تھیں، ایک میں پانی بھری تھیلیاں تھیں اور دوسری میں کھانا، انہوں نے گھوڑے پیش کئے۔ ایک پر حسن سوار ہو گیا اور ایک لڑکے کو اپنے آگے بٹھا لیا، دوسرے پر اس کی بیوی بیٹھی او دوسرے لڑکے کو اپنے سامنے سوار کر لیا، پھر بڑھیا اپنے منکے پر سے اتر کر تیسرے گھوڑے پر بیٹھ گئی۔ رات بھر چلے، صبح ہوئی تو راستے سے ہٹ کر پہاڑ کا رخ کیا اور برابر خدا کی یاد میں لگے لگے چلتے رہے۔

چلتے چلتے حسن کو اپنے آگے ایک پہاڑ دکھائی دیا جو ایک ستون کی طرح تھا اور اتنا لمبا کہ گویا دھواں آسمان کی طرف اٹھ رہا ہے۔ اسے دیکھ کر حسن قرآن کی آیتیں پڑھنے

لگا اور خدا کے آگے مردود شیطان سے پناہ مانگی۔ جوں جوں وہ اس کے قریب ہوتے جاتے، سیاہی زیادہ صاف نظر آتی جاتی۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کے نیچے پہنچ گئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک دیو ہے، جس کا سر ایک بڑے گنبد جیسا، دانت نیزوں کی طرح، جبراً سڑک کی مانند، نتھنے لوٹوں کی مثل، کان جیسے چمڑے کی ڈھالیں، منہ غار، دانت پتھر کے ستون اور ہاتھ سلاخیوں کی طرح اور ٹانگیں مستولوں جیسی، اس کا سر بادلوں کے اندر تھا اور پاؤں زمین کے نیچے مٹی میں۔ اس دیو کو دیکھتے ہی حسن نے اس کے آگے جھک کر زمین چومی، دیو نے کہا، اے حسن! مجھ سے ڈر نہیں میں اس ملک کے باشندوں کا سردار ہوں اور یہ جزائر واق میں سے پہلا جزیرہ ہے۔ میں مسلمان ہوں اور خدا کی توحید کا قائل، تمہارے آنے کی خبر سن کر اور تمہارا حال معلوم کر کے مجھے اس بات کی آرزو ہوئی کہ جادوگروں کے ملک کو چھوڑ کر ایسی جگہ رہوں جو غیر آباد ہو۔ جہاں دور دور نہ انسان بستے ہوں نہ جنات۔ اکیلا رہ کر میں خدا کی عبادت کرتا رہوں یہاں تک کہ مجھے موت آ جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری رہبری کروں تاکہ تم ان جزیروں سے نکل جاؤ۔ میں محض رات کو دکھائی دیتا ہوں۔ میری طرف سے تم مطمئن رہو۔ کیونکہ جیسے تم مسلمان ہو، میں بھی ہوں۔ دیو کی باتیں سن کر حسن بہت خوش ہوا۔ اسے اپنی نجات کا یقین آ گیا اور دیو ان کے آگے مخاطب ہو کر بولا، خدا تجھے نیک بدلہ دے! آ ہمارے ساتھ چل۔ دیو ان کے آگے آگے ہو لیا۔ ہم باتیں اور ہنسی مذاق کرتے روانہ ہو گئے۔ سب خوش اور مطمئن تھے اور حسن اپنی بیوی سے اپنی بیٹی کہتا جاتا تھا۔ اسی طرح وہ رات بھر چلتے رہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو ستائیس ویں رات

آٹھ سو ستائیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- وہ لوگ رات بھر گھوڑوں پر سوار رہے اور گھوڑے بجلی کی طرح چلا کئے۔ جب دن نکلا تو ہر ایک نے اپنی خرجی میں ہاتھ ڈالا، کھانا نکال کر کھایا اور پانی نکال کر پیا۔ اس کے بعد وہ اور تیز تیز چلنے لگے، دیو ان کے آگے آگے تھا، وہ ایک راستہ چھوڑ کر انہیں دوسرے راستے سے لے گیا جہاں بالکل آمد و رفت نہ تھی اور جو سمندر سے لگا لگا جاتا تھا۔ اسی طرح وہ ایک مہینے تک گھائیاں اور بیابان طے کرتے رہے اور اکتیس ویں دن انہیں گرد اڑتی نظر آئی جو اٹھ کر چاروں طرف پھیل گئی اور دن تاریک نظر آنے لگا اور ڈراؤنی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ حسن گھبرا گیا اور اس کے چہرے کی رنگت زرد پڑ گئی۔ بڑھیا نے حسن سے مخاطب ہو کر کہا بیٹا! جزائرِ واق کا لشکر آ پہنچا ہے اور وہ ہمیں فوراً گرفتار کر لیں گے۔ حسن بولا! اب کیا کیا جائے؟ اس نے جواب دیا کہ ڈنڈا زمین پر مار۔ ڈنڈا زمین پر مارنا تھا کہ ساتوں بادشاہ نکل کر حسن کے پاس آئے اور اس کے آگے زمین چوم کر کہنے لگے کہ ڈر نہیں، گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ ان کی یہ بات سن کر حسن خوش ہو گیا اور کہنے لگا اے جنوں اور دیوؤں کے سردارو! تم نے خوب کیا، یہی تمہاری مدد کا وقت ہے۔ وہ بولے کہ تو اپنی بیوی، بچوں اور ساتھیوں کو لے کر پہاڑ پر چڑھ جا، ہم ان سے نبٹ لیں گے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ تم لوگ حق پر ہو اور وہ باطل پر، خدا ہمیں ان پر فتح دے گا۔ حسن، اس کے بیوی بچے اور بڑھیا گھوڑوں پر سے اتر پڑے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو اٹھائیسویں رات

آٹھ سو اٹھائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- حسن اس کی بیوی بچے اور بڑھیا گھوڑوں پر سے اتر کر پہاڑ کے دامن پر چڑھ گئے۔ اتنے میں ملکہ نور الہدیٰ اپنے لشکر کے میمنے اور میسرے کے ساتھ آ پینچی سرداروں نے صفیں آراستہ کیں، دونوں لشکر مقابلے میں آئے۔ دونوں ایک دوسرے پر پل پڑے، شعلے بلند ہوئے، بہادر بڑھنے اور بزدل بھاگنے لگے، جنوں کے منہ سے آگ کی چنگاریاں بھڑکنے لگیں یہاں تک کہ رات ہو گئی اور دونوں گروہ الگ الگ ہو گئے۔ جب وہ گھوڑوں سے اترے تو انہوں نے آگ جلائی۔ اب ساتوں بادشاہوں نے حسن کے پاس آ کر زمین چومی، اس نے شکریہ ادا کیا، فتح کی دعا دی اور ان سے پوچھا کہ ملکہ نور الہدیٰ کی فوج کے مقابلے میں ان کا کیا حال رہا؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ تین دن سے زیادہ ہمارے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتے! آج بھی میدان ہمارے ہی ہاتھ رہا ہے۔ ہم نے ان میں سے قریب دو ہزار کے قیدی پکڑے ہیں اور قتل تو اتنے کو کیا ہے جن کی گنتی نہیں، لہذا خوش ہو اور غم نہ کر۔ اس کے بعد وہ اس سے رخصت ہو کر اپنے لشکر کی حفاظت کے لئے روانہ ہو گئے اور انہوں نے رات بھر آگ جلتی رکھی۔ صبح ہوئی اور دن نکلا تو سوار گھوڑوں پر سوار ہو گئے، چمکدار تلواروں اور گندمی نیزوں سے لڑنے لگے تمام رات انہوں نے گھوڑوں کی پیٹھ پر گزاری، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک موجزن سمندر ہیں اور لڑائی کے شعلے لپٹیں مار رہے ہیں۔ انہوں نے اتنے سخت حملے کئے کہ واق کا لشکر دبے لگا۔ ان کے دل ٹوٹ گئے، ہمت پست ہو گئی اور قدم ڈمگانے لگے۔ وہ جس طرف بھاگ کر جاتے، شکست کھاتے بالآخر وہ دم دبا کر بھاگے۔ ان کا بڑا حصہ مارا جا چکا تھا، ملکہ نور الہدیٰ اور اس کے سردار اور مصاحب قید ہو چکے تھے۔

جب سویرا ہوا تو ساتوں بادشاہوں نے آ کر حسن کے لئے مرمر کا تخت لگایا جس میں

موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے اور تخت پر اسے بٹھا کر اس کے پاس ایک اور تخت بچھایا جو اس کی بیوی منار النساء کے لئے تھا۔ یہ تخت ہاتھی دانت کا تھا جس پر قیمتی سونے کے پتھر چڑھے ہوئے تھے۔ وہ اس پر بیٹھ گئی۔ اس کے پہلو میں انہوں نے تیسرا تخت ڈالا، اس پر بڑھیا شواہی ذات الدواہی کو بٹھایا۔ اس کے بعد انہوں نے حسن کے سامنے قیدیوں کو پیش کیا۔ ان میں ملکہ نور الہدیٰ بھی تھی، اس کی مشکیں بندھی ہوئی اور پاؤں میں بیڑیاں پڑی تھیں۔ بڑھیا نے اسے دیکھ کر کہا، اے ظالمہ اور فاجرہ! تیری سزا اب یہی ہو سکتی ہے کہ وہ کتوں کو بھوکا اور دو گھوڑوں کو پیاسا رکھ کر تجھے گھوڑوں کی دموں سے باندھ دیا جائے اور انہیں سمندر کی طرف بھگا کر دونوں کتوں کو تیرے پیچھے لگا دیا جائے تاکہ وہ تیرے تکے بوٹیاں کر ڈالیں۔ اے فاجرہ! تو نے اپنی بہن کے ساتھ یہ حرکت کیوں کی؟ حالانکہ اس نے خدا اور رسول کی سنت کے موافق حلال طور پر شادی کی ہے، اسلام بھی رہبانیت نہیں سکھاتا اور نکاح کرنا تمام بڑے پیغمبروں کی سنت رہی ہے، عورتیں مردوں ہی کے لئے تو پیدا ہوئی ہیں۔ اب حسن نے حکم دیا کہ تمام قیدی قتل کر دیئے جائیں اور بڑھیا نے چلا کر کہا کہ سب کو قتل کر دیا جائے، ایک بھی نہ بچنے پائے۔ شہزادی منار النساء نے اپنی بہن کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ گرفتار ہے اور اس کے بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں تو وہ رونے لگی، اس نے پوچھا کہ بہن تو جانتی ہے کہ یہ کون شخص ہے جس نے ہمارے ملک میں آ کر ہم پر فتح پائی ہے اور ہمیں قیدی بنایا ہے؟ اس نے جواب دیا یہ عجیب و غریب بات ہے۔ اس شخص نے ہمیں نچا دکھایا ہے جس کا نام حسن ہے اور خدا نے اسے ہم پر بھی حاکم بنایا ہے اور ہمارے تمام ملک پر بھی، اسی نے ہمیں اور جنوں کے بادشاہوں کو شکست دی ہے۔ اس کی بہن نے کہا کہ محض اس ٹوپی اور ڈنڈے کی وجہ سے خدا نے اسے تم پر جیت دی ہے تمہیں نچا دکھایا اور گرفتار کیا ہے۔ اب ملکہ کو یقین ہو گیا کہ اسی وجہ سے اس نے اپنی بیوی کو چھڑا لیا ہے، اور اس نے اپنی بہن کے آگے اس قدر ہاتھ جوڑے کہ اس کا دل سلج گیا۔

شنزادی نے اپنے شوہر حسن سے کہا کہ تو میری بہن کو کیا سزا دینا چاہتا ہے؟ اس وقت وہ تیرے قبضے میں ہے لیکن اس نے تیرے ساتھ کوئی برائی نہیں کی ہے جس کی تو اسے سزا دے۔ حسن نے کہا کہ یہ کافی ہے کہ اس نے تیرے ساتھ برا سلوک کیا۔ اس نے جواب دیا کہ جو کچھ برائی اس نے میرے ساتھ کی اس میں وہ مجبور تھی۔ میرے باپ کا دل میرے لئے پہلے ہی میری وجہ سے دکھا ہوا ہے۔ اگر میری بہن بھی نہ رہی تو اس کا کیا حال ہو گا؟ حسن بولا کہ رائے تیری رائے ہے، جو تیرا جی چاہے کر۔ یہ سن کر شنزادی منار النساء نے حکم دیا کہ سب قیدی آزاد کر دیئے جائیں اور اسی طرح اس کی بہن بھی۔ اس کے بعد اس نے بڑھ کر اپنی بہن کو گلے لگا لیا۔ دونوں رونے لگیں اور بہت دیر تک روتی رہیں۔ پھر ملکہ نور الہدیٰ نے اپنی بہن سے کہا کہ بہن، جو برائی میں نے تیرے ساتھ کی ہے اس کا بدلہ نہ لیجیو۔ شنزادی منار النساء بولی بہن! تقدیر میں یہی لکھا تھا۔ دونوں تخت پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں اور منار النساء نے اپنی بہن اور بڑھیا میں بھی ملاپ کرا دیا اور دونوں خوش ہو گئیں۔ اس کے بعد حسن نے اس لشکر کو جو ڈنڈے کی خدمت میں تھا، رخصت کیا اور جو فتح انہوں نے اس کے دشمنوں پر حاصل کی تھی، اس کا شکریہ ادا کیا۔ شنزادی منار النساء نے اپنی بہن سے وہ ساری سرگزشت بیان کی جو اسے اس کے شوہر حسن کے ساتھ پیش آئی تھی اور تمام تکلیفیں جو حسن نے اس کی خاطر اٹھائی تھیں اور کہا کہ ایسے کارنامے کون کر سکتا تھا اور اتنی قوت کس میں تھی! محض خدا کی مدد تھی کہ وہ ہمارے ملک میں آیا، تجھے گرفتار کیا، تیرے لشکر کو مار بھگایا اور تیرے باپ ملک اکبر کو نچا دکھایا جو تمام جنوں کے بادشاہوں کا سردار ہے۔ اس کے حق میں کمی کرنا ظلم ہے۔ اس کی بیوی بولی کہ اے بہن! تیرا کہنا سچ ہے کہ اس نے اس قدر مصیبتیں جھیلیں اور بہن! یہ سب تیری خاطر تھیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• آٹھ سو انتیس ویں رات

آٹھ سو انتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب شنراوی منار النساء نے اپنی بہن سے حسن کے اوصاف بیان کئے اور اسی طرح کی باتوں چیتوں میں ساری رات گزار دی، جب سورج نکلا تو کوچ کی سوچی اور ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔ منار النساء بڑھیا سے بھی رخصت ہوئی کیونکہ وہ اس کے اور اپنی بہن کے درمیان ملاپ کروا چکی تھی۔ اب حسن نے زمین پر ڈنڈا مارا، موکل آ پہنچے اور انہوں نے سلام کر کے کہا کہ شکر ہے خدا کا کہ اس نے تیرا دل ٹھنڈا کیا۔ اب بتا تیرا کیا حکم ہے تاکہ ہم اسے پلک مارنے سے پہلے بجا لائیں۔ حسن نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ خدا تمہیں نیک بدلہ دے۔ اچھا اب دو بہترین گھوڑے ہمارے لئے لے آؤ۔ وہ فوراً لے آئے اور اس کے سامنے کسے کسائے پیش کر دیئے۔ ایک پر حسن سوار ہو گیا اور اپنے بڑے بیٹے کو آگے بٹھا لیا، دوسرے پر اس کی بیوی بیٹھ گئی اور چھوٹے بیٹے کو ساتھ لیا۔ ملکہ نور الہدیٰ اور بڑھیا بھی سوار ہو گئیں اور سب اپنے وطن کو روانہ ہو گئے حسن اور اس کی بیوی دائیں طرف اور ملکہ نور الہدیٰ اور بڑھیا بائیں طرف پورے ایک مہینے تک سفر کرنے کے بعد حسن اور اس کی بیوی بچے ایک شہر کے قریب پہنچے، جس کے ارد گرد بہت سے درخت اور نہریں تھیں، درختوں کے پاس پہنچ کر وہ گھوڑوں سے اتر کر سستانے لگے۔

بیٹھے باتیں کر ہی رہے تھے کہ بہت سے گھوڑے آتے دکھائی دیئے انہیں دیکھ کر حسن اٹھ کھڑا ہوا ان سے مل کر معلوم ہوا کہ وہ بادشاہ حسون ارض کافور اور قلعہ طیور کا مالک ہے۔ حسن نے بڑھ کر اس کے ہاتھ چومے اور سلام کیا۔ بادشاہ بھی گھوڑے پر سے اتر پڑا۔ دونوں درختوں کے نیچے فرش پر بیٹھ گئے۔ بادشاہ نے حسن کو سلام کیا اور اس کی سلامتی پر مبارکباد دی۔ اس سے مل کر بہت خوش ہوا اور کہا اے حسن!

اپنی سرگزشت شروع سے لے کر آخر تک بیان کر۔ حسن نے ساری داستان سنا دی، بادشاہ حسون کو بڑا تعجب ہوا، وہ کہنے لگا کہ بیٹا، آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی جزائر واق جا کر لوٹ آیا ہو سوائے تیرے۔ تیرا ماجرا عجیب و غریب ہے لیکن شکر ہے خدا کا کہ تو صحیح و سلامت رہا۔ اس کے بعد بادشاہ سوار ہو گیا اور حسن سے کہا کہ تو بھی سوار ہو جا اور میرے ساتھ چل۔ حسن نے ایسا ہی کیا، چلتے چلتے شہر پہنچے، شاہی محل میں داخل ہو کر بادشاہ اترآ، حسن اور اس کے بیوی بچوں کو مہمان خانے میں اتارا جہاں وہ دس دن تک کھانے پینے اور کھیل کود میں مشغول رہے۔ پھر حسن نے بادشاہ حسون سے وطن جانے کی اجازت مانگی۔ اس نے اجازت دیدی۔ حسن اور اس کے بیوی بچے سوار ہو گئے، بادشاہ بھی سوار ہو کر دس دن تک ان کے ہم رکاب رہا اور ان سے رخصت ہو کر لوٹ آیا۔ حسن اور اس کے بیوی بچے پورے ایک مہینے تک چلنے کے بعد ایک بڑے غار کے پاس پہنچے جس کی زمین پتیل کی تھی۔ حسن نے اپنی بیوی سے کہا تو اسے پہچانتی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ حسن نے کہا اس میں ایک بزرگ رہتے ہیں جن کا نام ابوالرولیش ہے، ان کا مجھ پر بڑا حسان ہے کیونکہ انہی نے مجھے بادشاہ حسون سے ملایا تھا۔

حسن اپنی بیوی سے شیخ ابوالرولیش کا ذکر رہی رہا تھا کہ وہ غار میں سے نکلا۔ اسے دیکھ کر حسن اپنے گھوڑے پر سے اتر پڑا اور اس کے ہاتھ چومے۔ شیخ نے اسے سلام کیا اور اس کی سلامتی پر مبارکباد دی اور بہت خوش ہوا، پھر دونوں بیٹھ گئے اور حسن نے اس سے وہ ساری باتیں بیان کیں جو اسے جزائر واق میں پیش آئی تھیں۔ شیخ ابوالرولیش نے پوچھا، اے حسن! تو نے اپنے بیوی بچوں کو کس طرح چھڑایا؟ حسن نے ڈنڈے اور ٹوپی کا قصہ اسے سنایا۔ شیخ کو بڑا تعجب ہوا اور اس نے کہا، اے حسن بیٹا! اگر یہ ڈنڈا اور ٹوپی نہ ہوتی تو تو اپنے بیوی بچوں کو چھڑا نہ سکتا تھا۔ حسن بولا اے میرے آقا! ہاں۔ وہ باتیں کر رہی رہے تھے کہ کسی نے غار کے دروازے پر دستک دی۔ شیخ ابوالرولیش نے دروازہ کھولا دیکھا کہ شیخ عبدالقدوس ہاتھی پر سوار آیا ہے۔ شیخ عبدالرولیش

نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا، گلے لگایا اور بہت خوش ہوا اور اس کی سلامتی پر مبارکباد دی۔ اس کے بعد اس نے حسن سے کہا کہ شیخ عبدالقدوس کو بھی ساری کہانی سنا دے۔ حسن نے ساری کہانی شروع سے لے کر آخر تک سنا دی یہاں تک کہ وہ ڈنڈے اور ٹوپی کے قصبے تک پہنچا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو تیسویں رات

آٹھ سو تیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب حسن اپنا قصہ بیان کرتے کرتے ڈنڈے اور ٹوپی تک پہنچا تو شیخ عبدالقدوس نے کہا بیٹا! اب چونکہ تو اپنے بیوی بچوں کو چھڑا لیا ہے۔ ڈنڈے اور ٹوپی کی ضرورت باقی نہیں۔ علاوہ ازیں ہماری مدد سے تو جزائرِ واق تک پہنچا ہے اور میں نے اپنی بھتیجیوں کی وجہ سے تجھ پر احسان کیا ہے لہذا مہربانی کر کے تو ڈنڈا مجھے دے اور ٹوپی شیخ ابوالرولیش کو۔ یہ سن کر حسن نے سر نیچا کر لیا، اسے انکار کرتے شرم آئی۔ اپنے دل میں کہا کہ ان دونوں بزرگوں نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے اور محض انہی کی وجہ سے میری رسائی جزائرِ واق تک ہوئی ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو نہ میں اس جگہ تک پہنچتا نہ اپنے بیوی بچوں کو چھڑا سکتا، نہ مجھے یہ ڈنڈا اور یہ ٹوپی ملتی۔ یہ سوچ کر اس نے سر اٹھایا اور کہا ہاں، میں تمہیں دیتا ہوں لیکن اے میرے آقاؤ! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری بیوی کا باپ ملک اکبر فوج لے کر آ جائے اور ڈنڈے اور ٹوپی کے چلے جانے کی وجہ سے میں اس کا مقابلہ نہ کر سکوں۔ شیخ نے حسن سے کہا بیٹا! ڈر نہیں، ہم تیری طرف سے اس جگہ گھات میں لگے رہیں گے اور جو کوئی بھی تیرے خسر کی طرف سے آئے گا اسے تیرے پاس نہ پھٹکنے دیں گے۔ تو مطمئن رہ اور کسی طرح کا خوف نہ کر۔

شیخ کی گفتگو سن کر حسن کو شرم آئی اور اس نے ٹوپی شیخ ابوالرولیش کو دے کر عبدالقدوس سے کہا کہ مجھے میرے وطن پہنچا دے اور ڈنڈا لے لے۔ دونوں بزرگ خوش ہو گئے اور حسن کو اس قدر مال دیا کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ تین دن ٹھہرنے کے بعد حسن نے سفر کی اجازت مانگی، شیخ عبدالقدوس بھی اس کے ساتھ سفر کے لئے تیار ہو گیا جب حسن ایک گھوڑے پر بیٹھ کر دوسرے پر اپنی بیوی کو سوار کر دیا تو شیخ نے سیٹی بجائی، جنگل میں سے ایک بہت بڑا ہاتھی دوڑتا ہوا آ پہنچا۔ شیخ اس پر سوار ہو گیا۔

سب روانہ ہو گئے اور شیخ ابوالرولیش اپنے غار کے اندر چلا گیا۔ شیخ کی رہبری سے وہ آسمان راستوں اور قریب موڑوں میں سے ہو کر چلنے لگے۔ اس کا وطن جتنا قریب آتا جاتا، اتنی ہی اسے خوشی ہوتی کہ اب وہ بیوی بچوں کو لے کر اپنی ماں سے ملے گا۔ اس نے خدا کا شکر کیا اور اس کی عنایتوں اور مہربانیوں کا ممنون ہوا۔ اتنے میں انہیں قبہ خضرا، فواہ اور سبز محل دکھائی دینے لگے اور جبل سحاب بھی دور سے نظر آنے لگا۔ شیخ عبدالقدوس نے کہا، اے حسن خوش ہو، اب آرام ہی آرام ہے، آج ہی رات تو میری بھتیجیوں کا مہمان ہو گا۔ حسن اور اس کی بیوی سن کر بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے گنبد کے پاس اتر کر ذرا دم لیا اور کھاپی کر پھر سوار ہو گئے اور محل کے قریب پہنچے۔

جب وہ محل کے پاس پہنچ گئے تو شیخ عبدالقدوس کے بھائی بادشاہ کی بیٹیوں نے نکل کر ان کا خیر مقدم کیا۔ اسی طرح انہوں نے اپنے چچا کو بھی سلام کیا اور اس نے سلام کا جواب دیا اور ان سے کہا اے میری بھتیجیو! میں نے تمہارے بھائی حسن کی مراد پوری کر دی ہے اور اس کی مدد کر کے اس کے بیوی بچوں کو چھڑا دیا ہے۔ لڑکیوں نے بڑھ کر حسن کو گلے لگایا، اس سے مل کر خوش ہوئیں، اس کی خیر و عافیت پر اسے مبارکباد دی اور نیز اس بات پر کہ اس کی بیوی بچے اسے مل گئے۔ یہ دن اس کے لئے عید کا دن تھا۔ اب حسن کی چھوٹی بہن بڑھ کر اس کے گلے سے لپٹ گئی اور بلک بلک کر رونے لگی۔ حسن بھی یہ خیال کر کے کہ وہ بہن سے اتنے دنوں جدا رہا ہے، رو پڑا۔ اس کے بعد وہ شکوے شکایت کرنے لگی کہ جدائی اور فراق کے کتنے صدمے اٹھائے ہیں۔ حسن نے کہا بہن، میں اس معاملے میں تیری بہنوں سے بھی زاہد شکر گزار ہوں، خدا تیری مدد کرے اور تجھ پر عنایت کی نظر رکھے۔ پھر اس نے سفر کے تمام حالات شروع سے لے کر آخر تک اور ساری مصیبتیں جو اس نے جھیلی تھیں مع ان واقعات کے جو سال کے ساتھ پیش آئے تھے اور یہ کہ کس طرح اس نے بیوی بچوں کو چھڑایا بیان کیا اور یہ بھی کہا کہ اسے کس قدر خطروں کا سامنا ہوا۔

یہاں تک کہ اس کی سالی اسے اور اس کے بچوں کو ذبح کر ڈالنے کے لئے تیار تھی۔
اس کے بعد اس نے اسے ڈنڈے اور ٹوپی کی کہانی سنائی اور کہا کہ ان دونوں چیزوں
کو شیخ عبدالرویش اور شیخ عبدالقدوس نے مجھ سے مانگ لیا ہے اور محض تیری خاطر میں
نے انہیں دونوں چیزیں دے دیں۔ لڑکی نے اس پر حسن کا شکریہ ادا کیا اور اسے عمر
کی درازی کی دعا دی۔ حسن نے کہا کہ خدا کی قسم میں تیری بھلائیوں کو ہرگز نہیں
بھول سکتا جو تو نے میرے ساتھ شروع سے لے کر آخر تک کی ہیں۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔



• آٹھ سو اکتیس ویں رات

آٹھ سو اکتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- حسن نے اپنی بہن سے کہا کہ میں تیری بھلائیاں ہرگز نہیں بھول سکتا جو تو نے میرے ساتھ شروع سے لے کر آخر تک کی ہیں۔ اب اس نے حسن کی بیوی منار النساء کو گلے لگا لیا اور اس کے بیٹوں کو سینوں سے چمٹا کر کہا، اے ملک اکبر کی بیٹی! کیا تیرے دل میں اتنا کم رحم تھا کہ تو نے اسے اس کے بچوں سے جدا کر دیا اور اس کا دل جلایا؟ کیا اس سے تیرا یہ مقصد تھا کہ وہ مر جائے؟ منار النساء ہنس پڑی اور کہا خدا کا یہی حکم تھا، جو کوئی لوگوں کے ساتھ برائی کرتا ہے، خدا اس کے ساتھ بری طرح پیش آتا ہے۔ اس کے بعد ان کے لئے کھانا آیا، سب نے کھایا اور خوش ہوئے۔ اسی طرح کھانے پینے میں انہوں نے خوش و خرم دس دن گزارے اور جب دس دن ہو چکے تو حسن نے سفر کی تیاری کی، اس کی بہن نے اس قدر مال و دولت اور تحفے تحائف اس کے ساتھ کر دیئے کہ بیان سے باہر ہے۔ اس کے بعد اس نے حسن کو رخصت کرنے کی غرض سے اسے اپنے گلے اور سینے سے لگا لیا۔ حسن نے شیخ عبدالقدوس کو ڈنڈا دے دیا جس پر وہ بہت خوش ہوا، اس کا شکریہ ادا کیا اور اسے لے کر اپنی جگہ چلا گیا۔ اب حسن اور اس کے بیوی بچے سوار ہو گئے لڑکیاں اپنے محل سے نکل کر اسے پہنچا آئیں۔ دو مہینے اور دس دن تک جنگل بیابان میں سفر کرتے کرتے حسن بغداد پہنچا اور اپنے گھر کے چور دروازے پر پہنچ کر جو جنگل کی طرف کھلتا تھا دستک دی۔ وہ اتنے دنوں غائب رہا تھا کہ اس کی ماں کی نیند حرام ہو گئی تھی رونے پٹنے میں اس کے دن گزرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ بیمار پڑ گئی نہ کھاتی نہ پیتی، ہمیشہ اپنے بیٹے کو یاد کرتی۔ اسے بیٹے کے واپس آنے کا کوئی آسرا نہیں رہا تھا۔ حسن کو اپنی ماں کے رونے کی آواز آئی اور ماں نے اسے دروازے پر یہ کہتے سنا کہ اماں، زمانے کی مہربانی

سے ہم سب پھر مل گئے۔

حسن کی آواز پہچان کر ماں دروازے کی طرف بڑھی لیکن ایک دل کہتا کہ وہی ہے اور ایک دل کہتا کہ نہیں ہے۔ جب اس نے دروانہ کھولا تو دیکھا کہ اس کا بیٹا اور بیوی بچے کھڑے ہیں۔ مارے خوشی کے اس نے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر پڑی۔ حسن نے ہوش میں لانے کی کوشش کی اور وہ ہوش میں آ گئی۔ اس نے حسن کو گلے سے لگا لیا اور رونے لگی۔ اس کے بعد اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ سارا سامان اندر لے جائیں اور وہ اندر لے گئے اور ماں نے اپنی بہو کو گلے لگایا، اس کے سر اور دونوں پاؤں چومے اور کہا اے ملک اکبر کی بیٹی! اگر مجھ سے کوئی خطا ہوئی ہے تو میں خدا سے معافی مانگتی ہوں۔ اس کے بعد اس نے اپنے بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تو اتنی مدت تک کیوں غائب رہا؟ جس پر حسن نے اپنی ساری کہانی شروع سے آخر تک کہہ سنائی۔ ماں نے زور سے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر پڑی۔ ہوش آیا تو بولی بیٹا تو نے ڈنڈا اور ٹوپی ناحق دے دی۔ اگر تو انہیں اپنے پاس رکھتا تو ساری دنیا کا بادشاہ ہو جاتا لیکن شکر ہے کہ تو تیری بیوی اور تیرے بچے سلامت ہیں۔ رات انہوں نے بڑی خوشی سے گزاری، صبح ہوئی تو حسن نے اپنے کپڑے بدل کر ایک نہایت نفیس پوشاک پہنی اور بازار جا کر غلام، باندیاں، کپڑے، گھنے، قالین اور قیمتی برتن خریدے جن کا جواب بادشاہوں کے ہاں بھی نہ ہو گا اور پھر مکان، باغ اور جاگیریں مول لیں۔ اس کے بعد وہ اور اس کی اولاد، بیوی اور ماں خوب کھانے پینے اور مزے اڑانے، زندگی بسر کرنے اور بڑے عیش و عشرت سے رہنے لگے۔ یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ساری حکومت ہے اور جو ہمیشہ زندہ اور باقی رہنے والی ہے اور کبھی نہیں مرتی۔

○ خلیفہ ماہی گیر کی کہانی

پرانے زمانے کا ذکر ہے، بغداد میں خلیفہ نام کا ایک ماہی گیر رہتا تھا۔ بہت غریب، بیچارے نے افلاس کے مارے شادی بھی نہیں کی تھی۔ ایک دن وہ اپنا جال لے کر دستور کے موافق دیا پر پہنچا تا کہ دوسرے ماہی گیروں سے پہلے شکار کھیلے۔ دیا کے کنارے پہنچ کر اس نے دامن اوپر اٹھائے، کمر کسی اور پانی میں جال پھینکا۔ ایک بار پھر دوسری بار، تیسری بار، یہاں تک کہ دس مرتبہ جال ڈالے، مگر کوئی چیز نہ پھنسی، یہ دیکھ کر بہت پریشان ہوا، اپنے دل میں غور کرنے لگا اور کہا کہ میں اس خدا سے مغفرت مانگتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جو ہمیشہ زندہ ہے اور تمام چیزوں کو سنبھالے ہوئے ہے، سوائے خدا کے نہ کسی میں قوت ہے نہ طاقت، جو وہ چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ رزق دینے کا ذمہ دار وہی خدا ہے اگر وہ کسی کو دینا چاہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا اور اگر وہ کسی کو نہ دینا چاہے کوئی اسے نہیں دے سکتا۔ یہ کہہ کر وہ سر جھکائے سوچتا رہا، طبیعت نے صلاح دی کہ ایک آخری بار اور پھینکوں اور خدا پر بھروسہ کروں، ممکن ہے کہ وہ مجھے ناامید نہ کرے۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا، اپنا ہاتھ خوب لمبا کر کے جال پھینکا اور اس کی رسیاں پکڑ کر تھوڑی دیر انتظار کیا پھر اسے کھینچا تو دیکھا کہ وہ بھاری ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو بتیس ویں رات

آٹھ سو بتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جو ماہی گیر نے جال کھینچا تو اسے بھاری معلوم ہوا، اس نے بہت سنبھال کر کھینچا۔ جب وہ باہر آیا تو اس میں ایک کانا اور لنگڑا بندر نکلا۔ اسے دیکھ کر خلیفہ لاجول پڑھنے لگا اور کہا کہ میری قسمت بھی عجب منحوس ہے کہ آج کے مبارک دن میں مجھے یہ ہاتھ آیا لیکن قسمت میں یہی لکھا ہے کیا کیا جائے! اس نے بندر کو ایک رسی سے باندھا اور رسی ایک درخت سے اٹکا دی۔ ماہی گیر کے پاس ایک کوڑا تھا، اس نے کوڑا ہاتھ میں لے کر اوپر اٹھایا اور چاہتا ہی تھا کہ بندر کو مارے، اتنے میں خدا کی قدرت سے بندر نہایت فصیح زبان میں بولا اے خلیفہ، اپنا ہاتھ روک لے اور مجھے نہ مار بلکہ مجھے یہیں بندھا چھوڑ کر دیا پر جا اور خدا پر بھروسہ کر کے جال پھینک، وہ تجھے روزی دے گا۔ بندر کی باتیں سن کر خلیفہ نے جال اٹھایا، دیا پر جا کر پھینکا اور کچھ دیر تک ڈوبیاں ڈھیلی رکھنے کے بعد اسے کھینچا محسوس ہوا کہ جال پہلے سے بھی بھاری ہے، وہ بہ مشکل اسے کھینچتا کھینچتا کنارے پر لایا اور دیکھا کہ اس میں ایک دوسرا بندر ہے، جس کے دانت دور دور ہیں، آنکھیں کالی کالی، ہاتھ لال لال، وہ ہنس رہا ہے اور اس کی کمر سے ایک چیتھڑا بندھا ہوا ہے، خلیفہ بولا کہ سب تعریفیں خدا کے لئے ہیں جس نے دیا کی مچھلیوں کو بندر بنا دیا اور اس بندر کے پاس جو درخت سے بندھا ہوا تھا آ کر کہنے لگا اے منحوس! تو نے مجھے کیسا برا مشورہ دیا کہ دوسرا بندر بھی میرے پلے پڑا۔ چونکہ سویرے سویرے میں نے تجھ لنگڑے اور کانے کا منہ دیکھا ہے اسی لئے میں دن بھر پریشان رہوں گا، مجھے نہ دینار ملے گا نہ درہم، یہ کہہ کر اس نے ایک ڈنڈا لیا اور اسے تین بار ہوا میں چکر دے کر چاہتا ہی تھا کہ بندر کو مارے، بندر دہائی مانگنے لگا اور کہا کہ خدا کے لئے میرے ساتھی کے طفیل مجھے معاف کر دے اور اس سے اپنا مطلب بیان کر کہ

تو کیا چاہتا ہے‘ وہ تیری مراد پوری کر دے گا۔ خلیفہ نے ڈنڈا پھینک دیا اور اسے معاف کر دیا۔

اس کے بعد وہ دوسرے بندر کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ بندر نے کہا اے خلیفہ‘ ایسی باتوں سے تجھے کچھ نہ ملے گا۔ تو اپنا فائدہ چاہتا ہے تو میری بات سن‘ اگر تو نے میرا کہنا مان لیا اور مخالفت نہ کی تو میرے سبب سے تو امیر ہو جائے گا۔ خلیفہ بولا وہ کیا بات ہے جس میں تو میری موافقت چاہتا ہے؟ بندر نے کہا مجھے یہیں بندھا چھوڑ کر دیا پر جا اور جال پھینک‘ اس کے بعد میں بتاؤں گا کہ تجھے کیا کرنا چاہیے‘ خلیفہ جال لے کر دیا کے پاس گیا‘ جال پھینک کر تھوڑی دیر تک انتظار کیا‘ کھینچا تو بھاری معلوم ہوا‘ آہستہ آہستہ کھینچ کر کنارے پر لایا۔ دیکھا کہ اس کے اندر ایک بندر اور ہے لیکن یہ بندر سرخ سفید تھا اور نیلے کپڑے پہنے ہوئے۔ اس کے ہاتھ پاؤں رنگے ہوئے تھے اور آنکھیں سرمئی‘ خلیفہ بولا‘ سبحان اللہ‘ واقعی آج کا دن شروع سے لے کر آخر تک مبارک نکلا کیونکہ پہلے بندر کی وجہ سے اس کا شگون اچھا نکلا‘ مضمون کی سرخی سے پتا چل جاتا ہے کہ اس کے اندر کیا ہو گا۔ آج کا دن بندروں کا دن ہے اور دیا میں ایک بھی مچھلی باقی نہیں‘ گویا ہم بندر ہی کا شکار کرنے آئے ہیں۔ ساری تعریفیں خدا کے لئے ہیں جس نے مچھلیوں کو بندر سے بدل دیا۔ پھر وہ اس تیسرے بندر کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا‘ اے منحوس‘ بتا تو کون ہے؟ اس نے کہا خلیفہ کیا تو مجھے پہچانتا نہیں؟ خلیفہ بولا نہیں۔ بندر بولا کہ میں یہودی صراف ابوالسعادات کا بندر ہوں۔ خلیفہ نے پوچھا تیرا کام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جب میں اسے صبح بخیر کہتا ہوں تو وہ پانچ دینار کما لیتا ہے اور جب میں شام کو شام بخیر کہتا ہوں تو وہ پھر پانچ دینار کما لیتا ہے۔ خلیفہ نے پہلے بندر کی طرف مخاطب ہو کر کہا‘ اے منحوس‘ دیکھ دوسرے لوگوں کے بندر کیسے اچھے ہیں! ایک تو ہے کہ صبح کو اپنی لنگڑی‘ کانی اور منحوس صورت دکھا کر مجھے فقیر مفلس اور بھوکا بنا دیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ڈنڈا اٹھایا اور ہوا میں تین بار گھما کر چاہتا ہی تھا کہ بندر کو مارے‘ ابوالسعادات کا بندر بولا۔ اے

خلیفہ جانے دے، اسے مار نہیں بلکہ میرے پاس آتا کہ میں بتاؤں کہ تجھے کیا کرنا چاہیے۔ خلیفہ نے ڈنڈا پھینک دیا اور اس کے پاس جا کر کہا اے تمام بندروں کے سر تاج، تو مجھ سے کیا کہنا چاہتا ہے؟ بندر بولا کہ جال لے کر دیا میں پھینک، مجھے اور ان بندروں کو اپنے پاس بیٹھا رہنے دے اور جو کچھ جال میں آئے، اسے لے کر میرے پاس آ، میں تجھے ایسی بات بتاؤں گا کہ تیرا دل خوش ہو جائے گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• آٹھ سو تینتیس ویں رات

آٹھ سو تینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- ابوالسعادات کے بندر نے خلیفہ سے کہا کہ میں تجھے ایسی بات بتاؤں گا کہ تیرا دل خوش ہو جائے گا۔ خلیفہ نے جواب دیا کہ برو چشم اور جال لپیٹ کر اپنے کندھے پر رکھا، دیا پر جا کر اسے پھینکا اور تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد کھینچا دیکھا کہ اس میں ایک مچھلی کا بچہ آیا ہے جس کا سر بڑا، دم ڈوئی جیسی ہے اور آنکھیں ایسی ہیں جیسے دو دینار، اسے دیکھ کر خلیفہ خوش ہو گیا، کیونکہ عمر بھر کبھی اس نے ایسی مچھلی نہیں پکڑی تھی اور تعجب کے ساتھ اسے لے کر یہودی ابوالسعادات کے بندر کے پاس آیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ساری دنیا اس کے قبضے میں آگئی۔ بندر بولا، اے خلیفہ تو اس مچھلی کا کیا کرے گا اور اپنے بندر کے متعلق تیرا کیا ارادہ ہے؟ خلیفہ نے کہا اے بندروں کے آقا! سن میں کیا کیا کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ کسی نہ کسی ترکیب سے اپنے اس ملعون بندر کو مار ڈالوں، اس کے بدلے تجھے اپنے پاس رکھوں اور ہر روز جو تیرا جی چاہے، تجھے کھلاؤں بندر بولا چونکہ تو نے مجھے پسند کر لیا ہے میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تجھے کیا کرنا چاہیے، خدا نے چاہا تو تیری حالت سدھر جائے گی جو کچھ میں چاہتا ہوں اسے اچھی طرح سمجھ لے۔ وہ یہ ہے کہ میرے لئے بھی ایک رسی بٹ اور مجھے کسی درخت سے باندھ کر دیا کے پتے کے بیچ میں کھڑا ہو، پھر دجلہ میں جال پھینک اور تھوڑی دیر ٹھہر کر اسے کھینچ، اس میں تجھے ایک ایسی مچھلی ملے گی جیسی تو نے عمر بھر نہ دیکھی ہو گی۔ مچھلی کو لے کر میرے پاس آؤ تا کہ میں بتاؤں کہ اس کے بعد تجھے اور کیا کرنا ہے۔ خلیفہ نے فوراً اٹھ کر دجلہ میں جال پھینکا اور جب اسے کھینچا تو اس میں ایک بیاض مچھلی نکلی جو بھیڑ کے بچے کے برابر تھی اور

بالکل نئی صورت شکل کی۔

خلیفہ اس مچھلی کو لے کر بندر کے پاس گیا۔ بندر بولا کہ تھوڑی سی ہری گھاس لے آ اور اس میں سے ادھی ایک ٹوکری میں ڈال کر مچھلی کو اس کے اوپر رکھ دے، باقی ادھی سے اسے ڈھانک دے پھر اس ٹوکری کو کندھے پر رکھ کر بغداد جا۔ ہمیں یہیں بندھا رہنے دے کوئی بھی تجھ سے بات کرے یا کچھ پوچھے تو بالکل جواب نہ دیجیو۔ جب تو صرافوں کے بازار میں پہنچے گا تو اس کے صدر میں تجھے صرافوں کے چودھری استاد ابوالسعادات یہودی کی دکان ملے گی، تو دیکھے گا کہ وہ ایک گدے پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے پیچھے تکیے لگے ہوئے ہیں۔ سامنے دو صندوق ایک سونے کے لئے، دوسرا چاندی کے لئے اور اس کے ارد گرد بہت سے نوکر چاکر اور غلام ہیں۔ اس کے پاس پہنچ کر ٹوکرا اس کے آگے رکھ دیجیو اور کہیو اے ابو السعادات، میں آج مچھلیاں مارنے نکلا تھا، تیرے نام پر جال پھینکا اور خدا نے یہ مچھلی بھیجی۔ وہ کہے گا کہ تو نے کسی اور کو تو نہیں دکھایا؟ تو کہیو کہ خدا کی قسم نہیں۔ وہ تجھ سے مچھلی لے لے گا اور تجھے ایک دینار دے گا لیکن تو اسے منظور نہ کیجیو۔ پھر وہ تجھے دو دینار دے گا، انہیں بھی نہ لیجیو۔ غرض کہ جو کچھ وہ تجھے دینا چاہے، اسے قبول نہ کیجیو، خواہ وہ اس کے برابر سونا بھی تول کر تجھے کیوں نہ دے۔ پھر وہ پوچھے گا کہ آخر تو کیا چاہتا ہے؟ کہیو کہ خدا کی قسم میں اسے محض دو بولوں کے بدلے بیچوں گا اگر وہ پوچھے کہ وہ دو بول کیا ہیں تو کہیو کہ اپنے پاؤں کے بل کھڑا ہو جا اور کہہ کہ اے بازار والو، گواہ رہو کہ میں خلیفہ مانی گیر کے بندر سے اپنا بندر بدلتا ہوں اور اس کا حصہ اپنے حصے سے اور اس کی قسمت اپنی قسمت سے بس یہی مچھلی کی قیمت ہے۔ اشرفیوں کی مجھے ضرورت نہیں۔ اگر اس نے یہ کہہ دیا تو میں ہر روز تیرے پاس صبح بخیر اور شام بخیر کہنے آؤں گا اور ہر روز تو دس دینار سونے کے کما لیا کرے گا، اور یہ کتنا لگژا بندر روز ابوالسعادات یہودی کو صبح بخیر کہے گا اور خدا اسے ہر روز قرض میں

بتلا کرتا رہے گا یہاں تک کہ وہ فقیر ہو جائے گا اور اس کے پلے ایک دمڑی بھی نہ رہے گی۔ یہ میری بات غور سے سن لے تاکہ تو امیر ہو جائے۔ بندر کی باتیں سن کر خلیفہ ماہی گیر بولا، اے تمام بندروں کے سر تاج میں تیرا مشورہ مانتا ہوں، لیکن خدا اس منحوس سے سمجھے! سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے ساتھ کیا کروں۔ بندر بولا کہ اسے بھی پانی میں چھوڑ دے اور مجھے بھی۔ خلیفہ نے کہا کہ سر آنکھوں پر۔ یہ کہہ کر وہ بندر کے پاس گیا اور انہیں کھول کر چھوڑ دیا، وہ دیا میں چلے گئے۔ خلیفہ نے مچھلی اٹھائی اور اسے دھویا، ٹوکری میں ہری گھاس بچھائی اور مچھلی کو اس پر رکھ کر باقی گھاس سے ڈھانک دیا اور ٹوکری کو کندھے پر رکھ کر چل دیا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو چونتیس ویں رات

آٹھ سو چونتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- خلیفہ ماہی گیر ٹوکرے کو اپنے کندھے پر رکھ کر چل دیا۔ شہر کے اندر پہنچا تو لوگوں نے اسے دیکھ کر آواز دی اور کہا اے خلیفہ تیرے پاس کیا ہے؟ لیکن وہ کسی کی طرف متوجہ نہ ہوا بلکہ سیدھا صراف کی طرف چلا گیا اور بندر کے کہنے کے موافق دکانوں کے آگے سے گزرنے لگا یہاں تک کہ اس کی نظر یہودی پر پڑی۔ دیکھا کہ وہ دکان میں بیٹھا ہوا ہے اور غلام اس کی خدمت میں حاضر ہیں۔ گویا وہ خراسان کا کوئی بادشاہ ہے۔ خلیفہ نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا اور اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ یہودی نے سر اٹھا کر دیکھا اور پہچان کر کہا کہ اے خلیفہ مرحبا! تو کیا چاہتا ہے اور تیرا کیا مقصد ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے تجھ سے ٹیڑھی بات کہی ہے یا جھگڑا کیا ہے بتاتا کہ میں تجھے والی کے پاس لے چلوں اور وہ تیرے حق میں انصاف کرے۔ خلیفہ بولا، اے یہودیوں کے سردار! تیرے سر کی قسم مجھ سے کسی نے ٹیڑھی بات نہیں کہی بلکہ آج میں تیری قسمت پر گھر سے نکلا اور دجلہ میں جا کر جال پھینکا اور یہ مچھلی نکلی۔ یہ کہہ کر اس نے ٹوکرہ کھولا اور مچھلی کو یہودی کے آگے ڈال دیا۔ یہودی نے اسے دیکھ کر پسند کیا اور کہا قسم ہے تو ریت، زبور اور احکامات کی کہ رات جب میں سو رہا تھا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں حضرت مریم کے آگے کھڑا ہوں اور وہ کہہ رہی ہیں کہ سن اے ابو السعادات، میں نے تیرے پاس ایک ہدیہ بھیجا ہے۔ بے شک وہ ہدیہ یہی ہو گا۔ اس کے بعد اس نے خلیفہ سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ تجھے قسم ہے اپنے دین کی بتا کہ اس مچھلی کو کسی اور نے تو نہیں دیکھا؟ خلیفہ نے کہا اے یہودیوں کے سردار! ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قسم! سوائے تیرے کسی نے نہیں دیکھا۔

اب یہودی نے اپنے ایک غلام سے مخاطب ہو کر کہا۔ یہ مچھلی میرے گھر لے جا اور سعادات سے کہیو کہ وہ اسے بنا کر اور صاف کر کے میری واپسی کے وقت تک تل رکھے۔ خلیفہ نے بھی کہا کہ اے غلام! استاد کی بیوی سے کہیو کہ اس میں سے کچھ تلے اور کچھ بھونے، غلام مچھلی لے کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہودی نے ایک دینار نکال کر خلیفہ مایہ گیر کو دیا اور کہا اے خلیفہ، اسے لے کر اپنے بال بچوں پر صرف کر۔ خلیفہ دینار اپنے ہاتھ میں دیکھ کر کہنے لگا کہ پاک ہے سارے عالم کا مالک، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے کبھی کوئی سونے کی چیز نہ دیکھی تھی۔ وہ دینار لے کر چند قدم چلا، یکا یک اسے بندر کا کہنا یاد آ گیا۔ اس نے واپس آ کر دینار پھینک دیا اور کہا کہ لے اپنا دینار اور مچھلی واپس دے دے، کیا تو لوگوں کا مذاق نہیں اڑانا چاہتا ہے؟ یہ سن کر یہودی کو گمان ہوا کہ وہ اس سے مذاق کرتا ہے۔ اس نے خلیفہ کو دو دینار اور دے دیئے۔ خلیفہ بولا کہ مچھلی واپس دے دے۔ مذاق نہیں، کیا تو سمجھتا ہے کہ میں ان داموں میں مچھلی بیچ ڈالوں گا؟ یہودی نے ہاتھ بڑھا کر اور دو دینار نکالے اور کہا کہ لے یہ پانچ دینار اپنی مچھلی کے دام لے اور لالچی نہ بن۔ خلیفہ انہیں ہاتھ میں لے کر خوش خوش چل دیا۔ وہ دیناروں کو دیکھتا اور تعجب کرتا اور کہتا کہ پاک ہے اللہ! جو میرے پاس ہے وہ بغداد کے خلیفہ کے پاس بھی نہ ہو گا۔ وہ سڑک کے دوسرے کنارے پر پہنچا تو اسے بندر کا کہنا پھر یاد آ گیا جو اس نے چلتے وقت کہا تھا اور یہودی کے پاس لوٹ کر اس نے دینار پھینک دیئے۔ یہودی نے کہا اے خلیفہ! تجھے کیا ہو گیا ہے؟ آخر تو کیا چاہتا ہے؟ کیا میں تیرے دیناروں کو توڑ کر درہم دے دوں؟ خلیفہ بولا نہ میں درہم چاہتا ہوں، نہ دینار، تو مچھلی واپس کر دے۔ یہودی کو غصہ آ گیا اور ڈانٹ کر کہا اے مایہ گیر! تو ایک مچھلی لایا جس کے دام ایک دینار بھی نہیں۔ میں تجھے اس کے بدلے پانچ دینار دیتا ہوں اور تو راضی نہیں ہوتا۔ کہیں تو پاگل تو نہیں ہو گیا ہے؟ اچھا بتا کتنے میں بیچے گا؟

خلیفہ بولا کہ نہ میں اسے درہم کے بدلے بیچوں گا نہ دینار کے بلکہ دو بولوں کے بدلے جو تو مجھ سے کہہ دے۔ دو بولوں کا نام سن کر یہودی کی آنکھیں دھنس گئیں، سانس اکھڑ گیا اور دانت پیس کر کہنے لگا اے مسلمانوں کے ڈاکو! تو چاہتا ہے کہ میں تیری مچھلی کے بدلے اپنا دین بیچ ڈالوں؟ کیا تو میرا مذہب اور عقیدہ بگاڑنے آیا ہے جس پر میرے باپ دادا چلے آئے ہیں؟ اب اس نے اپنے غلاموں کو آواز دی، وہ آئے تو اس نے کہا کہ پکڑو اس منحوس کو، مارے گھونسوں کے توڑ ڈالو اس کی گردن اور اتنا مارو کہ وہ بھی یاد کرے۔ یہ سنتے ہی انہوں نے مارنا شروع کر دیا اور اتنا مارا کہ وہ دکان کے نیچے جا گرا۔ یہودی بولا کہ اب اسے چھوڑ دو کہ کھڑا ہو جائے، خلیفہ اٹھ کھڑا ہوا، گویا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ یہودی بولا، بتا تو مچھلی کے دام کیا چاہتا ہے تاکہ میں تجھے دے دوں کیونکہ اس وقت میں نے تیرے ساتھ برا بتاؤ کیا ہے۔

خلیفہ نے کہا، استاد، مار کی پروا نہ کر، میں دس گدھوں کے برابر مار کھا سکتا ہوں۔ یہودی ہنس پڑا اور کہنے لگا خدا کے لئے بتا تو سہی کہ تو کیا چاہتا ہے اور میں اپنے دین کی قسم کھاتا ہوں کہ تو جو مانگے گا میں دوں گا۔ خلیفہ نے کہا اس مچھلی کی قیمت سوائے دو بولوں کے اور کچھ نہ لوں گا۔ یہودی بولا، شاید تو چاہتا ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔

خلیفہ نے کہا اے یہودی! اگر تو مسلمان ہو گیا تو تیرے اسلام سے نہ مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا نہ یہودیوں کو نقصان، اور اگر تو کافر ہی رہا تو تیرے کفر سے نہ مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا نہ یہودیوں کو فائدہ۔ میں تو محض اتنا چاہتا ہوں کہ تو کھڑا ہو کر کہہ دے کہ اے بازار والو! گواہ رہو کہ میں اپنے بندر کو خلیفہ کے بندر سے بدلتا ہوں، اپنے دنیوی فائدے کو اس کے دنیوی فائدے سے اور اپنی قسمت کو اس کی قسمت سے۔ یہودی بولا کہ اگر تو اتنی سی بات چاہتا ہے تو وہ میرے لئے آسان ہے۔

اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو پینتیس ویں رات

آٹھ سو پینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- یہودی خلیفہ ماہی گیر سے بولا کہ اگر تو اتنی ہی سی بات چاہتا ہے تو وہ میرے لئے آسان ہے۔ یہ کہہ کر وہ فوراً کھڑا ہو گیا، جو کچھ خلیفہ ماہی گیر نے کہا تھا کہہ دیا اور پھر اس کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا، اب اور کچھ تو باقی نہیں؟ ماہی گیر نے کہا نہیں۔ یہودی بولا کہ اچھا خدا حافظ، خلیفہ فوراً اٹھا ٹوکرا اور جال لے کر دجلہ پر پہنچا۔ جال پھینک کر کھینچا تو وہ بھاری معلوم ہوا۔ اور بڑی مشکل سے نکلا۔ جال باہر آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ طرح طرح کی مچھلیوں سے بھرا ہوا ہے۔ اتنے میں ایک عورت آئی جس کے پاس ایک سنی تھی۔ اس نے خلیفہ کو ایک دینار دیا اور خلیفہ نے اسے ایک دینار کی مچھلیاں دے دیں پھر ایک نوکر آیا۔ اس نے بھی ایک دینار کی مچھلیاں مول لیں۔ اسی طرح اس نے دس دینار کی مچھلیاں بیچ لیں اور پھر برابر دس دن تک دس دس دینار کی مچھلیاں بیچتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کے پاس سونے کے سو دینار اکٹھے ہو گئے۔ اس ماہی گیر کا مکان ایک گلی میں تھا، جہاں سوداگر رہا کرتے تھے ایک رات وہ اپنے گھر میں بھنگ کے نشے میں پڑا ہوا تھا کہنے لگا کہ اے خلیفہ! تمام لوگ جانتے ہیں کہ تو ایک غریب ماہی گیر ہے لیکن تو نے سونے کے سو دینار کما لئے ہیں۔ اب خلیفہ ہارون الرشید کو ضرور کسی نہ کسی شخص سے اس کی خبر مل جائے گی۔ ممکن ہے کہ اسے داموں کی ضرورت ہو اور وہ تجھے بلا بھیجے اور تجھ سے کہے کہ مجھے کچھ دیناروں کی ضرورت ہے مجھے خبر ملی ہے کہ تیرے پاس سو دینار ہیں لہذا وہ مجھے قرض دے دے۔ میں کہوں گا کہ اے امیر المومنین میں تو قلاش ہوں جس نے تجھ سے کہا ہے کہ میرے پاس سو دینار ہیں، جھوٹ کہتا ہے بلکہ اس کا ایک حصہ بھی نہ میرے پاس ہے۔ نہ میری ملکیت، یہ سن کر وہ مجھے والی کے حوالے کر دے گا اور کہے گا کہ

اس کے کپڑے اتار کر اسے ڈنڈے مارو اس لئے بہتر ہے کہ میں فوراً اٹھ کر خود کو کوڑے ماروں تاکہ مجھے مار کھانے کی مشق ہو جائے۔ بھنگ نے اس سے کہا کہ اٹھ کر کپڑے اتار ڈال اور اس نے فوراً کپڑے اتار ڈالے اور ہاتھ میں ایک کوڑا لے لیا۔ اس کے پاس چڑے کا ایک تکیہ تھا وہ ایک کوڑا اس پر اور ایک اپنے اوپر مارنے اور کہنے لگا آہ آہ! اے میرے آقا! خدا کی قسم یہ سب جھوٹ ہے، لوگ میرے اوپر بہتان لگاتے ہیں، میں تو ایک غریب ماہی گیر ہوں اور دنیا داری کی کوئی چیز میرے پاس نہیں۔ جب خلیفہ ماہی گیر ایک کوڑا اپنے اور ایک تکیے کے مار رہا تھا تو لوگوں کے کان میں اس کی آواز پہنچی کیونکہ رات میں آواز زیادہ گونجتی ہے منجملہ دوسرے لوگوں کے سوداگروں نے بھی سنا، وہ کہنے لگے کہ اس بیچارے کو کیا ہوا کہ چلا رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اسے مار رہا ہے، ہو نہ ہو چور اس کے گھر آئے ہیں اور اسے مار رہے ہیں۔ وہ سب کے سب اٹھے اور اپنے گھر لے نکل کر خلیفہ کے گھر پہنچے۔

وہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ گھر میں قفل پڑا ہوا ہے آپس میں کہنے لگے کہ غالباً چور پچھواڑے سے اترے ہوں گے۔ اس لئے ہمیں چھت پر چڑھنا چاہیے۔ یہ کہہ کر وہ چھت پر چڑھ گئے اور روشندان میں سے ہو کر اندر اترے۔ دیکھا کہ وہ ننگا اپنے آپ کو مار رہا ہے۔ انہوں نے کہا اے خلیفہ! تجھے کیا ہو گیا؟ اس نے کہا اے لوگو! میں نے چند دینار کمائے ہیں میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا حال خلیفہ ہارون الرشید کو معلوم ہو جائے اور وہ مجھے بلا کر دینار مانگے اور میں انکار کروں۔ اگر میں نے انکار کیا تو میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے سزا دے گا، اس لئے میں خود ہی اپنے آپ کو سزا دے رہا ہوں تاکہ جو کچھ میرے اوپر گزرنے والی ہے اس کی مشق ہو جائے۔ اس پر سوداگر ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ ایسی باتیں جانے دے، خدا تجھ سے بھی سمجھے اور تیرے دیناروں سے بھی۔ تو نے ہمیں گھبرا دیا اور پریشان کر دیا۔ یہ سن کر خلیفہ نے اپنے آپ کو مارنا بند کر دیا اور جا کر سو گیا، صبح تک سوتا رہا۔ جاگا اور اپنے کام

پر جانے لگا تو اسے اپنے سو دیناروں کی فکر پڑی۔ دل میں کہا کہ اگر میں انہیں گھر میں چھوڑے جاتا ہوں تو چور لے جائیں گے اور اگر میں انہیں کمر میں باندھ لوں تو ممکن ہے کہ کسی کی نظر پڑ جائے۔ وہ گھات میں لگا رہے مجھے کسی اکیلی جگہ پا کر قتل کر دے اور دینار لے اڑے، لیکن ایک ترکیب ہے بڑی عمدہ اور سودمند، یہ کہہ کر وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا، اپنے گریبان میں ایک جیب لگائی اور دیناروں کو تھیلی میں رکھ کر جیب کے اندر ڈال لیا اس کے بعد وہ اپنا جال اور ٹوکرا اور ڈنڈا لے کر چل دیا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• آٹھ سو چھتیس ویں رات

آٹھ سو چھتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- دجلہ پہنچ کر ماہی گیر نے جال پھینکا، کھینچا تو اس میں کچھ نہ تھا۔ اب وہ اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ گیا اور جال ڈالا وہاں بھی کچھ نہ نکلا۔ اسی طرح وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا رہا یہاں تک کہ وہ شہر سے آدھے دن کے فاصلے پر پہنچ گیا۔ ہر بار وہ جال پھینکتا اور وہ خالی نکلتا۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اب میں آخری دفعہ جال ڈالتا ہوں، یا تو چپ یا پٹ، یہ کہہ کر اس نے غصے میں بھر کر زور سے جال پھینکا، ساتھ وہ تھیلی بھی جس میں سو دینار تھے دیا میں جا پڑی اور پانی اسے بہا کر لے چلا۔ اس نے جال کو وہیں پھینکا اور کپڑے اتار تھیلی کے پیچھے دیا میں غوطہ مارا۔ تقریباً سو غوطے لگائے، مگر تھیلی ہاتھ نہ آئی۔ یہاں تک کہ اس کی قوت نے جواب دے دیا۔ اور وہ تھک کر خالی ہاتھ پانی کے اوپر آگیا۔ ناامید ہو کر کنارے پر آیا تو دیکھا کہ سوائے ڈنڈے اور جال اور ٹوکڑے کے وہاں کچھ نہیں۔ اس نے اپنے کپڑے بہت ڈھونڈے لیکن پتا نہ چلا۔ آخر جال کو اپنے بدن پر لپیٹ، ڈنڈا ہاتھ میں لے کر ٹوکرا کندھے پر رکھ کر ایسا بھاگا جیسے بولایا ہوا اونٹ دائیں بائیں اور آگے پیچھے بھاگتا ہے یا بال بکھرے گرد آلود جیسے کوئی نافرمان جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے قید خانے سے چھوٹا ہو۔

یہ تو خلیفہ ماہی گیر کا قصہ ہوا۔ اب خلیفہ ہارون الرشید کا ماجرا سنو۔ ایک جوہری ابن القرناس نامی اس کا مصاحب تھا تمام لوگوں خاص کر تاجروں دلالوں اور سٹے والوں کو معلوم تھا کہ ابن قرناس خلیفہ کا تاجر ہے اور خلیفہ جتنے تحفے تحائف اور قیمتی چیزیں مول لینا چاہتا ہے بے اس کے مشورے کے نہیں لیتا یہاں تک کہ غلام اور باندیاں بھی۔ ایک روز جب کہ وہ تاجر اپنی دکان پر بیٹھا ہوا تھا دلالوں کا چودھری ایک کنیز کو لے کر اس کے پاس آیا۔ جس کا قد و قامت اور حسن و جمال ایسا عجیب و غریب تھا کہ

کسی کی نظر سے نہ گزرا ہو گا۔ منجملہ اور خوبیوں کے وہ تمام علوم و فنون میں بھی ماہر تھی۔ شعر کہتی اور تمام بابجے بجاتی۔ ابن قرناص جوہر نے اسے پانچ ہزار دینار میں مول لے لیا اور ایک ہزار دینار کے کپڑے پہنا کر امیر المومنین کے پاس لے گیا۔ خلیفہ اس رات اس کے ساتھ سویا۔ ہر علم و فن میں اس کا امتحان لیا۔ دیکھا کہ واقعی صاحب کمال ہے اور اس کا جواب کہیں نہیں۔ اس کا نام قوت القلوب تھا، صبح اٹھ کر ہارون الرشید نے ابن قرناص جوہری کو بلوایا وہ حاضر ہوا تو کنیز کے بدلے دس ہزار دینار عنایت کئے۔

خلیفہ اس کنیز کا اتنا گرویدہ ہو گیا کہ اس نے شہزادی زبیدہ بنت قاسم کو جو اس کی چچیری بہن تھی اور تمام چیمتی کنیزوں کو بالکل ترک کر دیا اور پورے ایک مہینے تک اس نئی کنیز کے ساتھ رہا۔ محض جمعے کی نماز پڑھنے کے لئے وہ اس سے جدا ہوتا اور نماز پڑھ کر فوراً اس کے پاس لوٹ آتا۔ امرا کو بڑا فکر پیدا ہوا، انہوں نے اس کی شکایت وزیر جعفر برکی سے کی۔ وزیر نے آئندہ جمعے تک انتظار کیا۔ جمعے کے دن جامع مسجد میں جا کر امیر المومنین سے ملا اور جتنے عجیب و غریب عشق کے قصے اسے اس وقت یاد آئے کہہ سنائے تاکہ خلیفہ کے دل میں جو بات ہے نکل جائے۔ خلیفہ نے کہا اے جعفر خدا کی قسم یہ میرے اختیار سے باہر ہے، میرا دل اس درجے اس کی محبت کا شکار ہو گیا ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ وزیر جعفر بولا، امیر المومنین سن، یہ چیمتی کنیز قوت القلوب اب تیرے قبضے میں ہے، تیری خادمہ ہے اور مثل ہے کہ جو چیز ہاتھ میں آ جاتی ہے اس سے دل ہٹ جاتا ہے اور میں تجھے ایک دوسری بات بتاتا ہوں کہ بادشاہ اور شہزادے جس چیز پر سب سے زیادہ فخر کرتے ہیں وہ سیر و شکار ہے۔ اگر تو اس طرف مشغول ہو تو غالباً اسے بھول جائے گا اور تیرا دل اس کی طرف سے ہٹ جائے گا۔ خلیفہ بولا: اے جعفر! یہ تو نے خوب بات کہی۔ ہمارے ساتھ فوراً شکار کھیلنے چل۔ جمعے کی نماز ختم ہوتے ہی دونوں جامع مسجد سے نکلے اور فوراً سوار ہو کر سیر و شکار کے لئے چل دیئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• آٹھ سو سینتیس ویں رات

آٹھ سو سینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- خلیفہ ہارون الرشید اور جعفر سیر و شکار کے لئے چل کھڑے ہوئے چلتے چلتے ایک جنگل میں پہنچے۔ امیر المومنین اور جعفر دونوں نچروں پر سوار تھے۔ باتوں میں اس قدر مصروف ہوئے کہ لشکر آگے نکل گیا۔ گرمی کا موسم تھا، رشید نے کہا اے جعفر! مجھے سخت پیاس لگی ہے۔ نظر دوڑائی تو اسے ایک اونچے ٹیلے پر کوئی چیز ہلتی ہوئی دکھائی دی۔ اس نے وزیر سے پوچھا کہ کیا تجھے بھی ایسا ہی دکھائی دیتا ہے، جیسا مجھے؟ وزیر بولا کہ اے امیر المومنین! ہاں مجھے بھی ایک اونچے ٹیلے پر کوئی چیز ہلتی دکھائی دے رہی ہے یا تو کسی باغ کا باغبان ہے یا کسی کھیرے کے کھیت کا رکھوالا، بہر حال اس کے قریب پانی ہو گا۔ میں ابھی جا کر تیرے لئے پانی لاتا ہوں۔ رشید بولا کہ میرا نچر تیرے نچر سے تیز ہے تو لشکر کی خاطر یہیں ٹھہر رہے ہیں خود جا کر اس شخص کے پاس سے پانی پی آتا ہوں۔ یہ کہہ کر رشید نے اپنے نچر کو ایڑ لگائی، نچر اس طرح چل نکلا جیسے آندھی اور دیا کا پانی اور پلک مارتے اس نے خلیفہ کو اس ہلتی ہوئی چیز کے پاس پہنچا دیا جو دراصل خلیفہ ماہی گیر تھا۔ رشید نے دیکھا کہ اس کے بدن پر بجائے کپڑوں کے جال لپٹا ہوا ہے اور آنکھیں مشعل کی طرح سرخ ہیں۔ اس کی صورت ڈراؤنی، قد جھکا ہوا ہے اور وہ ایسا گرد آلود ہے جیسے کوئی دیو یا شیر۔ رشید نے اسے سلام کیا۔ اس نے غصے کے لہجے میں سلام کا جواب دیا گویا اس کے بدن سے شعلے نکل رہے تھے۔ رشید نے پوچھا، اے شخص تیرے پاس کچھ پانی ہے؟ خلیفہ نے جواب دیا کیا تو اندھا ہے یا پاگل ہے؟ تیرے پاس ہی تو دجلہ بہہ رہا ہے اور اسی ٹیلے کے پیچھے رشید ٹیلے کے پیچھے سے گھوم کر دجلہ پر پہنچا۔ خود بھی پانی پیا اور اپنے نچر کو بھی پلایا۔ پانی پی کر رشید فوراً خلیفہ ماہی گیر کے پاس آیا اور کہا اے شخص، تو کون ہے اور یہاں

کھڑا کیا کرتا ہے۔ خلیفہ بولا یہ تیرا سوال پانی کے سوال سے بھی عجیب و غریب ہے، کیا تجھے میرے پٹھے کا سامان میرے کندھے پر رکھا دکھائی نہیں دیتا؟ رشید بولا تو ماہی گیر معلوم ہوتا ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ رشید نے پوچھا تیری قبا کہاں ہے اور شملہ کیا ہوا، پٹکا کدھر گیا اور کپڑے کیا ہوئے؟ لطف کی بات یہ تھی کہ اسی ترتیب سے خلیفہ کی یہ چیزیں غائب ہوتی رہی تھیں، لہذا جب خلیفہ نے خلیفہ کی باتیں سنیں تو اسے یقین ہو گیا کہ یہی شخص میرے کپڑے دیا کے کنارے سے لے گیا ہے اور وہ بجلی کی طرح ٹیلے سے اترا اور خلیفہ کے خچر کی لگام تھام کر کہنے لگا، اے شخص میرے کپڑے مجھے دے دے۔ ہنسی مذاق جانے دے۔ خلیفہ بولا خدا کی قسم! میں نے تیرے کپڑے دیکھے تک نہیں۔ نہ میں جانتا ہوں کہ وہ کیسے ہیں؟ رشید کے رخسار بڑے اور منہ چھوٹا تھا۔ اس لئے خلیفہ نے اسے دیکھ کر کہا تو گویا یا بانسری بجانے والا معلوم ہوتا ہے لیکن ان دونوں سے بہتر ہے کہ تو میرے کپڑے دے دے ورنہ میں اس ڈنڈے سے تجھے اتنا ماروں گا کہ تیرے کپڑے پیشاب سے تر ہو جائیں گے۔ جب خلیفہ نے دیکھا کہ خلیفہ ماہی گیر کے پاس ڈنڈا ہے اور وہ مارنے کے لئے تیار تو اپنے دل میں کہنے لگا کہ واللہ اس پاگل قلاش کے ڈنڈے کی آدھی مار بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس نے اپنی اطلس کی قبا اتار کر خلیفہ سے کہا کہ اپنے کپڑوں کے بدلے اس قبا کو لے لے۔ خلیفہ نے الٹ پلٹ کر دیکھا اور کہنے لگا میری قبا اس رنگین قبا سے دس گنی بہتر تھی۔ رشید بولا کہ جب تک میں تیرے کپڑے نہ لے آؤں، اسی قبا کو پہن لے۔ جب خلیفہ نے اسے لے کر پہنا تو دیکھا کہ وہ بہت لمبی ہے اس کے پاس ٹوکڑے سے بندھی ہوئی ایک چھری تھی۔ اسے لے کر خلیفہ نے نیچے سے ایک تہائی کٹ ڈالا اب وہ اس کی گھٹنوں تک آئی۔

پھر ماہی گیر نے رشید کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے بانسری بجانے والے، خدا کے لئے مجھے بتا دے کہ تیرا مشاہرہ کیا ہے جو تیرا استاد تجھے دیتا ہے۔ خلیفہ نے جواب

دیا سونے کے دس دینار، خلیفہ بولا اے مسکین تو نے اپنے غم کا بوجھ بھی میرے اوپر ڈال دیا۔ خدا کی قسم میں ہر روز دس دینار کماتا ہوں، اگر تو چاہتا ہے تو میری نوکری کر لے، میں تجھے مچھلیاں پکڑنا سکھا دوں گا اور میری کمائی میں تیرا حصہ ہو گا۔ اس طرح سے تو ہر روز پانچ دینار کمائے گا اور میرا غلام بن کر رہے گا اور اگر تیرے استاد نے کچھ چون و چرا کی تو اسی ڈنڈے سے میں اس کی خبر لوں گا۔ رشید بولا منظور ہے خلیفہ نے کہا اچھا اپنی گدھی کی پیٹھ پر سے اتر پڑ اور اسے باندھ دے تاکہ میں اس سے مچھلیاں ڈھونڈنے کا کام لوں اور فوراً میرے ساتھ چل میں تجھے مچھلیاں پکڑنا سکھا دوں۔ یہ سن کر رشید اپنے خچر سے اتر پڑا اور اسے ایک طرف باندھ کر اپنا دامن پیٹی میں اڑس لیا۔ خلیفہ نے کہا، اے بانسری بجانے والے، جال کو یوں پکڑ اور اسے یوں اپنے بازوؤں پر لپیٹ اور یوں دجلہ میں پھینک رشید نے دل مضبوط کر کے ایسا ہی کیا جیسا کہ اسے خلیفہ نے بتایا تھا اور جال کو دیا میں پھینکا لیکن جب اس نے اسے کھینچنا چاہا تو کھینچ نہ سکا۔ اب خلیفہ نے بھی آ کر زور لگایا وہ پھر بھی نہ کھنچا، خلیفہ کہنے لگا کہ اے منحوس بانسری بجانے والے، ایک بار تو میں اپنے کپڑوں کے بدلے تیری قبائے چکاہوں، اگر اس بار میرا جال پھٹ گیا تو اس کے بدلے میں تیری گدھی لے لوں گا اور تجھے اتنا ماروں گا کہ تجھے دم دبا کر بھاگتے ہی پڑے گی۔ رشید بولا کہ آہم دونوں مل کر کھینچیں۔ اس پر بھی جال مشکل سے کھنچا، اور جب باہر نکلا تو انہوں نے دیکھا کہ اس میں رنگ رنگ کی مچھلیاں ہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو اڑتیس ویں رات

آٹھ سو اڑتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب خلیفہ ماہی گیر اور خلیفہ نے جال کھینچا تو دیکھا کہ وہ طرح طرح کی مچھلیوں سے بھرا ہوا ہے تو خلیفہ بولا اے بانسری والے، خدا کی قسم تو بڑا خوش نصیب ہے، اگر تو نے ذرا محنت سے کام لیا تو بڑا ہوشیار ماہی گیر ہو جلتیگا۔ اب بہتر ہے کہ تو اپنی گدھی پر سوار ہو کر بازار جا اور وہاں سے دو ٹوکے لے کر آ۔ تیرے آنے تک میں ان مچھلیوں کی خبر گیری کا کام کروں گا، پھر ہم دونوں انہیں تیری گدھی پر لاد کر لے چلیں گے۔ میرے پاس ترازو، بٹے اور تمام ضروری چیزیں ہیں۔ تیرا کام بس اتنا ہو گا کہ تول تول کر دیتا جائے اور دام لیتا جائے۔ ہمارے پاس بیس دینار کی مچھلیاں ہوں گی، جلدی جا کر دو ٹوکے لے آ اور دیر نہ کر۔ خلیفہ نے سر آنکھوں پر کہہ کر ماہی گیر اور مچھلیوں کو وہیں چھوڑا اور اپنے نچر پر خوش خوش بیٹھ کر چل دیا۔ راستے بھر ہنستا رہا یہاں تک کہ جعفر کے پاس پہنچا۔ اسے دیکھ کر جعفر نے کہا امیر المومنین جب تو پانی پینے گیا تھا تو شاید تجھے کوئی عمدہ باغ مل گیا اور تو اس میں جا کر اکیلے سیر و تفریح کرنے لگا۔ جعفر کی یہ باتیں سن کر رشید ہنس پڑا اور تمام برمکیوں نے اٹھ کر اس کے آگے زمین چومی اور کہنے لگے کہ اے امیر المومنین خدا تجھے ہمیشہ خوش رکھے، غم کو تیرے پاس پھٹکنے نہ دے! جب تو پانی پینے گیا تو تجھے دیر کیوں لگی، تیرے ساتھ کیا ماجرا پیش آیا؟ خلیفہ نے کہا میرے ساتھ عجیب و غریب واقعہ پیش آیا یہ کہہ کر اس نے خلیفہ کا ماجرا دہرایا اور اس کا کہنا کہ تو نے میرے کپڑے چرائے ہیں، بیان کیا اور اس نے ماہی گیر کو اپنی قبا دے دی اور ماہی گیر نے اسے لمبا دیکھ کر نیچے سے کاٹ ڈالا۔

یہ سن کر جعفر بولا۔ امیر المومنین واللہ میرا خیال تھا کہ میں تجھ سے وہ قبا مانگ لوں

لیکن اب فوراً جا کر وہ قبا مای گیر سے خرید لاتا ہوں۔ خلیفہ نے کہ اب تو اس نے قبا کو نیچے کی طرف سے کاٹ کے بیکار کر دیا ہے۔ اے جعفر، دیا پر مچھلیاں پکڑتے پکڑتے میں تھک گیا ہوں میں نے بہت سی مچھلیاں ماری ہیں اور وہ سب میرے استاد خلیفہ کے پاس دیا کے کنارے پڑی ہوئی ہیں اور وہ کھڑا ہوا میری راہ دیکھ رہا ہو گا کہ میں دو ٹوکے لے کر پہنچوں اور ہم دونوں بازار جا کر انہیں بیچیں اور دام تقسیم کریں۔ جعفر نے کہا امیر المومنین میں تمہارے پاس گا بہوں کو لے آؤں گا۔ خلیفہ بولا اے جعفر! قسم ہے اپنے پاک بزرگوں کی جو کوئی اس خلیفہ کی جس نے مجھے مچھلیاں مارنا سکھایا ہے ایک مچھلی لے کر میرے پاس آئے گا، میں اسے ایک سونے کا دینار دوں گا۔ یہ سن کر ڈھنڈورا پیٹنے والے نے لشکر میں ڈھنڈورا پیٹ دیا کہ جا کر امیر المومنین کے لئے مچھلیاں خرید لاؤ۔ سارے غلام دیا کی طرف چل کھڑے ہوئے خلیفہ امیر المومنین کی راہ دیکھ ہی رہا تھا کہ غلام اس پر گدھوں کی طرح ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کو مار مار کر پیچھے ہٹانے لگے اور مچھلیاں لے کر زردوز رومالوں میں باندھ لیں۔ خلیفہ نے اپنے دل میں کہا کہ بے شک یہ جنت کی مچھلیاں ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے دو مچھلیاں اپنے دائیں ہاتھ میں لیں دو بائیں اور گلے گلے پانی میں اتر کر کہنے لگا کہ یا اللہ ان مچھلیوں کی قسم تیرا بندہ بانسری بجانے والا جو میرا شریک ہے، ابھی آتا ہو گا۔

خلیفہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ ایک غلام پہنچا جو خلیفہ کے غلاموں کا سردار تھا اور اس نے دیکھا کہ وہاں مچھلیاں باقی نہیں۔ جب اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو دیکھا کہ خلیفہ مای گیر مچھلیاں لئے پانی میں کھڑا ہے۔ وہ کہنے لگا اے مای گیر، ادھر آ۔ مای گیر نے جواب دیا چلتا ہو اور فضول باتیں نہ کر۔ غلام نے آگے بڑھ کر کہا یہ مچھلیاں مجھے دے دے، میں تجھے اس کی قیمت دیتا ہوں۔ خلیفہ مای گیر نے غلام سے کہا کیا تو پاگل ہو گیا ہے؟ میں انہیں نہیں بیچتا۔ یہ سن کر غلام نے اپنا گرز اٹھایا۔ خلیفہ

بولا کم بخت مجھے مار نہیں، گرز کی مار کھانے سے تو یہی بہتر ہے کہ میں تجھے مفت
 میں دے دوں۔ یہ کہہ کر اس نے مچھلیاں پھینک دیں اور غلام نے انہیں اٹھا کر رومال
 میں باندھ لیا۔ جب اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس میں ایک درہم بھی نہ نکلا۔
 وہ کہنے لگا اے ماہی گیر! تیری قسمت کھوٹی ہے، خدا کی قسم میرے پاس ایک درہم
 بھی نہیں، لیکن کل خلیفہ کے محل میں آ جاؤ اور کہیو کہ مجھے صندل غلام کے پاس
 لے چلو۔ غلام تجھے میرے پاس لے آئیں گے، وہاں جو تیری قسمت میں ہے، تجھے مل
 جائے گا۔ خلیفہ بولا آج کا دن بڑا مبارک ہے اور اس کی برکت شروع ہی سے ظاہر
 ہے۔ یہ کہہ کر اس نے جال کندھے پر رکھا اور چل دیا۔ بغداد پہنچ کر بازار میں سے
 گزرا۔ لوگوں نے اسے خلیفہ کی قبا پہنے دیکھا تو حیران ہو کر دیکھتے رہے۔ یہاں تک
 کہ وہ اپنے محل میں پہنچا۔ اسی محلے کے کنڑ پر خلیفہ کے درزی کی دکان تھی۔ درزی نے
 دیکھا کہ ماہی گیر ایک ہزار دینار کی قبا پہنے ہوئے ہے جو خلیفہ کی پوشاکوں میں سے
 ہے، وہ بولا اے خلیفہ، یہ قبا تجھے کہاں سے ملی؟ خلیفہ نے جواب دیا تو فضول باتیں
 کیوں کرتا ہے؟ مجھے یہ قبا ایک شخص سے ملی ہے جسے میں نے مچھلیاں پکڑنا سکھائی ہیں،
 جو میرا شاگرد بن گیا ہے اور جس کے ہاتھ کاٹے جانے کا گناہ میں نے بخش دیا ہے
 کیونکہ اس نے میرے کپڑے چرا لئے تھے ان کے بدلے اس نے مجھے یہ قبا دی ہے۔
 درزی سمجھ گیا کہ جب وہ مچھلیاں مار رہا تھا تو خلیفہ اس کے پاس سے گزرا ہو گا
 اور اس کا مذاق بنا کر اسے یہ قبا دے دی ہو گی۔
 اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
 ملی تھی۔

• آٹھ سو انتالیس ویں رات

آٹھ سو انتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- درزی سمجھ گیا کہ خلیفہ نے اس کے ساتھ مذاق کیا ہے۔

یہ تو ماہی گیر کا قصہ ہوا۔ اب خلیفہ ہارون الرشید کا حال سنو۔ وہ سیر و شکار کے لئے اسی غرض سے گیا تھا کہ کنیز قوت القلوب کی یاد اس کے دل سے نکل جائے۔ ادھر زبیدہ کو یہ خبر ہوئی کہ خلیفہ اس کنیز کی محبت میں گرفتار ہے تو اسے ویسا ہی رشک ہونے لگا جو عورتوں کو ہوا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا کھانا پینا بند ہو گیا، میٹھی نیند نے اسے خیر باد کہہ دیا اور وہ اسی تاک میں لگی رہی کہ خلیفہ کیسے باہر جائے یا سفر کرے تو وہ قوت القلوب کے لئے مکر کا جال بچھائے۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ خلیفہ سیر و شکار کے لئے گیا ہے تو اس نے باندیوں کو حکم دیا کہ کمروں میں فرش بچھائیں اور اسے خوب سجائیں پھر اس نے کھانے اور مٹھائیاں چنیں، منجملہ ان کے ایک چینی طباق میں بہترین حلوہ منگوا کر اس میں بھنگ ملا دی اور ایک غلام سے کہا کہ کنیز قوت القلوب کے پاس جا کر کہہ کہ امیر المومنین کی بیوی شہزادی زبیدہ بنت قاسم تجھے کھانے پر مدعو کرتی ہے اور اس سے یہ بھی کہیو کہ امیر المومنین کی بیوی آج بیمار ہے، اس نے سنا ہے تو گاتی اچھا ہے اس لئے وہ تیرے فن کو سن کر خوش ہونا چاہتی ہے۔ کنیز نے جواب بھیجا کہ پہلے خدا کا اور پھر شہزادی زبیدہ کا حکم سر آنکھوں پر۔ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ غیب کے پردے میں اس کے لئے کیا پوشیدہ ہے اور تمام ضروری باجے لے کر غلام کے ساتھ شہزادی زبیدہ کے پاس پہنچ گئی۔ اس کے آگے کئی بار زمین کو بوسہ دیا پھر کہنے لگی کہ سلام ہو بلند منزلت اور عالی جناب ذات پر جو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور نبی علیہ السلام کے خاندان سے ہے! خدا تجھے روز بروز اور سال بہ سال اقبال دے اور امن و امان سے

رکھے! یہ کہہ کر وہ دوسرے غلاموں اور باندیوں کے برابر کھڑی ہو گئی۔

شہزادی زبیدہ نے اس کی طرف نظر اٹھائی، دیکھا کہ وہ نہایت حسین و جمیل ہے، اس کے رخسار چمکنے چمکنے ہیں، سینہ انار کی طرح، چہرہ جیسے چاند، پیشانی آب دار اور آنکھیں سرگیں ہیں، گویا سورج اس کے ماتھے سے طلوع ہوتا ہے اور اندھیری رات اس کی زلفوں سے نکلتی ہے۔ مشک میں اسی کی خوشبو ہے اور پھولوں میں اسی کی خوش نمائی، چاند اسی کی جبین سے روشن ہے اور شاخ میں اس کے قد کی لچک ہے۔ گویا وہ پورا چاند ہے جو کالی رات میں چمک رہا ہے۔ اس کی آنکھیں گویا ہیں، بھنویں کمان کی سی اور ہونٹ مونگے کے بنے ہوئے جو کوئی اسے دیکھتا ہے، حیران ہو جاتا ہے اور اس کی آنکھیں اس پر جادو کر دیتی ہیں۔ عالی شان ہے وہ ذات جس نے اسے پیدا کیا اور یہ خوبیاں عطا کیں۔ شہزادی زبیدہ نے کہا اے قوت القلوب اہلاً و سہلاً مرحبا۔ بیٹھ کر اپنے فن سے ہمیں خوش کر، وہ بیٹھ کر دف بجانے لگی اور اتنا گایا بجایا کہ چڑیاں اڑنے سے رک گئیں اور مکان رقص کرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے دف کو رکھ دیا اور بانسری بجائی، پھر سارنگی اٹھائی، تاروں کو کھینچ اور کھونٹیوں کو گھما کر اسے اپنی گود میں رکھ لیا اور اس پر اس طرح جھک گئی جیسے بچے پر ماں اور چوہہ مختلف راگ بجائے یہاں تک کہ دیکھنے والے دنگ ہو گئے اور سننے والے جھومنے لگے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو چالیس ویں رات

آٹھ سو چالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- شنزادی زبیدہ کے سامنے سارنگی بجانے کے بعد قوت القلوب نے انگلیوں اور ہاتھوں کے کرتب دکھانے شروع کئے یہاں تک کہ شنزادی زبیدہ کو اس سے عشق ہو گیا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ میرا چچیرا بھائی رشید اس کے عشق میں حق بجانب ہے۔ اس کے بعد کنیز زبیدہ کے آگے زمین چوم کر بیٹھ گئی۔ کھانا لایا گیا، پھر مٹھائیاں اور وہ طباق جس میں بھنگ ملی ہوئی تھی۔ کنیز نے اس میں سے کھایا ابھی حلوہ اس کے پیٹ میں بھی نہ پہنچا ہو گا کہ اس کا سر چکرانے لگا اور وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑی۔ شنزادی زبیدہ نے باندیوں سے کہا، اسے اٹھا کر کسی کوٹھڑی میں لے جاؤ اور جب میں کہوں تو اسے لانا پھر زبیدہ نے ایک غلام سے کہا کہ ایک صندوق تیار کر اور ایک قبر سی بنا کر مشہور کر دے کہ کنیز کے گلے میں کوئی چیز پھنس گئی اور وہ مر گئی۔ زبیدہ نے اپنی خواصوں کو تنبیہ کر دی کہ اگر کسی نے بھی کہا کہ وہ زندہ ہے تو اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ اتنے میں خلیفہ سیر و شکار سے لوٹا اور سب سے پہلے اس کنیز کے متعلق دریافت کیا۔ ایک غلام آگے بڑھا جسے شنزادی زبیدہ نے سکھا دیا تھا کہ اگر خلیفہ تجھ سے اس کے بارے میں پوچھے تو کہہ دیجیو کہ مر گئی۔ اس نے خلیفہ کے آگے زمین چوم کر کہا اے میرے آقا! خدا تجھے سلامت رکھے! یقین جان کہ قوت القلوب کے حلق میں کھانے کی کوئی چیز پھنس گئی اور وہ مر گئی۔ خلیفہ بولا اے کم بخت غلام، خدا تجھے کبھی کوئی خوشخبری نصیب نہ کرے یہ کہہ کر وہ محل کے اندر گیا اور ہر ایک کو یہی کہتے سنا کہ وہ مر گئی۔ خلیفہ نے پوچھا کہ اس کی قبر کہاں ہے؟ لوگ اسے اس قبر کے پاس لے آئے جو جھوٹ موٹ بنا دی گئی تھی اور کہنے

لگے کہ یہ ہے اس کی قبر اسے دیکھ کر خلیفہ نے ایک چیخ ماری اور قبر سے لپٹ کر رونے لگا۔ بہت دیر تک اسی حالت میں رہا پھر وہ نہایت غمگین قبر کے پاس سے اٹھا، شہزادی زبیدہ کو یقین ہو گیا کہ اس کی چال چل گئی۔ اس نے غلام سے کہا کہ وہ صندوق لا، صندوق آ گیا تو زبیدہ نے کنیز کو اس میں بند کیا اور غلام سے کہا کہ کوشش کر کے اس صندوق کو بچ آ مگر اس شرط سے بچو کہ وہ بند رہے اور پھر دام اسے لوٹا دیجیو۔ غلام اسے لے کر زبیدہ کے پاس سے چل دیا اور جیسا کہا تھا ویسا ہی کیا۔

یہ تو ان لوگوں کا ماجرا ہوا، اب خلیفہ ماہی گیر کا قصہ سنو۔ دوسرے دن جب صبح ہوئی اور دن نکلا تو اس نے اپنے دل میں کہا کہ بہتر ہے آج میں اس غلام کے پاس جاؤں جس نے مجھ سے مچھلیاں خریدی تھیں اور کہا تھا کہ میں خلیفہ کے محل میں جا کر اس سے ملوں، چنانچہ خلیفہ اپنے گھر سے نکلا اور خلیفہ کے محل کی طرف چل دیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ غلام اور نوکر چاکر کچھ کھڑے ہیں، کچھ بیٹھے اور وہ غلاموں کا سردار بھی موجود ہے۔ خلیفہ کو دیکھ کر ایک غلام نے زور سے ڈانٹا جس کی وجہ سے سردار اس کی طرف متوجہ ہوا کہ دیکھے کون شخص ہے، ماہی گیر نے اسے پہچان لیا اور اسے یقین آ گیا کہ سردار نے بھی اسے پہچان لیا ہے تو وہ بولا اے لال بالوں والے، تو نے کسر باقی نہیں رکھی کیا ایمان دار آدمی ایسا ہی کیا کرتے ہیں؟ اس کی باتیں سن کر سردار ہنس پڑا اور کہنے لگا اسے ماہی گیر واللہ تو سچ کہتا ہے۔

غلاموں کے سردار صندل نے چاہا کہ اسے کچھ دے، اسی لئے اس نے اپنی جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اتنے میں شور و غل کی آوازیں آئیں۔ سردار نے سر اٹھایا کہ دیکھے کیا بات ہے۔ اس کی نظر وزیر جعفر برکی پر پڑی جو خلیفہ کے پاس سے آ رہا تھا سردار فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے آگے آگے چلنے اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ اس میں اتنی دیر ہو گئی کہ خلیفہ ماہی گیر بیٹھے بیٹھے تھک گیا اور اسے خلیفہ سے بات کرنے کا موقع نہ ملا۔ زیادہ دیر ہو گئی تو اس نے دور ہی سے اس کی طرف

اشاہ کر کے کہا اے میرے لال بالوں والے آقا، آخر تو مجھے رخصت کیوں نہیں کرتا؟ سردار نے سن تو لیا لیکن وزیر جعفر کے سامنے جواب دیتے اسے شرم آئی۔ وہ وزیر کے ساتھ گفتگو کرتا رہا اور ماہی گیر کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوا۔ خلیفہ نے کہا اے قرضے کو دیر میں ادا کرنے والے، خدا دیر لگانے والوں کا ستیاناس کرے اور ان تمام لوگوں کا جو اوروں کا مال لے کر اس کی ادائیگی میں شش و پنج کرتے ہیں۔ اے بڑی توند والے آقا، مجھے اپنی پناہ میں لے لے اور میرا قرض ادا کر دے تاکہ میں چلا جاؤں سردار تو کچھ بول نہ سکا لیکن جعفر نے دیکھ لیا کہ ایک آدمی سردار کی طرف ہاتھ ہلا ہلا کر کچھ کہنا چاہتا ہے۔ اسے برا معلوم ہوا اس نے سردار سے کہا اے غلام! یہ بیچارہ فقیر تجھ سے کیا مانگ رہا ہے؟ صندل نے عرض کیا اے میرے مولا وزیر، کیا تو اسے نہیں پہچانتا؟ وزیر جعفر نے جواب دیا، خدا کی قسم میں نہیں پہچانتا اور پہچانوں بھی تو کس طرح؟ اس وقت سے پہلے میں نے کبھی اسے دیکھا بھی نہیں۔ غلام بولا، اے میرے مولا، یہ وہی ماہی گیر ہے جس کی مچھلیاں ہم نے دجلہ کے کنارے لوٹی تھیں۔ میرے ہاتھ کچھ نہیں لگا تھا اور امیر المومنین کے پاس خالی ہاتھ جاتے شرم آتی تھی کیونکہ سارے غلام مچھلیاں لا رہے تھے۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ دیا کے بیچ کھڑا خدا سے دعا مانگ رہا ہے اور اس کے پاس چار مچھلیاں ہیں۔ میں نے کہا کہ جو کچھ تیرے پاس ہے مجھے دے دے، اس کے دام لے لے۔ اس نے مجھے مچھلیاں دے دیں تو میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا تاکہ میں اسے کچھ دوں لیکن میری جیب خالی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ میرے پاس محل میں آ جاؤ اور میں تجھے اتنا کچھ دوں گا کہ تیری مفلسی دور ہو جائے گی آج وہ آیا اور میں نے اسے کچھ دینے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ تو آگیا۔ میں تیری خدمت کے لئے اٹھ کھڑا ہوا، اسے بھول گیا اور وہ انتظار کرتے کرتے تھک گیا، بس یہ ہے اس کا قصہ اور اسی وجہ سے وہ ٹھہرا ہوا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• آٹھ سو اکتالیس ویں رات

آٹھ سو اکتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- صندل نے جعفر برکمی سے خلیفہ ماہی گیر کا قصہ سنا کر کہا کہ بس یہ ہے اس کا قصہ اور اسی وجہ سے وہ ٹھہرا ہوا ہے یہ سن کر وزیر مسکرایا اور کہنے لگا اے غلاموں کے سردار! یہ تو نے کیا کیا کہ یہ ماہی گیر تیرے پاس اتنی حاجت لے کر آیا اور تو نے اسے پورا نہ کیا؟ کیا تجھے معلوم نہیں کہ یہ کون ہے؟ صندل نے جواب دیا نہیں وزیر بولا، یہ امیر المومنین کا استاد اور شریک ہے۔ ہمارا مولا خلیفہ آج صبح سے پریشان خاطر ہے اور سوائے اس ماہی گیر کے کوئی اسے خوش نہیں کر سکتا۔ ماہی گیر کو جانے نہ دیجیو جب تک میں خلیفہ کی اجازت لے کر اسے اس کے آگے پیش نہ کر لوں۔ ممکن ہے کہ اس کی پریشانی دور ہو جائے۔ اسے دیکھ کر خلیفہ قوت القلوب کو بھول جائے اور ماہی گیر کی کچھ مدد کرے اور اس کا سبب تو ہو۔ غلام نے کہا کہ میرے مولا، جو تیرا جی چاہے کر، خدا تجھے بطور امیر المومنین کی سلطنت کے رکن کے قائم رکھے اور سلطنت پر خدا ہمیشہ اپنا سایہ رکھے اور اس کی حفاظت کرے! وزیر جعفر! خلیفہ کے پاس گیا اور غلاموں کے سردار نے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ ماہی گیر کا ساتھ نہ چھوڑیں۔

خلیفہ نے کہا کہ اے لال بالوں والے، تیرا کس قدر مجھ پر احسان ہے۔ قرض خواہ قرض دار ہو گیا تیرا گریبان پکڑتے الٹا میرا گریبان پکڑا گیا۔ ادھر جب جعفر خلیفہ کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ پریشان حال سر جھکائے بیٹھا ہوا ہے۔ خلیفہ کے سامنے آ کر جعفر نے کہا اے امیر المومنین دین کی حرمت بچانے والے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچیرے بھائی، سلامتی ہو تجھ پر! خلیفہ سر اٹھا کر بولا، تیرے اوپر بھی سلامتی ہو، خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں! جعفر نے کہا اگر امیر المومنین کی اجازت

ہو اور میرا اس میں نقصان نہ ہو تو بندہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ خلیفہ نے کہا بات کرنے میں کب تجھے نقصان پہنچا ہے! تو تو وزیروں کا سردار ہے، جو تیرا جی چاہے کہہ۔

وزیر جعفر بولا! اے میرے مولا، جب میں تیرے پاس سے نکل کر گھر جا رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ تیرا استاد، معلم اور شریک دروازے پر کھڑا ہے تجھ سے ناراض ہے، تیری شکایت کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ سبحان اللہ میں نے اسے مچھلیاں مارنی سکھائیں اور جب وہ ٹوکرے لینے گیا تو لوٹ کر بھی نہ آیا۔ یہ عجیب طرح کی شرکت ہے اور وہ عجیب قسم کا شاگرد اگر تجھے اس کے شریک بننے کی ضرورت ہے تو بسم اللہ ورنہ اس سے کہہ دے کہ وہ دوسرے کو شریک بنا لے۔ یہ سن کر خلیفہ مسکرا دیا، اس کی پریشانی دور ہو گئی اور وہ جعفر سے کہنے لگا تجھے میری جان کی قسم! کیا تو سچ کہتا ہے، ماہی گیر دروازے پر کھڑا ہے؟ جعفر نے جواب دیا، امیر المومنین، تیری جان کی قسم وہ دروازے پر کھڑا ہے۔ خلیفہ نے کہا اے جعفر! واللہ میں اس کا حق ادا کرنے کی ضرور کوشش کروں گا، اگر میرے خدا کو میرے ہاتھ سے اس کی بدبختی منظور ہے تو اسے بدبختی ملے گی اور اگر نیک بختی منظور ہے تو نیک بختی ملے گی۔ یہ کہہ کر خلیفہ نے ایک کانڈ لیا اور اس کے کئی پرزے کر کے جعفر سے کہا کہ تو ان پر اپنے ہاتھ سے ایک دینار سے لے کر ایک ہزار دینار تک مختلف رقیں لکھ اور چھوٹے چھوٹے عمدے سے لے کر خلافت تک مختلف مراتب اور سرداریاں اور چھوٹی سے چھوٹی سزا سے لے کر قتل تک طرح طرح کی سزائیں، جعفر نے خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی۔

اب خلیفہ نے کہا اے جعفر! قسم ہے مجھے اپنے پاک آباؤ اجداد کی، حمزہ اور عقیل کے ساتھ اپنی قرابت کی کہ میں خلیفہ ماہی گیر کو بلا کر حکم دیتا ہوں کہ وہ ان پرزوں میں سے جن کے مضمون کی خبر سوائے میرے اور تیرے کسی کو نہیں، ایک پر نہ اٹھا لے اور جو بات اس میں نکلے گی، وہ میں اسے دوں گا، اگر اس میں خلافت بھی نکلی تو میں اسے ماہی گیر کو دے دوں گا، اور اس میں کسی طرح کی کنجوسی نہ کروں گا

اور اگر پرزے میں پھانسی یا ہاتھ کاٹنا یا قتل کرنا نکلا تو وہی اس کے ساتھ کروں گا، اسے لے آ۔ یہ سن کر جعفر نے دل میں کہا لاحول ولا قوہ ----- اگر اس بیچارے کے لئے کوئی نقصان وہ چیز نکلی تو اس کا گناہ میرے اوپر ہو گا لیکن خلیفہ قسم کھا چکا ہے اور اب سوائے اس کے اور کوئی چاہ نہیں کہ وہ اندر آئے اور خدا کو جو منظور ہے وہی ہو گا۔

یہ کہہ کر وہ خلیفہ ماہی گیر کے پاس گیا اور چاہتا تھا کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے جائے۔ خلیفہ کے ہوش جاتے رہے اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا میری کیا عقل ماری گئی تھی کہ میں اس لال بالوں والے منحوس غلام کے پاس آیا اور اس بڑی توند والے سے ملا۔ جعفر اسے اپنے ساتھ لئے جا رہا تھا، غلام اس کے آگے آگے اور پیچھے پیچھے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ میری گرفتاری کافی نہ تھی کہ یہ لوگ میرے آگے اور پیچھے بھی ہو لئے کہ میں بھاگ بھی نہ سکوں۔ جب جعفر اسے لئے ہوئے سات دہلیزیں طے کر چکا تو کہنے لگا اے ماہی گیر، تو اس وقت مسلمانوں کے سردار اور دین کی حرمت کے بچانے والے کے سامنے کھڑا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے بڑا پردہ اٹھایا اور خلیفہ ماہی گیر کی خلیفہ رشید سے آنکھیں چار ہو گئیں جو تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور جس کے آس پاس بڑے بڑے عمدے دار خدمت کے لئے کھڑے تھے۔ جب خلیفہ نے اسے پہچان لیا تو آگے بڑھ کر کہا اے بانسری بجانے والے، اہلاً و سہلاً یہ ٹھیک نہیں کہ ہم ماہی گیری کریں اور تو مجھے مچھلیوں کی خبر گیری کرتا چھوڑ کر چلتا بنے اور لوٹ کر نہ آئے۔ غلام طرح طرح کے چوپایوں پر سوار میرے پاس آ پہنچے اور مچھلیاں چھین کر لے گئے۔ میں اکیلا کھڑا دیکھتا رہا۔ یہ سب تیرا قصور ہے کیونکہ تو اگر ٹوکرے جلد لے آتا تو ہم سو دینار کی مچھلیاں بیچ لیتے۔ اب جب کہ میں اپنے دام لینے آیا تو لوگوں نے مجھے گرفتار کر لیا، لیکن یہ تو بتا کہ تجھے کس نے یہاں باندھ کر بٹھایا ہے یہ سن کر خلیفہ مسکرا دیا اور پردے کا ایک کنارہ اٹھا کر اپنا سر نکالا اور کہا آگے بڑھ کر ان میں سے ایک کاغذ اٹھا لے۔ خلیفہ ماہی گیر نے امیر المومنین سے کہا کہ آج تک تو تو ماہی

گیر تھا لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آج تو نجومی ہو گیا ہے، لیکن تجھے معلوم نہیں کہ جو شخص زیادہ پیسے اختیار کرتا ہے اس کی مفلسی زیادہ ہو جاتی ہے۔ جعفر نے کہا جلدی سے پر نہ اٹھالے، باتیں مت کر اور امیر المومنین کا حکم مان، خلیفہ مامی گیر نے آگے بڑھ کر ہاتھ بڑھایا اور کہنے لگا کاش کہ یہ بانسری بجانے والا میرا پورا شاگرد ہو جاتا اور میرے ساتھ مچھلیاں مارتا! اس کے بعد اس نے پر نہ اٹھا کر خلیفہ کو دے دیا اور کہنے لگا اے بانسری بجانے والے، جو کچھ اس میں نکلے اسے مجھ سے ہرگز نہ چھپائیو۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

